الشفا بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم

الشفا

اردو

1

الإمام قاضی عیاض مالکی

رحمہ اللہ تعالی المتوفی ۵۴۴ھ

MUSTAFAWI
PUBLISHING

الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

الشفا

اردو

1

الامام قاضی عیاض مالکی

رحمہ اللہ تعالی المتوفی ۵۴۴ھ

MUSTAFAWI
PUBLISHING

تفصیلات

نام: شفا شریف (جلد اول)

مصنف: ابوالفضل قاضی عیاض مالکی اندلسی رحمہ اللہ

مترجم: حضرت سید مفتی غلام معین الدین نعیمی

سنہ اشاعت: ۱۴۴۵ھ (بمطابق ۲۰۲۴ء)

صفحات: ۴۸۹

ایڈیشن: پہلا ایڈیشن

MUSTAFAWI
PUBLISHING

All rights reserved.

Copyright © 2024 Mustafawi Publishing

الشفا

بتعريف حقوق المصطفى ﷺ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا

فہرست

مصنف کے بارے میں 12

تذکرہ مترجم 16

مقدمہ کتاب 24

قسم اول 32

آیات قرآنیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت اور عظمت و شان کا ثبوت 32

پہلا باب

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا بزبان باری تعالی 34

پہلی فصل 34

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نازل شدہ آیات قرآنی کا بیان 34

دوسری فصل 49

اللہ عزوجل کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاہد بنانا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و ثنا بیان کرنا 49

تیسری فصل 55

اللہ عزوجل کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کمال دلجوئی اور بڑے احسان کے ساتھ یاد کرنا 55

چوتھی فصل 60

اللہ عزوجل کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب عالیہ کی قسم یاد فرمانا 60

پانچویں فصل 66
اللہ کا اس مقام ومرتبہ کی قسم یاد فرمانا جو بارگاہ الٰہی میں حضور ﷺ کو حاصل ہے 66
چھٹی فصل 76
اللہ عزوجل کا حضور ﷺ کو مورد شفقت وکرم بنانا 76
ساتویں فصل 80
اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں انبیا علیہم السلام پر حضور ﷺ کی قدر و منزلت اور فضائل کی خبر دی 80
آٹھویں فصل 84
اللہ عزوجل کا حضور ﷺ پر درود بھیجنا، آپ ﷺ کی مدد کرنا اور آپ ﷺ کے سبب سے عذاب کو دفع کرنا 84
نویں فصل 89
سورۂ فتح میں حضور ﷺ کی بزرگیاں 89
دسویں فصل 94
کتاب مجید میں حضور ﷺ کا ذکر مبارک 94

دوسرا باب

حضور ﷺ خلق عظیم اور مجموعہ فضائل دینی ودنیوی میں کامل ہیں 99
پہلی فصل 101

حضور ﷺ تمام اوصاف کے جامع تھے 101

دوسری فصل 103

آپ ﷺ کا حلیہ مبارک 103

تیسری فصل 106

آپ ﷺ کی نظافت و پاکیزگی 106

چوتھی فصل 111

آپ ﷺ کا فہم و ذکا، عقل و خرد 111

پانچویں فصل 115

آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت 115

چھٹی فصل 123

آپ ﷺ کی نسبی شرافت، آپ ﷺ کے شہر کی بزرگی اور آپ کی نشو ونما 123

ساتویں فصل 125

ضروریات زندگی کی اقسام سے پہلی قسم 125

آٹھویں فصل 129

ضروریات زندگی کی دوسری قسم 129

نویں فصل 135

ضروریات ومقتضیات حیات کی قسموں کے بیان میں 135

دسویں فصل 139

آپ ﷺ کے خصائل مکتسبہ 139

گیارھویں فصل 145

آپ ﷺ کے مختلف فضائل 145

بارھویں فصل 147

آپ ﷺ کا حلم اور بردباری 147

تیرھویں فصل 155

آپ ﷺ کا جود و کرم اور سخاوت 155

چودھویں فصل 158

آپ ﷺ شجاعت و بہادری 158

پندرھویں فصل 162

آپ ﷺ کی حیا و چشم پوشی 162

سولھویں فصل 164

آپ ﷺ کا حسن ادب و معاشرہ اور اخلاق 164

سترھویں فصل 169

آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت 169

اٹھارویں فصل 174

آپ ﷺ کی وفا، حسن عہد اور صلہ رحمی 174

انیسویں فصل 177

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تواضع فرمانا 177
بیسویں فصل 181
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عدل، امانت، عفت اور صدق قال (راست گوئی) 181
اکیسویں فصل 185
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وقار، خاموشی، مروت اور نیک سیرتی 185
بائیسویں فصل 188
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زہد و تقوی 188
تیئسویں فصل 192
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خشیت و طاعت اور مشقت و ریاضت 192
چوبیسویں فصل 196
انبیاء علیہم السلام کے کمالِ خلق اور محاسن جمیلہ 196
پچیسویں فصل 207
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف امور میں عادت مبارکہ 207
چھبیسویں فصل 214
احادیث کے مشکل الفاظ کے معنی میں 214

تیسرا باب

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت احادیث کی روشنی میں 215

پہلی فصل 216
آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت اور اسم مبارک کی برکت کے بیان میں 216
دوسری فصل 230
آپ ﷺ کے وہ فضائل جو شب معراج عطا فرمائے گئے 230
تیسری فصل 243
آپ ﷺ کی معراج جسمانی تھی یا روحانی؟ 243
چوتھی فصل 248
معراج روحانی کے دلائل کا رد 248
پانچویں فصل 253
آپ ﷺ کا اللہ عزوجل کو دیکھنا 253
چھٹی فصل 262
واقعہ معراج میں حضور ﷺ کا اللہ عزوجل سے مناجات کرنا اور کلام کرنا 262
ساتویں فصل 265
شب معراج آپ ﷺ کا قرب 265
آٹھویں فصل 268
حضور ﷺ بروز قیامت خصوصی فضیلت سے مکرم ہوں گے 268
نویں فصل 272
آپ ﷺ کی محبت وخلت کا بیان 272

دسویں فصل 280
حضور ﷺ کی فضیلت و شفاعت اور مقام محمود کا ذکر 280
گیارھویں فصل 291
حضور ﷺ کی ان بزرگیوں کے بیان میں جو جنت میں صلہ درجہ رفیعہ، اور کوثر کے ساتھ ہیں . 291
بارھویں فصل 293
ان احادیث کا بیان جن میں آپ ﷺ کو دوسرے انبیا پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا 293
تیرھویں فصل 297
حضور ﷺ کے اسمائے گرامی کے بیان میں فضائل کا بیان 297
چودھویں فصل 306
اللہ عزوجل نے اپنے اسما کے ساتھ آپ ﷺ کے نام رکھے 306
پندرھویں فصل 320
ایک نکتے کا بیان 320

چوتھا باب

آپ ﷺ کے معجزات کے بیان میں 323
پہلی فصل 327
نبوت کی لغوی تحقیق 328
الرسول کی تحقیق 329

وحی کی تحقیق 331
دوسری فصل 332
معجزات کے بیان میں 332
ایک قسم: 332
دوسری قسم: 332
تیسری فصل 338
اعجاز قرآن کی وجوہات میں سے پہلی وجہ 338
چوتھی فصل 346
اعجاز قرآن کی دوسری وجہ 346
پانچویں فصل 350
اعجاز قرآن کی تیسری وجہ 350
چھٹی فصل 355
قرآن کی چوتھی وجہ 355
ساتویں فصل 358
اعجاز قرآن بسبب تعجیز قوم 358
آٹھویں فصل 360
اعجاز قرآن بسبب رعب و دبدبہ 360
نویں فصل 364

قرآن ہمیشہ رہے گا 364
دسویں فصل 366
اعجاز قرآن کی مختلف وجوہات 366
گیارھویں فصل 373
معجزۂ شق القمر و حبس الشمس 373
بارھویں فصل 378
انگشت ہائے مبارک سے پانی بہنا اور آپ ﷺ کی برکت سے اس کا زیادہ ہونا 378
تیرھویں فصل 381
مزید معجزات 381
چودھویں فصل 385
طعام میں زیادتی 385
پندرھویں فصل 393
درختوں کا کلام کرنا اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت اور آپ کی دعوت پر آنا 393
سولھویں فصل 399
کھجور کی ٹہنیوں کا رونا 399
سترھویں فصل 402
جمادات سے متعلق معجزات 402
اٹھارھویں فصل 406

حیوانات سے متعلق معجزات 406

انیسویں فصل 414

مردوں کو زندہ کر کے کلام فرمانا، چھوٹے و شیر خوار بچوں سے کلام فرمانا اور ان سے اپنی نبوت کی شہادت دلوانا 414

بیسویں فصل 420

بیماروں اور مریضوں کو تندرست کرنا 420

اکیسویں فصل 425

اجابت دعا 425

بائیسویں فصل 430

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات و برکات اور جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مس کر گئی اس کی حقیقت کا بدلنا. 430

تیئسویں فصل 437

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیب پر اطلاع ہونا 437

چوبیسویں فصل 449

عصمت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 449

پچیسویں فصل 459

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روشن معجزات 459

چھبیسویں فصل 466

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بتلائی ہوئی غیبی خبریں 466

ستائیسویں فصل 470

دلائل وعلامات نبوت ورسالت 470

اٹھائیسویں فصل 472

بوقت ولادت معجزات 472

انتیسویں فصل 476

قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ 476

تمت بالخیر 483

مصنف کے بارے میں

نام: عیاض بن موسی بن عیاض الیحصبی المالکی رحمۃ اللہ علیہ

کنیت: ابوالفضل

سنہ ولادت: ۴۷۶ ہجری بمطابق ۱۰۸۳ء

مقام ولادت: سَبْتَہ

آباؤ اجداد:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بزرگ ''اندلس'' کے رہنے والے تھے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دادا مرحوم وہاں سے نقل مکانی کر کے ''فاس'' آگئے پھر وہاں سے ''سبتہ'' تشریف لے گئے۔

تعلیم و تربیت:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا بچپن اور جوانی کا ابتدائی حصہ ''سبتہ'' ہی میں گزرا اور یہاں کے اکابر علما و مشائخ رحمھم اللہ سے علم حاصل کیا۔ بیس سال کی عمر میں حافظ الحدیث ابوعلی غسانی صدفی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو روایت حدیث کی اجازت دے دی تھی، حضرت ابوعلی غسانی صدفی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ ''اندلس'' تشریف لے گئے۔

رسالہ ''نگار'' لکھنؤ کے علما نمبر میں ہے کہ ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی پھر آپ ''قرطبہ'' تشریف لے گئے وہاں سینکڑوں اساتذہ سے علوم و فنون حاصل فرمائے۔

ابوالقاسم بن بشکوال رحمۃ اللہ علیہ ''کتاب الصلہ'' میں فرماتے ہیں ''قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ طلب علم کے لیے اندلس تشریف لے گئے تو انھوں نے ''قرطبہ'' میں علما کی ایک بڑی جماعت سے علم

حاصل کیا اور حدیث کا بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ حدیث شریف کی طرف ان کی توجہ زیادہ تھی اور وہ اس کے جمع کرنے میں بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔"

آپ رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ درجے کی ذہانت وفطانت اور بلند فہم وفراست کے مالک تھے۔ مسائل فقہیہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اس مذہب مالکی کے اساطین میں ہوتا ہے۔

عہدہ قضا:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کافی عرصہ "سبتہ" میں قضا کا کام کیا اور اپنے حسن سیرت سے لوگوں کے دلوں کو گرویدہ کر لیا پھر وہاں سے غرناطہ چلے گئے وہاں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو قضا کا کام سپرد کیا گیا لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ نے "غرناطہ" میں زیادہ دیر قیام نہ فرمایا اور واپس "قرطبہ" آ گئے جہاں ۵۳۱ھ بمطابق ۱۱۳۲ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو "قرطبہ" میں عہدہ قضا سپرد کیا گیا۔ محمد بن حماد سبتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ ۲۱ سال کی عمر میں مناظرہ کرنے لگے اور ۳۵ سال کی عمر میں عہدہ قضا پر فائز ہوئے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ اور تلامذہ:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے بڑے علما سے علم حاصل کیا جن کے نام درجنوں تک پہنچتے ہیں جب کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے فیض یاب ہونے والے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ کی بھی ایک بڑی تعداد ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں بھی بڑے بڑے علما شامل ہیں۔

خصوصیات:

آپ حدیث، علوم حدیث، لغت، نحو، کلام عرب اور ان کے ایام وانساب میں اپنے وقت کے امام تھے،

آپ رحمۃ اللہ علیہ شاعری بھی فرمایا کرتے تھے اور کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ حضرت محمد بن حماد سبتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں سبتہ میں ان سے زیادہ کوئی کثیر التصانیف نہ تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شہر میں وہ بلندی اور برتری حاصل کی کہ جہاں تک ان کے شہر والوں میں سے کوئی بھی نہ پہنچا مگر علم و فضیلت نے ان میں تواضع اور خوف الٰہی عزوجل ہی کو زیادہ کیا۔

شفا شریف:

یوں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۲۲ کے قریب ہے اور وہ تمام کی تمام علوم کا بیش بہا خزانہ ہیں اور تمام علما ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ امام علامہ محی الدین بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی "شرح مسلم" میں جگہ جگہ ان کا حوالہ دیتے ہیں، امام بدر الدین نے "عمدۃ القاری" میں اور حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "فتح الباری" میں جابجا ان سے فوائد و نکات احادیث میں خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں۔ شارحین حدیث میں جہاں "قال القاضی" کہتے ہیں وہاں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہی مراد ہوتے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف میں سے سب سے زیادہ مقبولیت "الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم" کے حصہ میں آئی بلکہ دیگر تصانیف اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے نام کی بقا کا سبب بھی یہی کتاب ہے۔

بارگاہ رسالت میں الشفا کی مقبولیت:

تذکرۃ الحفاظ میں امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ خواب میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے نے دیکھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سونے کے تخت پر

تشریف فرما ہیں، یہ منظر دیکھ کر اس پر ہیبت طاری ہو گئی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے بھتیجے ”کتاب الشفاء“ کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اسے اپنے لیے دلیل راہ بناؤ۔ گویا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا کہ جو آج میرا یہ مقام تم دیکھ رہے ہو یہ ”الشفاء“ تحریر کرنے کے سبب سے ہے۔

الشفاء کا مقام: بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں مقبولیت پانے کے بعد ہر زمانے کے علما و صلحا کی نظر میں یہ کتاب ایک خصوصی مقام کی حامل ہو گئی اور انھوں نے نظم و نثر میں اس کی تعریف فرمائی ہے۔ اس کتاب کی آج تک تقریبا ۲۶ کے قریب شروحات و تلخیصات ہو چکی تھیں جن میں ”شرح ملا علی قاری“ اور ”نسیم الریاض“ حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ مقبول ہیں۔

الشفاء پڑھنے کی فضیلت:

حضرت علامہ احمد شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”شفا شریف“ کا اسم اس کے مسمی کے موافق ہے کیوں کہ سلف صالحین رحمھم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا پڑھنا بیماریوں سے شفا اور مشکلات کے حل کے لیے بہترین اور مجرب عمل ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس کتاب کے پڑھنے سے ڈوبنے، جلنے اور طاعون کی بیماریوں سے نجات رہتی ہے، غالبًا اس کتاب کے بارے میں فرمایا کہ جس گھر میں یہ کتاب ہو وہاں جادو اثر نہ کرے گا۔

وصال: آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ۹ جمادی الآخرہ ۵۴۴ھ بمطابق ۱۱۴۵ء شب جمعہ کو وصال فرمایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ مراکش میں مدفون ہوئے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمر مبارک تقریبًا ۶۹ برس تھ

تذکرہ مترجم

ولادت: ۲۳ دسمبر ۱۹۲۳ء بمطابق ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۴۲ھ

جائے ولادت: مراد آباد، انڈیا۔

اسم گرامی: غلام معین الدین

آپ کے والد ماجد کا نام: صابر اللہ شاہ چشتی صابری اشرفی نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

خاندان: گھرانہ سادات

بیعت: آپ رحمۃ اللہ علیہ مولانا حکیم سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت تھے۔

تعلیم و تربیت:

آپ کی ابتدائی تعلیم والد ماجد کے زیر سایہ شروع ہوئی پھر ۱۹۳۲ء میں مراد آباد انڈیا کی مشہور دینی درسگاہ "جامعہ نعیمیہ" میں تاج العلما مولانا مفتی محمد عمر نعیمی اور صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی رحمھما اللہ کے زیر سایہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علوم دینیہ کی تحصیل و تکمیل فرمائی، جب کہ اسی دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فن طب بھی پڑھا اور ۱۹۴۳ء کو وہاجیہ کالج لکھنؤ سے "حکیم الافاضل" کی سند حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی علوم دینیہ کی تمام درسی کتب بھی اساتذہ سے پڑھ لیں۔ پھر ساتھ ہی آپ شدید بیمار ہو گئے اور بیماری کا یہ سلسلہ ایسا دراز ہوا کہ سات مرتبہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے موتی جھارہ نکلی بعد میں فالج گرا جس کا حملہ شدید تھا، مرض کی شدت اور دیرینہ علالت کے بعد کیفیت یہ تھی کہ کھال کے لفافے میں ہڈیوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا مگر زندگی باقی تھی تو آپ رحمۃ اللہ علیہ شفایاب ہوئے، اس طرح دو

سال کے وقفے کے بعد ۱۹۴۵ء میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی ہوئی۔

صدر الافاضل کی آپ رحمۃ اللہ علیہ پر عنایات:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد مکرم آپ رحمۃ اللہ علیہ پر انتہائی شفقت فرماتے تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو دینی خدمات میں اپنے ساتھ رکھتے تھے، ۱۹۴۰ء میں جب صدر الافاضل نے اپنی ''تفسیر خزائن العرفان'' کو دوبارہ پرنٹ کرانے کا ارادہ فرمایا تو ترجمہ و تفسیر کے مسودات کی تصحیح کے کام میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا شریک بنایا۔ پھر ۱۹۴۱ء میں جب ''صدر الافاضل'' کو دوسری دفعہ حبس بول کا مرض لاحق ہوا تو دو تین دن سعی کرنے کے بعد جب تمام اطبا مایوس ہو گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شدت مرض کے دوران مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے بڑے صاحبزادے حکیم سید ظفر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ قرآن پاک کی طباعت کا کام مکمل نہیں ہوا۔ تصحیح کا کام شاہ جی (آپ رحمۃ اللہ علیہ مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کو پیار سے اس نام سے مخاطب فرماتے) سے کرانا اور شاہ جی کے ساتھ گجرات سے مفتی احمد یار خان (رحمۃ اللہ علیہ) کو بلا لینا۔ یہ دونوں طباعت کی تصحیح کریں۔

دوران تعلیم آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر نشر واشاعت کا کام کیا، مزید عنایت و شفقت ملاحظہ فرمائیے کہ جب صدر الافاضل کا وصال ہونے لگا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے استاد و شیخ کے سر کو دبا رہے تھے اور ان کا سر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی گود میں تھا کہ اسی اثنا میں صدر الافاضل نے فرمایا شاہ جی میرے کمرے میں سے سب کو باہر جانے کے لیے کہہ دیجیے سوائے آپ کے میرے نزدیک کوئی نہ بیٹھے، یہاں تک کہ اپنے بیٹوں کو بھی باہر جانے کے لیے کہہ دیا پھر کچھ لمحوں کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا تو غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت موصوف کی وصیت کے مطابق ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے بعد ان کے بیٹوں اور عزیز و اقارب

کواندر بلالیا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ پر صدر الافاضل کی شفقتیں بعداز وصال بھی جاری رہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ جب ”الشفاء“ کا ترجمہ فرمارہے تھے توصدر الافاضل مسکراتے ہوئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے خواب میں تشریف لائے،یقیناًیہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کام سے خوش ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

تحریک پاکستان میں کردار:

۱۹۴۵ءمیں ”تحریک پاکستان“زوروں پرتھی چونکہ صدر الافاضل مولاناسید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ اس تحریک کے بانی اور”آل انڈیاسنی کانفرنس“ کے روح رواں تھے جب انھوں نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں اپنی کوششوں کو تیز کیاتوآپ رحمۃ اللہ علیہ کوآل انڈیاسنی کانفرنس کے مرکزی دفتر کامنصرم مقرر فرمایاتوتمام ترمراسلات،مواصلات تحصیل و ترسیل وغیرہ کانظام آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے سپرد تھا۔پھر جب مولاناصدر الافاضل قیام پاکستان کے لیے دورے پرتشریف لے گئےتوآپ رحمۃ اللہ علیہ بھی ساتھ تھے۔

بنارس کانفرنس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات:

۱۹۴۶ءکی آل انڈیاسنی کانفرنس کو”تحریک پاکستان“میں وہی اہمیت حاصل ہے جوقرارداد لاہور ۱۹۴۰ءکو حاصل ہے،

۱۹۴۶ءمیں متحدہ ہندستان میں جوجنرل الیکشن ہورہے تھے اس میں مسلم لیگ کی مخالفت پرکانگریس کی حلیف جماعتیں جمعیت علمائے اسلام (ہند) جمعیت احرار، جمعیت خاکسار، خدائی خدمت گار اور نیشنلسٹ علماجن کوخاص گاندھی کی آشیرباد حاصل تھی مسلم لیگ کے مقابلہ پرآگئیں،اگر خدانخواستہ اس الیکشن میں مسلم لیگ کوبھاری اکثریت حاصل نہ ہوتی توپاکستان کے قیام میں مزید پانچ سال تاخیر ہوجاتی۔

بنارس کانفرنس میں برصغیر پاک وہند کے پانچ سومشائخ سات ہزار علمائے حق اہل سنت وجماعت اوردو

لاکھ سے زائد عام حاضرین نے حصہ لیا، اس کانفرنس میں برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے سے اسلامیان پاکستان کے نمائندے شامل ہوئے جنھوں نے پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا، امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب، حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی، حضرت سید محمد محدث جیلانی کچھوچھوی اور پیر صاحب مانکی شریف رحمهم الله کی شرکت سے یہ کانفرنس بے حد مقبول ہوئی۔ افسوس کہ پاکستان کے قیام کے بعد مسلمانوں کی تحریک پاکستان کے حق میں اس قسم کی گراں قدر قربانیوں کو ص تاریخ پر جگہ نہ دی گئی، بلکہ اس کے برعکس ان تحریکوں کو ہماری نصابی کتب میں شامل کیا جا رہا ہے جنھوں نے دل کھول کر پاکستان کی مخالفت کی۔

اس کانفرنس کی کامیابی میں حضرت مولانا غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا بہت بڑا حصہ ہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مثالی کردار روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کانفرنس کے نائب ناظم تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس تحریک میں علماو مشائخ کے دوش بدوش کام کیا، جس نے مسلمانوں کو تحریک آزادی کی صف میں لا کھڑا کیا، بلاشبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے ایک عظیم رہنما تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ اسلامیان برصغیر کی مذہبی، سیاسی، ثقافتی، ادبی اور تعلیمی مشکلات کا حل تھے اور مسلمانوں کو جادہ حق پر گامزن کرنے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے نمایاں کردار ادا فرمایا، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کانفرنس کی مکمل روداد بعنوان "خطبہ صدارت جمہوریت اسلامیہ" مرتب کر کے شائع کروائی، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بیشتر کارہائے نمایاں میں سے یہ کارنامہ بھی ہمیشہ روز روشن کی طرح عیاں رہے گا۔

مرشد و استاد کی آپ رحمۃ اللہ علیہ سے محبت:

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور مرشد بھی تھے اس وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ ان سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت کا

اندازہ اس امر سے لگا سکتے ہیں کہ صدر الافاضل کا وصال آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں ہوا، آپ رحمۃ اللہ علیہ اس وقت خدمت شیخ پر مامور تھے یعنی اپنے مرشد کے سر کو دبا کر فیض یاب ہو رہے تھے کہ حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کی روح پرواز کر گئی۔

پاکستان میں آمد: تقسیم ملک کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان تشریف لے آئے، یہاں آنے کے بعد دوست احباب و اقارب، اثاثہ، بیت و دیگر ضروریات زندگی کا فقدان ہونے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ دل برداشتہ نہیں ہوئے بلکہ اپنے مشائخ کے مشن کو جاری رکھنے اور اسے کامیاب بنانے کے لیے کوشاں رہے۔

مرکزی جمعیت علما پاکستان کے لیے خدمات:

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاکستان آنے کے بعد غازیِ کشمیر حضرت مولانا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو جمعیت کا نائب ناظم اعلیٰ مقرر کیا، آپ نے ۱۹۵۶-۱۹۵۷ تک جمعیت کا ترجمان رسالہ "ہفت روزہ جمعیت" نکالا اور اس کے لیے بڑی محنت اور جدوجہد فرمائی پھر بعض وجوہات کی بنا پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیت سے استعفیٰ دے دیا۔

رسالہ "سوادِ اعظم" کا اجرا:

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شیخ و استاد حضرت صدر الافاضل کی یاد میں ہفتہ وار رسالہ "سوادِ اعظم" لال کھوہ اندرون موچی دروازہ لاہور سے نکالا اور بڑی استقامت کے ساتھ جب تک زندہ رہے اس کو شائع کرتے رہے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی مولانا غلام قطب الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر ادارت جاری رہا اور پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بند ہوا، اس رسالے کی خصوصیات ہی تھیں کہ مسلک اہل سنت وجماعت کے تحفظ کے لیے حق

الامکان کوشش فرماتے اوراسی کے ذریعے مخالفین کی فتنہ سازیوں کا سختی سے نوٹس لیتے۔

تصانیف:

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً ۴۵ کے قریب تصانیف و تالیفات اور عربی کتب کا ترجمہ انتہائی مشکل اور کٹھن حالات میں فرمایا اوراکثر کتابیں ایسی تھیں کہ اپنے علم و موضوع کے اعتبار سے وہ انتہائی اہم تھیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ اس خوش اسلوبی سے فرماتے کہ بجائے ترجمہ کے یوں محسوس ہوتا کہ جیسے اصل کتاب کا مطالعہ کر رہے ہیں، فن ترجمہ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ ایک زبان کو دوسری زبان کا جامہ پہناناکس قدر مشکل امر ہے مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ اس فن کے استاد تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے جو فہرست میسر ہوسکی وہ ذیل میں درج کی جارہی ہے۔

۱)مدارج النبوۃ(۲ج)	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۲)الخصائص الکبری(۲ج)	امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۳)الشفاء(۲ج)	قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ
۴)ماثبت من السنة	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۵)کشف المحجوب	حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
۶)بشری الکئیب بلقاء الحبیب	امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۷)الدرر المنتثرہ فی احادیث المشتھرہ	امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۸)الصواعق الالھیة فی الرد علی الوھابیة	علامہ الشیخ محمد سلمان رحمۃ اللہ علیہ
۹)نعیم العرفان (اردو ترجمہ بنام تکمیل الایمان)	شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
۱۰)نعیم رسالت	مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

۱۱)فتاوی صدر الافاضل	مرتبہ مفتی سید غلام معین الدین رحمۃ اللہ علیہ
۱۲)نعیم البیان پہلا پارہ (تفسیر قرآن پاک)	مرتبہ مفتی سید غلام معین الدین رحمۃ اللہ علیہ
۱۳)احقاق حق	مرتبہ مفتی سید غلام معین الدین رحمۃ اللہ علیہ
۱۴)حیات صدر الافاضل	مفتی سید غلام معین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
۱۵)فتوح الغیب (ترجمہ بنام شروح الغیب)	شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
۱۶)مسالک الحنفاء (ترجمہ بنام والدین مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)	امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۱۷)مناقب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ	امام جلال الدین سیوطی شافعی رحمۃ اللہ علیہ
۱۸)قرۃ العیون (ترجمہ بنام سرور خاطر)	فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ
۱۹)مواعظ حسنہ	حضرت علامہ امام صفوری رحمۃ اللہ علیہ
۲۰)المیلاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ
۲۱)شواہد النبوۃ	حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ
۲۲)اصول السماع (ترجمہ بنام مسئلہ السماع)	حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ
۲۳)العقائد (ترجمہ فقہ اکبر)	۲۴)ترجمہ وصایا امام اعظم
۲۵)ترجمہ قصیدہ بدء الامالی	

وصال:

انتقال سے چار ماہ قبل آپ رحمۃ اللہ علیہ پر سحر کا حملہ ہوا بس اس وقت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ دن بدن علیل سے علیل تر ہوتے گئے، اور "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کے مصداق کوئی دوا مؤثر ثابت نہ ہوئی، بڑے بڑے نامور معالج آپ رحمۃ اللہ علیہ کے علاج کے لیے آئے ہر کسی نے یہی کہا کہ مرض کا

کچھ پتہ نہیں چلتا بالآخر ۱۳ اگست کو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو میو ہسپتال میں داخل کروادیا گیا جہاں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے دن ۱۴ اگست ۱۹۷۱ء کو اپنی جان ، جان آفرین کے سپرد کردی، آخری وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبان پر یہ شعر تھا۔

چل دیے باغ سے چمن پیرا
گل و گلزار کا خدا حافظ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ مفتی اعجاز ولی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا غلام محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں میانی صاحب کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مقدمہ کتاب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللھم صل علی سیدنا محمد والہ وسلم

فقیہ قاضی امام حافظ ابو الفضل عیاض بن موسی بن عیاض الیحصبی فرماتے ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ الْمُتفرِدِ بِاسْمِهِ الْأَسْمَى، الْمُخْتَصّ بِالْمُلْكِ الْأَعَزّ الْأَحْمَى، الَّذِي لَيْسَ دُونَهُ مُنْتَهَى، وَلَا وَرَاءَهُ مَرْمًى، الظَّاهِرِ لَا تَخَيُّلًا وَوَهْمًا، الْبَاطِنِ تَقَدُّسًا لَا عُدْمًا، وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا، وَأَسْبَغَ عَلَى أَوْلِيَائِهِ نِعَمًا عُمًّا، وَبَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ عُرْبًا وَعُجْمًا، وَأَزْكَاهُمْ مَحْتِدًا وَمَنْمًى، وَأَرْجَحَهُمْ عَقْلًا وَحِلْمًا، وَأَوْفَرَهُمْ عِلْمًا وَفَهْمًا، وَأَقْوَاهُمْ يَقِينًا وَعَزْمًا، وَأَشَدَّهُمْ بِهِمْ رَأْفَةً وَرُحْمَى، وزَكَّاهُ رُوحًا وَجِسْمًا، وَحَاشَاهُ عَيْبًا وَوَصْمًا، وَآتَاهُ حِكْمَةً وَحُكْمًا، وَفَتَحَ بِهِ أَعْيُنًا عُمْيًا، وَقُلُوبًا غُلْفًا، وَآذَانًا صُمًّا، فَآمَنَ بِهِ وَعَزَّرَهُ، وَنَصَرَهُ مَنْ جَعَلَ اللَّهُ لَهُ فِي مَغْنَمِ السَّعَادَةِ قِسْمًا، وَكَذَّبَ بِهِ وَصَدَفَ عَنْ آيَاتِهِ مَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ الشَّقَاءَ حَتْمًا، ﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى﴾ [الإسراء: 72].

صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(ترجمہ) اللہ عزوجل ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں جو اپنے بلند نام میں یکتا، جو بلند نام کے ساتھ مخصوص ہے، وہی ہے جس کے سوا اور کوئی منتہی نہیں اور اس کے سوا کوئی مطلوب نہیں۔ وہ حقیقتاً ظاہر ہے، وہمی و خیالی نہیں، وہ باطن ہے تقدس کے اعتبار سے، معدوم ہونے کے اعتبار سے نہیں، رحمت و علم سے تمام

کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اپنے محبوبوں کو غایت کرم سے اپنی وافر نعمتوں سے نوازا۔

اس نے انھیں میں سے ان کی جانب ایسا بہترین رسول بھیجا، جو عرب و عجم میں بے مثل اور اصل ونسل، حسب ونسب اور اصالت میں ان میں سے زیادہ پاکیزہ ہے، عقل وفراست ودانائی اور بردباری میں ان سے فزوں تر علم و بصیرت میں ان سے زیادہ یقین محکم اور عزم راسخ میں ان سے قوی تر، رحم وکرم میں ان پر سب سے زیادہ رحیم و شفیق، (اللہ عزوجل نے ہر قسم کی بشری آلودگیوں سے) ان کے روح و جسم کو مصفی اور عیب و نقص سے ان کو منزہ رکھا، ایسی حکمت و دانائی سے ان کو نوازا کہ جس نے اندھی آنکھوں، غافل دلوں اور بہرے کانوں کو کھول دیا۔

وہی شخص آپ پر ایمان لاتا ہے اور آپ کی عزت و نصرت کرتا ہے جس کے نصیب میں اللہ عز وجل نے نیک بختی رکھی ہے اور وہی آپ کی تکذیب اور آپ کے معجزات سے روگردانی کرتا ہے کہ جس پر اللہ عزوجل نے بدبختی لازم کر دی ہے کیونکہ جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہی رہے گا، اللہ عزوجل کا ان پر صلوۃ وسلام ہو اور ایسی رحمتیں ہوں جو ہمیشہ بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہیں اور ان کے آل واصحاب پر بھی پورا سلام ہو۔

اما بعد! اللہ عزوجل نور یقین کے ساتھ میرے اور تمھارے دل کو منور کرے اور میرے اور تمھارے اوپر ایسی مہربانی کرے جیسی اپنے ان برگزیدہ محبوبوں پر فرماتا ہے جن کو اس نے اپنی مقدس مہمانی سے مشرف فرمایا اور اپنی محبت میں ایسا وارفتہ کیا کہ وہ مخلوق سے بے زار ہو گئے اور اپنی معرفت، ملکوت کے عجائب اور اپنی قدرت کے آثار کے مشاہدہ کے لیے ان کو مخصوص کر دیا، ان کے قلوب صافیہ کو مسرور کیا، ان کی عقلوں کو اپنی عظمت وشان سے حیرت زدہ کر دیا۔ پس ان محبوبوں نے صرف ایک غم ہی لازم کیا ہے، وہ تیری ذات ہے اور دین و دنیا میں تیرے جلوؤں کے نظارے کے سوا کسی سے سروکار

نہیں رکھا، صرف اس کے جمال و جلال کے مشاہدہ میں مگن ہیں، اسی کے آثار قدرت، عجائب عظمت میں سرگرداں ہیں، اسی (ذات) سے لو اور اسی پر توکل کرنے میں معزز ہیں، اس کے اس کے ارشاد کے شیدا ہیں: ﴿قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ﴾

اللہ کہو پھر انھیں چھوڑ دو ان کی بے ہودگی میں انھیں کھیلتا (الانعام:۹۱)

پس تم نے مجھ سے بار بار یہ سوال کیا ہے کہ میں ایک ایسا مجموعہ مرتب کردوں جو حضور سید عالم احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق اور آپ کی عزت و تکریم کے وجوب پر مشتمل ہو اور ان لوگوں کے حکم میں جو (بسبب غفلت کے) اس واجب التعظیم مرتبت کی معرفت سے غافل یا آپ کے منصب جلیل کے حقوق کی ادائیگی میں تراشئہ ناخن کے برابر قاصر ہیں۔ اور یہ کہ اس مجموعہ میں اپنے بزرگوں اور اماموں کے اقوال جمع کر کے ان کو صورتوں اور مثالوں میں بیان کروں، یہ اچھی طرح سمجھ لو (اللہ عزوجل تمھیں محبوب بنائے) کہ جو کام میرے سپرد کیا ہے سخت مشکل کام ہے اور دشوار تر ہے، وہ ایسی خطرناک مرتفع (بلند) گھاٹی ہے کہ میرا دل اس سے (انجام برآری میں) خوف زدہ ہے کیونکہ مقتضائے کلام مستدعی ہے کہ اصولی گفتگو ہو اور انداز بیان جامع مانع ہو جس میں حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق علم الحقائق کے رموز و کنایات اور اس کے غوامض و دقائق واضح طریقہ پر بیان کیے گئے ہوں، خواہ وہ آپ کی طرف منسوب کرنا جائز ہو یا اس کی نسبت شرعاً ممنوع ہو، (واضح کرنا ضروری ہے) اور یہ کہ نبی، رسول، رسالت، نبوت، محبت، خلت (دوستی) اور اس مرتبہ عالیہ کی خصوصیات کیا ہیں، ان کی معرفت بھی کرادی جائے، یہ وہ دشوار گزار وادی ہے کہ قطاد جیسا پرندہ جو نہایت تیز بین اور سبک رفتار ہے، وہ بھی پرواز سے متحیر ہے، قدم ڈگمگاتے ہیں، وہ عقلیں پراگندہ و گمراہ ہوتی ہیں جو نشان علم اور درست فکر و نظر سے راہ یاب نہ ہوں، یہاں وہ معراج الاقام ہیں کہ اگر توفیق و تائید الٰہی پر اعتماد و بھروسہ

نہ ہو تو قدم پھسل جائیں۔ لیکن میں اپنے اور تمھارے لیے اللہ عزوجل سے بخشش و ثواب کا امید وار ہوں کیونکہ یہ مقام مدح حضور ﷺ اور ان کے رتبہ عالی کے بیان اور خلق عظیم کی تعریف گاہ ہے، اس میں حضور ﷺ کی ان خصوصیات و حقوق کا بیان ہے جو اس سے پہلے کسی مخلوق میں جمع نہیں ہیں، آپ ﷺ کے حقوق کی معرفت اللہ عزوجل کی ایسی اطاعت ہے جو تمام حقوق سے بلند تر ہے تا کہ اہل کتاب بھی یقین کریں اور اس کو لوگوں میں واضح طور پر بیان کر کے کتمان حق نہ کریں (جیسا کہ ان سے یوم الست، روز میثاق عہد لیا گیا تھا)۔

اس لیے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جس شخص سے کوئی علمی بات پوچھی گئی اور اس نے اس کو چھپایا تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کے منھ میں آگ کی لگام ڈالے گا۔''

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۲۴، سنن ترمذی ج ۴ ص ۱۳۹، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۹۸)

پس میں نے (بخوف وعید حدیث بالا کے) ایسے نکات کی جی کی جو مطلب و مقصد کے لیے ضروری ہیں اور اس لیے بھی تعجیل کی کہ مرد اپنے ان گھریلو معاملات سے جو اس پر لازم کیے گئے ہیں کبھی بھی اپنے دل و دماغ کو فارغ نہیں پاتا، ہمیشہ ان کی انجام دہی میں سرگرداں رہتا ہے، اس میں وہ اپنے فرض و نفل سے اکثر غافل رہتا ہے جس کے نتیجہ میں احسن تقویم سے بے پروا ہو کر ادنی درجہ میں گر پڑتا ہے۔

اگر اللہ عزوجل انسان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمائے تو اللہ عزوجل اس کے تمام شغل اور غم پورے (ختم) کر دیتا ہے اور کل قیامت کے دن ایسوں کی تعریف کی جائے گی اور ان کو کوئی برائی نہ پہنچے گی جبکہ وہاں سوائے جنت کی تر و تازگی یا عذاب دوزخ کے کچھ نہ ہو گا، انسان کو لازم ہے کہ اپنے نفس کا بچاؤ

کرے، اس کو برائی سے محفوظ رکھے اور عمل صالح کر کے اس کا درجہ بڑھائے، وہی علم کارآمد ہے جس کے ذریعہ خود بھی منتفع ہو اور دوسروں کو بھی نفع پہنچے۔

اللہ عزوجل ہمارے دلوں کی شکستگی دور کرے، کبیرہ گناہوں کو بخشے، ہماری تمام کدو کاوش کو آخرت میں ہمارا عمدہ توشہ بنائے، ہمارے مشاغل کو ہماری نجات کا ذریعہ بنائے، قرب خاص سے ہم کو نوازے اور اپنے رحم و کرم کے پردے میں ہمیں ڈھانپ لے۔(آمین)

جب میں نے اس مجموعہ کو مرتب کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے بابوں کی ترتیب دی، اصولوں کو مقرر کیا اور تفصیلات معین کیں اور اس کے حصر و تحصیل کی طرف مشغول ہوا تو میں نے اس مجموعہ کا نام "الشفاء بتعريف حقوق المصطفى ﷺ" رکھا۔

اس کو میں نے چار قسموں پر منحصر کیا ہے۔

قسم اول: ان ارشادات الٰہیہ کے بیان میں جن میں خود اللہ عزوجل نے اپنے قول و فعل میں اپنے نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر کی ہے اس میں چار باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی تعریف کی ہے اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت جو اس کی بارگاہ میں ہے اس کا اظہار کیا ہے۔ اس میں دس فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں بیان ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی پیدائش اور اخلاق کے بارے میں مناقب بیان کیے ہیں اور آپ ﷺ میں تمام دینی و دنیاوی فضائل جمع کر دیے ہیں، اس میں چھ فصلیں ہیں۔

باب سوم: اس میں وہ صحیح اور مشہور حدیثیں ہیں "جن میں آپ ﷺ کی قدر و منزلت جو بارگاہ الٰہی میں پائی جاتی ہے" کا ذکر ہے اور آپ ﷺ کو دارین کے فضائل میں جو خصوصیات مرحمت

فرمائیں، ان کا بیان ہے۔ اس میں پندرہ فصلیں ہیں۔

باب چہارم: اس میں کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے ہاتھ سے جو معجزات اور نشانیاں ظاہر فرمائیں اور وہ کہ جو آپ ﷺ کو خاص طور پر بزرگیاں عنایت فرمائیں ان کا بیان ہے، اس میں انتیس فصلیں ہیں۔

قسم دوم: اس میں حضور ﷺ کے ان حقوق کا بیان ہے جن کی بجاآوری ہر ایک پر واجب کی گئی ہے، اس میں چار باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لانا فرض ہے اور آپ ﷺ کی اطاعت اور آپ ﷺ کی سنت کا اتباع لازم ہے۔ اس میں چار فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کی محبت لازم ہے اور آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور خیر خواہی لازم ہے، اس میں چھ فصلیں ہیں۔

باب سوم: اس میں بیان ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم و توقیر اور ادائے حقوق واجب ہیں اور صحابہ کرام کس طرح تعظیم بجالاتے اس کا بیان ہے اور بعد وفات تعظیم و توقیر کا وجوب بیان کیا گیا ہے۔ اس میں چھے فصلیں ہیں۔

باب چہارم: اس میں آپ ﷺ پر صلوۃ وسلام اور درود شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے، کے بارے میں بیان ہے، اس میں 9 فصلیں ہیں۔

قسم سوم: اس میں ان امور کا بیان ہے کہ جو حضور ﷺ کے حق میں محال ہیں اور وہ امور جو حضور ﷺ کے لیے جائز ہیں اور وہ امور جو حضور ﷺ پر ممنوع ہیں اور وہ امور بشریہ جن کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا صحیح ہے۔ اور یہ "قسم سوم" اللہ عزوجل تمھیں عزت دے اس کتاب کا

راز اور ان تمام ابواب کے پھلوں کا مغز ہے اور اس سے پہلے کی دونوں قسمیں دراصل ان (امور) کے لیے تمہید و دلائل کے مرتبہ میں ہیں جو ہم اس قسم میں واضح و روشن نکات بیان کریں گے اور یہی قسم مابعد کے لیے بھی حاکم ہوگی اور اس کتاب کی تالیف و تصنیف کا اصل سبب و وعدہ بھی یہی قسم ہے، جب ہم اس وعدہ کو پورا کریں گے تو ملعون دشمنوں کے سینے تنگ ہوں گے اور مومن مخلص کا دل یقین و عرفان سے روشن ہوگا اور فضائے صدر اس سے گنجینہ انوار بنے گا اور ہوشمند دانا حضور سید عالم ﷺ کی قدر و منزلت کما حقہ، بجالائے گا، اس میں دو باب ہیں۔

باب اول: اس میں بیان ہے جو امور دینیہ میں مخصوص ہیں اور جس میں عصمت رسول ﷺ کو خوب ثابت کیا جائے گا، اس کی سولہ فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں حضور ﷺ کے دنیوی حالات کا بیان ہے یعنی بشریت کی کیفیت کی بنا پر جو امور آپ ﷺ پر واقع ہوتے رہے۔، اس میں آٹھ فصلیں ہیں۔

قسم چہارم: اس میں ان احکام کی وجوہات کا بیان ہے جو (معاذ اللہ) سب و تنقیص کر کے شان ارفع و اعلی کو گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں تین باب ہیں۔

باب اول: اس میں وہ امور ہیں جن کی نسبت (اگر معاذ اللہ حضور ﷺ کی طرف کر دی جائے تو وہ سب و نقص ہیں، خواہ وہ اشارتاً ہوں یا صراحتاً (نعوذ باللہ)۔ اس میں نو فصلیں ہیں۔

باب دوم: اس میں آپ ﷺ کے شاتم (گالی دینے والا) موذی اور تنقیص کرنے والے کی سزا کا حکم ہے اور اس کی توبہ قبول کرنے، نماز جنازہ پڑھنے اور اس کی وراثت کے بارے میں بیان ہے۔ اس میں نو فصلیں ہیں۔

باب سوم: ہم نے اس کتاب کو باب سوم پر ختم کیا ہے۔ جس کو ہم نے اس مسئلہ کا ضمیمہ اور تکملہ قرار

دیا ہے، جو اس کے پہلے دو بابوں میں ذکر ہے یعنی اس شخص کے بارے میں حکم لگایا ہے جو کہ اللہ عزوجل اور اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور حضور سید عالم ﷺ کی آل و اصحاب کو (معاذ اللہ) برا بھلا کہتا ہے، ان امور کو اختصار کے ساتھ نو فصلوں میں بیان کیا ہے، اس پر کتاب کے ابواب و اقسام کا خاتمہ ہے جو اہل ایمان کی پیشانی کو ایمان سے پرانوار کر کے تراجم کے تاج پر چمکتا دُرِّ شہوار بنے گا اور ہر قسم کے شکوک و اوہام، تخمین و تخیل کو دور کر کے مومنین کے سینہ کو شفا اور حق کو ظاہر کرے گا، بے وقوف ہٹ دھرم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں اللہ عزوجل ہی سے مدد چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابو الفضل **محمد عیاض** مالکی غفر لہ

قسم اول

آیات قرآنیہ سے حضور ﷺ کی قدر و منزلت اور عظمت و شان کا ثبوت

فقیہ قاضی امام ابو الفضل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل اس کو توفیق عطا فرمائے اور سیدھے راستہ پر گامزن رکھے، اس شخص پر کچھ پوشیدہ نہیں جس کو اللہ عزوجل نے تھوڑا سا بھی علم دیا ہے یا تھوڑی سی سمجھ بوجھ دی ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمارے نبی مکرم ﷺ کی بڑی قدر و منزلت فرمائی ہے اور آپ ﷺ کو ایسے فضائل و محاسن اور مناقب کے ساتھ مخصوص کیا ہے جس کا احاطہ ممکن نہیں اور آپ کے مرتبہ جلیلہ کو اتنا بڑھایا ہے کہ لوگوں کی زبان و قلم تھکتے ہیں۔

ان میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کی تصریح اللہ عزوجل نے اپنی کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں فرما دی اور آپ کے مراتب عالیہ پر لوگوں کو خبردار کیا اور انھیں آپ کے اخلاق و آداب کی تعلیم دی اور بندوں کو ان پر اعتصام والتزام کے وجوب کی تلقین کی ہے، بلاشبہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ پر بے حد و غایت فضل و کرم فرمایا اور آپ ﷺ کو طیب و طاہر کیا اور آپ ﷺ کی مدح و ثنا کی پھر اس پر پوری پوری آپ کو جزا دی، شروع و انجام میں اس کی برتری ہے اور اللہ عزوجل کی اول و آخر میں تعریف و تحمید ہے۔

ان میں سے بعض وہ ہیں کہ آپ ﷺ کو اپنی مخلوق میں علی وجہ الکمال جاہ و جلال کے ساتھ ظاہر فرمایا اور محاسنِ جمیلہ، اخلاق حمیدہ، مناصبِ کریمہ، فضائلِ حمیدہ سے ممتاز فرمایا اور براہینِ واضحہ، معجزاتِ باہرہ اور ان کرامات بَیِّنَہ سے تائید کی جن کو معاصرین نے مشاہدہ کیا جس نے آپ ﷺ کی زیارت کی

اس نے دیکھا اور بعد والوں کے لیے ان کا علم علم الیقین ہے، یہاں تک کہ حقیقتِ واقعہ کا علم ہم کو حاصل ہوا، ہم پر آپ کے انوار کی بارش ہوئی صلی اللہ علیہ وسلم کثیرا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت عالی میں شب اسری (شب معراج) براق پیش کیا گیا کہ جو لگام اور زین سے مزین تھا، براق نے حضور ﷺ کو سوار کرنے میں پس و پیش کیا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: کیا تو (احمد مجتبی) محمد (مصطفی ﷺ) کے حضور شوخی کرتا ہے (خبر دار) تجھ پر حضور ﷺ سے بڑھ کر مکرم ذات کوئی سوار نہیں ہوئی۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ سن کر براق شرم و ندامت سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور گردن جھکا دی۔

(سنن ترمذی ج ۴ ص ۳۶۳، مستدرک ج ۲ ص ۲۴۰، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۳ ص ۳۸۲، مسند امام احمد ج ۳ ص ۱۴۸، ج ۴ ص ۲۰۸-۲۰۷)

پہلا باب

حضور ﷺ کی ثنا بزبان باری تعالی

جان لو! کہ کتاب مجید میں بے شمار ایسی آیتیں ہیں جو حضور سید عالم احمد مجتبی محمد مصطفی ﷺ کے ذکر جمیل کو بیان کرتی ہیں اور آپ ﷺ کی خوبیوں کا شمار کراتی ہیں، آپ ﷺ کے حکم کی تعظیم بیان کرتی ہیں، آپ ﷺ کی عزت کو بلند کرتی ہیں، ہم نے یہاں صرف انھیں آیات کو بیان کرنے پر اکتفا کیا جن کے معانی ظاہر و باہر ہیں اور ان کی مراد و مفہوم واضح ہے، ہم نے ان کو دس فصلوں میں بیان کیا ہے۔

پہلی فصل

حضور ﷺ کی شان میں نازل شدہ آیات قرآنی کا بیان

اس فصل میں ان آیتوں کا ذکر ہے جو حضور ﷺ کی مدح وثنا اور خوبیوں میں وارد ہیں جیسے کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ (التوبہ:۱۲۸)

بیشک تمھارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول۔

(حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ آیت بالا میں لفظ **من انفسکم** کو فتح

(زبر) فا کے ساتھ بعض قرا نے پڑھا ہے (یعنی مِنْ اَنْفَسِكُمْ: تم میں سب سے زیادہ نفیس ذات) لیکن جمہور قرا نے ضم (پیش) فا سے پڑھا ہے۔ (مستدرک ج۲ ص ۲۴۰)

فقیہہ قاضی ابوالفضل فرماتے ہیں: اس کو اللہ عزوجل توفیق دے۔

جانو! کہ اللہ عزوجل نے مومنین کو یا تمام عرب کو یا اہل مکہ کو یا تمام لوگوں کو باختلاف مفسرین آیت بالا میں خطاب فرما کر آگاہ کیا ہے کہ

﴿بَعَثَ فِيهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (آل عمران:۱۶۴)

ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا کہ جس کو وہ اچھی طرح پہچانتے ہیں اور اس کے مرتبہ و مقام، صدق و امانت کو خوب جانتے ہیں اور (کسی حال میں بھی) کذب و عدم خیر خواہی سے متہم نہیں کر سکتے، عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں جس میں حضور ﷺ کی قرابت اور رشتہ داری نہ ہو۔

(در منثور ج۴ ص ۳۲۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنھما کے نزدیک اللہ عزوجل کے اس ارشاد ﴿اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ (الشوریٰ:۲۳) "مگر قرابت کی محبت" کے معنی ہی یہ ہیں کہ سارا عرب حضور ﷺ کو خوب اچھی طرح جانتا پہچانتا ہے۔ (صحیح بخاری ج۳ ص ۱۰۷، طبرانی ج۱ ص ۴۳۵-۴۳۶)

اور "فتح فا" کی قرأت کی بنا پر معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ ان میں سب سے زیادہ اشرف، ارفع اور افضل ہیں۔ یہ حضور ﷺ کی انتہائی مدح و تعریف ہے، اس کے بعد اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو دیگر اوصافِ حمیدہ اور محامدِ کثیرہ سے یاد فرمایا اور ان (لوگوں) کے اسلام لانے، ہدایت پانے میں حضور ﷺ کے حرص و خواہش میں مبالغہ کی تعریف کی اور جو دنیا میں ان کو تکالیف پہنچتی ہیں یا آخرت میں پہنچیں گی اس پر حضور ﷺ کا دل تنگ ہوا، ظاہر فرمایا ہے اور مومنینِ صادقین کے لیے حضور

ﷺ کی مہربانی، کرم نوازی اور عزت افزائی فرمانا، اللہ عزوجل نے اس کی ثنا کی ہے۔

بعض علما رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو اپنے ناموں سے دو نام رؤف اور رحیم خاص طور پر عنایت فرمائے ہیں۔ اسی طرح دوسری آیتوں میں حضور ﷺ کا ذکر ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾

بیشک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

(آل عمران:۱۶۴)

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾

وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا۔ (الجمعہ:۲)

حضرت علی المرتضی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ سے مِنْ اَنْفُسِهِمْ کے بارے میں دریافت کیا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نَسَبًا وَّ صِهْرًا وَّ حَسَبًا لَيْسَ فِيْ اٰبَائِيْ مِنْ لَّدُنْ اٰدَمَ سَفَاحٌ كُلُّهَا نِكَاحٌ یعنی تمھارے حسب و نسب اور سسرال میں مبعوث فرمانا مراد ہے، میرے آباؤ اجداد میں آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک زنا نہیں ہوا بلکہ سب کے سب نکاح سے پیدا ہوئے۔ (ابن ابی عمر انی مسندہ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۳۱)

ابن الکلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی پانچ سو امہات (کے حسب و نسب) کے حالات لکھے ہیں لیکن ان میں میں نے نہ زنا پایا اور نہ زمانہ جاہلیت کی رسمیں دیکھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمان الٰہی:

﴿وَ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ﴾ (الشعراء:۲۱۹) "نمازیوں میں تمھارے دورے کو" کی تفسیر میں

فرماتے ہیں کہ مِنْ نَّبِیٍّ اِلٰی نَبِیٍّ حَتّٰی أَخْرَجْتُكَ نَبِیًّا، نبی سے نبی تک یہاں تک کہ میں نے اے محبوب! تم کو نبی پیدا کیا۔ (طبقات ابن سعد ج ا ص ۲۵، مسند بزار ج ۳ ص ۱۱۰، دلائل النبوۃ ص ۵۸)

حضرت جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق کو اس کی اطاعت میں عاجز ہوتا جان لیا پھر ان کو اس کی معرفت کرائی تاکہ وہ جان لیں کہ وہ اس کی خدمت وعبادت صفائی قلب کے ساتھ نہیں کر سکتے، پس اللہ عزوجل نے اپنے اور ان کے درمیان صورت مماثلت کر کے ان کی جنس میں سے ایک ایسی مخلوق (انبیاے کرام علیہم السلام) پیدا فرمائی کہ جن کا وصف ہی یہ ہے کہ وہ ان پر لطف وکرم کریں اور اس مخلوق (انبیاے کرام علیہم السلام) کو ان لوگوں کے لیے سفیر وواسطہ اور پیامبر بنایا اور ان کی فرمانبرداری کو اپنی اطاعت اور ان کی پیروی کو اپنی موافقت کہا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء:۸۰)

جس نے رسول کا حکم مانا بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا۔

اور ارشاد ہوا:

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

ابوبکر محمد بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ عزوجل نے ''رحمت'' کے ساتھ مزین کیا، آپ ﷺ سراپا رحمت ہیں اور آپ ﷺ کے تمام خصائل و صفات مخلوق پر رحمت فرمانا ہے، جس نے بھی آپ ﷺ کی رحمت (عامہ) سے حصہ پایا وہی (درحقیقت) دین و دنیا میں ہر برائی سے نجات یافتہ اور دونوں جہان میں بامراد ہے، کیا تم اللہ عزوجل کے اس فرمان کو نہیں

دیکھتے کہ وہ فرماتا ہے: ﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ (الانبیاء:۱۰۷) اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔ لہذا حضور ﷺ کی حیات ظاہری بھی رحمت ہے اور حیات باطنی (وفات) بھی رحمت، جیسا کہ حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں:

حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ وَ مَوْتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ (بزار ج ۱ ص ۳۹۷)

میری یہ زندگی بھی تمھارے لیے بہتر ہے اور یہاں سے کوچ کر جانا (وصال) بھی تمھارے لیے بہتر ہے۔ نیز حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

إِذَا أَرَادَ اللهُ رَحْمَةً بِأُمَّةٍ قبض نَبِیَّهَا قبلها فجعله لهافرطاً وَّسَلَفًا

جب اللہ عزوجل کسی امت پر رحمت فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے اس امت کے نبی کی روح قبض کرتا ہے اس کے بعد ان پر حال و مستقبل میں مہربانی فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۷۹۲)

(حضرت فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ) کہتے ہیں کہ رحمة للعالمین میں عام جن و انس پر رحمت کرنا مراد ہے، ایک روایت میں اس سے تمام کائنات و مخلوقات پر رحمت فرمانا ہے۔ مومنین کے لیے رحمت، ہدایت کرنا ہے اور منافقین کے لیے رحمت، قتل سے محفوظ رکھنا ہے اور کافرین پر رحمت یہ ہے کہ ان پر عذاب میں تاخیر کی جائے۔ (کہ اب وہ دنیا میں عذاب عام سے محفوظ ہیں)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ مومنین و کافرین کے لیے رحمت ہیں کیونکہ پچھلی ان امتوں کی طرح جنھوں نے اپنے نبیوں کی تکذیب کی تھی، دنیا میں عذاب عام سے بچا لیے گئے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر ج ۱۷ ص ۸۳، طبرانی ج ۱ ص ۳۵۰، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۶)

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا: کیا میری رحمت سے تم کو بھی کچھ حصہ ملا ہے؟ عرض کرتے ہیں: ہاں۔

كُنْتُ أَخْشَى الْعَاقِبَةَ فَأَمِنْتُ لِثَنَاءِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيَّ بِقَوْلِهِ

﴿ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝﴾ (التکویر:۲۰،۲۱)

”میں اپنے انجام و آخرت سے ڈرتا تھا، اللہ عزوجل نے میری مدح میں یہ آیہ کریمہ ”جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے امانت دار ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی تو اب بے خوف ہوں۔“

حضرت جعفر بن محمد صادق رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ عزوجل کے فرمان:

﴿فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْیَمِیْنِ﴾ (الواقعہ:۹۱) ”اے محبوب تم پر سلام داہنی طرف والوں سے“ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ کے سبب سے اصحاب یمین کی سلامتی ہے، بلاشک و تردد ان پر یہ سلامتی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت و مہربانی کی وجہ سے ہے۔

اللہ عزوجل کا ارشاد ہے کہ:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ﴾ (النور:۳۵)

اللہ نور (اجالا) ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے۔

کعب احبار اور ابن جبیر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آیت بالا میں دوسرے لفظ ”نور“ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اللہ عزوجل کا فرمان کہ:

مَثَلُ نُوْرِهٖ اَیْ نُوْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَهْلُ بْنُ عَبْدِاللهِ الْمَعْنَى اللهُ هَادِیُ أَهْلِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ قَالَ مَثَلُ نُوْرِ مُحَمَّدٍ إِذَا كَانَ مُسْتَوْدِعًا فِي الْاَصْلَابِ كَمِشْكٰوةٍ صِفَتُهَا كَذَا وَأَرَادَ بِالْمِصْبَاحِ قَلْبَهٗ وَالزُّجَاجَةِ صَدْرَهٗ أَیْ كَأَنَّهٗ كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ لِمَا فِيْهِ مِنَ الْإِيْمَانِ وَالْحِكْمَةِ يُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ أَیْ مِنْ نُوْرِ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَضُرِبَ الْمَثَلُ بِالشَّجَرَةِ الْمُبَارَكَةِ وَقَوْلُهٗ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ اَیْ تَكَادُ نَبُوَّةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَبَيَّنَ لِلنَّاسِ قَبْلَ كَلَامِهٖ كَهٰذَا الزَّيْتِ وَقَدْ قِيْلَ فِيْ هٰذِهِ الْآيَةِ غَيْرُ هٰذَا وَاللهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ

اس کے نور کی مثال یعنی نور محمد ﷺ کی مثال اس کے بارے سہل بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو آسمانوں اور زمین والوں کا ہادی بنایا ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ نور محمد ﷺ کی مثال جبکہ آپ ﷺ آباؤ اجداد کی پشتوں میں تھے "طاقچہ" (طاق) کی طرح جس کا حال یہ ہے اور "مصباح" یعنی چراغ سے مراد آپ ﷺ کا قلب مبارک ہے۔ "زجاجہ" یعنی شیشہ سے مراد آپ ﷺ کا سینہ انور ہے گویا کہ وہ ایک روشن ستارہ ہے کیونکہ اس میں ایمان و حکمت ہے، مبارک درخت سے مراد روشن کیا جانا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کے نور سے اور درخت مبارک کی مثال دی گئی، اللہ کا فرمان **يَكَادُ زَيْتُهَا** سے مراد یہ ہے کہ عنقریب محمد مصطفی ﷺ کی نبوت ان کے کلام سے پہلے ظاہر ہوگی جیسا کہ یہ زیتون۔ اس آیت مبارکہ کے اس کے سوا اور بھی معنی بیان کیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اللہ عزوجل نے اس جگہ کے علاوہ دوسرے مقامات میں بھی حضور ﷺ کا "نور" اور "روشن چراغ" نام رکھا ہے، چنانچہ فرماتا ہے:

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾

بیشک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ (المائدہ:۱۵)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا(45)وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا(46)﴾

اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔ (الاحزاب۴۶-۴۵)

اسی طرح اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ(1)﴾ کیا ہم نے تمھارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ (اَلَمْ نَشْرَحْ:۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک کو کھول دیا اور وسیع کر دیا، صدر سے یہاں مراد قلب مبارک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک کو نور اسلام کے لیے کھول دیا۔ (تفسیر در منثور ج۸ ص۵۴۷)

سہل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نور رسالت کے ساتھ کھول دیا۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سینہ مبارک کو علم و حکمت سے بھر دیا۔ بعض مفسرین نے یہ معنی بھی بیان کیے ہیں کہ کیا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کو پاک نہیں کیا؟ یہاں تک کہ وہ اب وسوسوں کو قبول ہی نہیں کرتا۔

﴿وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ(2) الَّذِيْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ(3)﴾ (الم نشرح:۲-۳)

اور تم پر سے تمھارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمھاری پیٹھ توڑی تھی۔

ایک (مجروح) روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو لغزشیں قبل اظہار نبوت ہوئی ہیں ان سے آپ

ﷺ کا دل پاک کر دیا ہے، بعض زمانہ جاہلیت کا بوجھ مراد لیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں اس سے وہ بوجھ مراد ہے جو اظہار رسالت کے وقت آپ ﷺ کی کمر، وحی رسالت کے بوجھ سے دب گئی تھی یہاں تک کہ آپ نے اس کو ادا فرمایا یعنی تبلیغ رسالت فرما دی، اسے ماوردی اور سُلَمِی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کو معصوم بنایا اگر معصوم نہ کرتے تو یقیناً لغزشوں کے بوجھ سے کمر بھاری ہو جاتی، اس کو (فقیہہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ) نے روایت کیا ہے۔

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾: اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کر دیا۔ (الم نشرح:۴)

یحیی ابن آدم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت سے) مراد نبوت (کا اعلان) ہے، بعض کہتے ہیں کہ اے محبوب جب (بندہ) مجھے یاد کرے گا تو میرے ساتھ تمھیں بھی یاد کرے گا (جس طرح) کلمہ طیبہ میں کہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور بعض اذان و اقامت میں (حضور ﷺ کا ذکر) مراد لیتے ہیں۔

فقیہ قاضی (عیاض) ابو الفضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل کا یہ فرمان حضور ﷺ کے لیے اس کی بارگاہ میں عزت و عظمت، شرافت و منزلت اور آپ ﷺ کی بزرگی پر بڑی حجت ہے کیونکہ آپ ﷺ کے قلب مبارک کو ایمان و ہدایت کے لیے کھول دیا، علم و حکمت کی صیانت و حفاظت کے لیے وسیع کر دیا اور جاہلیت کے بوجھ کو آپ ﷺ سے دور کر دیا اور جاہلیت کی عادات و خصائل کو جس پر یہ لوگ تھے، ان کا دشمن بنا دیا، آپ ﷺ کے دین کو ان کے دینوں پر تبلیغ رسالت و نبوت فرما کر غالب کر دیا اور آپ ﷺ کے اوپر سے رسالت و نبوت کے شدائد کو جو تبلیغ رسالت کی صورت میں پیش آتی تھیں محفوظ کیا اور جو کچھ آپ ﷺ پر نازل

کیا گیا، آپ ﷺ نے ان سب کو پہنچا دیا اور آپ ﷺ کو اعلیٰ مرتبہ عنایت فرمایا، آپ ﷺ کے نام کے ذکر کو اتنا بلند کیا کہ اپنے نام کے ساتھ آپ ﷺ کا نام ملا دیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے ذکر کو دنیا و آخرت میں اتنا بلند کیا کہ کوئی خطیب یا کلمہ شہادت کہنے والا یا نماز پڑھنے والا ایسا نہیں جو أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا رسول اللہ نہ کہے۔ (دلائل النبوہ ج ۷ ص ۶۳)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا:

إِنَّ رَبِّیْ وَرَبَّكَ يَقُوْلُ تَدْرِيْ كَيْفَ رَفَعْتُ ذِكْرَكَ ؟ قلْتُ اَللهُ اَعْلَمُ قالَ إِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِی

میرا اور آپ کا رب فرماتا ہے کہ اے محبوب ﷺ جانتے ہو کس طرح تمھارے ذکر کو بلند کیا؟ حضور ﷺ فرماتے ہیں: اللہ ہی خوب جانتا ہے، جبرئیل علیہ السلام نے کہا: جب میں یاد کیا جاتا ہوں تو میرے ساتھ آپ بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ (ابن حبان ج ۵ ص 62، مسند ابی یعلی ج ۲ ص ۵۲۲، ۵۳۳)

ابن عطا کہتے ہیں کہ ایمان کی تکمیل ہی میرے ساتھ آپ ﷺ کے ذکر سے ہوتی ہے، نیز کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے ذکر ہی کو اپنا ذکر قرار دیا ہے، لہذا جس نے آپ ﷺ کا ذکر کیا، اس نے میرا ہی ذکر کیا۔

حضرت جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَا يَذْكُرُكَ أَحدٌ بِالرِّسَالَةِ اِلَّا ذَكَرَنِيْ بِالرَّبُوْبِيَّةِ

جو شخص تمھاری رسالت کا اقرار کرے گا اس نے میری ربوبیت کا اقرار کیا۔

بعض نے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ سے مقام شفاعت بھی مراد لیا ہے۔

اللہ عزوجل کے ذکر کے ساتھ حضور ﷺ کے ذکر کے قبیل سے یہ بھی ہے کہ اللہ عزوجل کی اطاعت کے ساتھ حضور ﷺ کی اطاعت اور اللہ عزوجل کے نام کے ساتھ حضور ﷺ کا نام ملا کر بیان کرنا ہے چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ (آل عمران:۱۳۲)

اور اللہ و رسول کے فرمانبردار رہو۔

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (النساء:۱۳۶)

ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر۔

ان دونوں کو واؤ عطف کے ساتھ جو مشترک ہوتی ہے جمع کیا ہے، کلام میں حضور ﷺ کے سوا کسی کو اللہ عزوجل کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں ہے۔

بالاسناد حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے راوی ہیں:

لَا يَقُوْلَنَّ أَحَدُكُمْ مَاشَاءَ اللهُ وَشَاءَ فُلَانٌ وَّلٰكِنْ مَاشَاءَ اللهُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے: "اللہ عزوجل اور فلاں شخص چاہے بلکہ یوں کہو: اللہ چاہے پھر فلاں چاہے۔" (سنن ابوداؤد ج۲ ص۳۳۱، عمل اليوم والليله ص۵۴۳)

خطابی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ادب سکھایا کہ اللہ عزوجل کے ارادہ کو دوسروں پر مقدم کیا کرو، (اگر کسی کو ملانا ہی چاہو تو پھر) دوسروں کو ثُمَّ کے ساتھ ملا سکتے ہو کیونکہ ثُمَّ ترتیب و تراخی کے لیے آتا ہے بخلاف واؤ عطف کے کہ وہ اشتراک کے لیے آتا ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر ایک خطیب نے کہا:

مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِئْسَ خَطِيْبُ الْقَوْمِ أَنْتَ قُمْ أَوْ قَالَ إِذْهَبْ

جس شخص نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی وہ راہ یاب ہے اور جس نے دونوں کی نافرمانی کی (اس پر) حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "تو قوم کا برا خطیب ہے، کھڑا ہوجایا فرمایا چلا جا"۔

(صحیح مسلم کتاب الجمعہ ج۲ ص۵۴۴)

ابوسلیمان رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے ہیں کہ دونوں اسموں کو حرف کنایہ (ضمیر، ھما) کے ساتھ جمع کرنے کو ناپسند فرمایا چونکہ اس میں مساوات کا ابہام ہے اور دوسرے یہ کہتے ہیں کہ یعصھما پر وقف ناپسند کیا لیکن ابوسلیمان رضی اللہ عنہ کی بات زیادہ صحیح ہے کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اس نے وقوف نہیں کیا بلکہ **یعصھما** کے ساتھ **فَقَدْ غَوٰی** کہا تھا۔

مفسرین اور اہل معانی کا اس آیہ کریمہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی) پر۔(الاحزاب:۵۶) میں اختلاف ہے کہ آیا "**یصلون**" اللہ عزوجل اور فرشتوں دونوں کی طرف راجع ہے یا نہیں، بعض نے تو اس کو جائز رکھا ہے اور دوسروں نے شرکت کی وجہ سے منع کیا اور ضمیر جمع "**يُصَلُّوْنَ**" کو ملائکہ کے ساتھ خاص کرکے "**يُصَلِّيْ**" محذوف مان کر **إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ** تقدیر عبارت کی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حضور ﷺ کے مرتبہ کی ایک یہ بھی شان ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾

جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ کا حکم مانا (النساء:۸۰)

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾

اے محبوب! تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ، اللہ تمھیں دوست رکھے گا۔ (آل عمران:۳۱)

چنانچہ ایک روایت کے مطابق جب یہ آیت نازل ہوئی تو کفار کہنے لگے کہ (معاذ اللہ) حضور ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو رب (خدا) بنالیں، جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنالیا ہے۔ (اخرجه ابن المنذر عن مجاهد وقتادة رضی الله عنهما كافی مناهل الصفا للسيوطی ص۳۳)

تو اللہ عزوجل نے ان کو رسوا کرنے کے لیے یہ آیہ کریمہ:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ (آل عمران:۳۲)

(تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا) نازل فرما کر اپنی فرمانبرداری کو رسول ﷺ کی فرمانبرداری کے ساتھ ملا دیا۔

مفسرین کرام رحمہم اللہ اس آیت کریمہ:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ (5) صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾

ہم کو سیدھا راستہ چلا، راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا (فاتحہ:۵)

کے معنی میں اختلاف کیا ہے، چنانچہ ابوالعالیہ اور حسن بصری رحمہما اللہ نے صراط مستقیم سے حضور ﷺ کی ذات کریمہ "انعمت علیهم" سے خیار (پسندیدہ) اور کبار اہل بیت لیے ہیں، کبار صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم مراد لیے ہیں، (حکاه عنهما ابوالحسن الماوردي رحمه الله) اور انھیں دونوں سے مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت نقل کرتے ہوئے کہا کہ حضور ﷺ اور دونوں صحابہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں۔

حضرت ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے "صراط الذین انعمت علیهم" کے بارے میں اسی کی مثل روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

(تفسیر ابن جریر ج ۱۰ ص ۵۸، تفسیر در منثور ج ۱ ص ۴۰، مستدرک ج ۲ ص ۲۵۹)

جب اس کی اطلاع حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو فرمایا: خدا کی قسم ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل ٹھیک کہا اور خیر خواہی کی بات کی۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس آیت کی تفسیر میں عبدالرحمن بن زید رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے، حضرت عبدالرحمن سلمی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض علما آیہ کریمہ **فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى** (البقرہ:۲۵۶) اس نے بڑی محکم گرہ تھامی کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ عروہ وثقی (مضبوط گرہ) سے مراد حضور ﷺ ہیں بعض نے "اسلام" بعض نے "توحید" کی شہادت بھی مراد لی ہے۔

حضرت سہل آیہ کریمہ **وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا** (نحل:۱۸) "اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انھیں شمار نہ کر سکو گے" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ نعمة الله سے مراد حضور ﷺ ہیں اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ (الزمر:۳۳)

اور وہ جو یہ سچ لے کر تشریف لائے اور وہ جنھوں نے ان کی تصدیق کی یہی ڈر والے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں اکثر مفسرین رحمھم اللہ "جاء بالصدق" سے حضور ﷺ مراد لیتے

ہیں اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جس نے تصدیق کی وہ بھی وہی ہیں۔

صَدَّق کو غیر مشدد یعنی تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا ہے اور دوسروں نے کہا کہ اس سے حق کی تصدیق کرنے والے مومنین مراد ہیں اور ایک روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک روایت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مراد ہیں، اس کے علاوہ اور بھی بہت سے اقوال مروی ہیں۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ آیہ کریمہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:۲۸) سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے کی تفسیر میں کہتے ہیں "ذکر اللہ سے مراد حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔" (تفسیر در منثور ج۴ ص ۶۴۲ تفسیر ابن جریر ج۱۳ ص ۹۸)

دوسری فصل

اللہ عزوجل کا حضور ﷺ کو شاہد بنانا اور آپ ﷺ کی تعریف وثنا بیان کرنا

اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا(45)وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا(46)﴾

اے غیب کی خبر بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا اور چمکا دینے والا آفتاب۔(الاحزاب:۴۵۔۴۶)

اللہ عزوجل نے اس آیہ کریمہ میں قسم قسم کے مراتبِ جلیلہ، اوصافِ حمیدہ آپ ﷺ کی مدح میں بیان فرمائے، منجملہ یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو شاہد (حاضر و ناظر) اپنی امت پر اپنی طرف سے تبلیغ رسالت کی بنا پر بنایا، یہ حضور ﷺ کی ہی خصوصیت ہے اور مبشر (بشارت و خوشخبری دینے والا) فرمانبرداروں کے لیے اور نذیر (ڈر سنانے والا) نافرمانوں کو اور داعی (بلانے والا) توحیدِ الٰہی اور اس کی عبادت کی طرف اور سراج منیر (چمکا دینے والا آفتاب) کہ حق کی (حق کے لیے) آپ ﷺ سے ہدایت لے، ان اوصاف حمیدہ سے یاد کیا۔

ابن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے بالاسناد مروی کہ انھوں نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ایک ملاقات میں دریافت کیا کہ مجھے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ کی خبر دیجیے۔

انھوں نے کہا: ضرور! خدا کی قسم توریت میں حضور ﷺ کی بعض ایسی صفتیں بیان کی گئی ہیں جن کا ذکر

قرآن میں بھی ہے کہ اے نبی بیشک ہم نے آپ ﷺ کو شاہد مبشر، نذیر اور بے پڑھوں کا محافظ بھیجا، آپ ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں، میں نے تمھارا نام متوکل (اللہ پر بھروسہ کرنے والا) رکھا، نہ آپ ﷺ بد خلق، سخت دل، بازاروں میں چِلّانے والے اور نہ برائی کے بدلے برائی کرنے والے ہیں بلکہ عفوو درگزر اور بخشنے والے ہیں، اللہ عزوجل آپ ﷺ کی اس وقت تک ہرگز قبض روح نہ فرمائے گا جب تک آپ ﷺ کی وجہ سے لا الہ الا اللہ کے ذریعہ باطل دین وملت کی درستی نہ فرمادے، آپ کے سبب سے اللہ عزوجل اندھے، بہرے اور غافل دلوں کو کھولے گا۔ (صحیح بخاری ج۶ص ۱۱۳)

اسی طرح عبداللہ بن سلام (صحیح بخاری ج ۳ص ۵۹، سنن دارمی ج اص ۵) وکعب احبار (سنن دارمی ج اص ۴) سے بھی منقول ہے، بعض سندوں (تفسیر ابن حاتم سورۃ الفتح عن وھب بن منبه کمافی مناھل الصفاء للسیوطی، ص ۳۴) سے ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی آیا ہے، اور نہ بازاروں میں چلائیں گے اور نہ بے حیائی کو اپنا لباس بنائیں گے اور نہ یاوہ گوئی کریں گے، میں آپ ﷺ کو ہر خوبی سے آراستہ کرلوں گا اور ہر کمال وخوبی عطا کروں گا، تسکین کو آپ ﷺ کا لباس، نیکی کو آپ ﷺ کا شعار بناؤں گا، آپ ﷺ کے سینہ مبارک میں تقوی رکھوں گا اور حکمت آپ ﷺ کی عقل، صدق ووفا آپ ﷺ کی طبیعت، عفوو خیر خواہی آپ ﷺ کا خلق، عدل آپ ﷺ کی سیرت، حق آپ ﷺ کی شریعت، ہدایت آپ ﷺ کا امام، اسلام آپ ﷺ کی ملت اور احمد آپ ﷺ کا اسم مبارک ہوگا، آپ ﷺ کے ذریعہ (لوگوں کو) گمراہی سے ہدایت دوں گا اور آپ ﷺ کے سبب جہالت کے بعد علم سکھاؤں گا اور آپ ﷺ کی وجہ سے گمنامی سے نکال کر بلند کروں گا اور آپ ﷺ کی وجہ سے غیر معروف کو مشہور کروں گا اور آپ کی وجہ سے کمی کے بعد زیادتی کروں گا، تنگی کے بعد فراخی دوں گا، جدائی کے بعد جمع کروں گا، باہم مختلف قلوب منتشر خواہشوں اور بکھری ہوئی امتوں کے درمیان

محبت ووِداد (ملاپ) پیدا کروں گا، آپ ﷺ کی امت کو بہتر امت بناؤں گا جو ان لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی ان صفات و تعریف کی خبر دی جو توریت میں مذکورہ ہیں (توریت میں مذکور ہے کہ) میرا بندہ احمد مختار ہو گا، جس کی پیدائش کی جگہ (مولد) مکہ مکرمہ اور ہجرت کا مقام مدینہ منورہ یا طیبہ ہو گا، آپ ﷺ کی امت اللہ عزوجل کی ہر حال میں بہت حمد کرنے والی ہوگی۔ (سنن دارمی ج۱ص۵، طبرانی کبیر ج۱ص۱۰۹، مجمع الزوائد ج۸ص۲۷۱)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ (الاعراف:۱۵۷)

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی۔

نیز فرمایا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ﴾ (آل عمران:۱۵۹)

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے۔

حضرت فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے لوگوں پر اپنے اس احسان کو یاد دلایا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو مومنین پر رحیم (مہربان) رؤف (کرم فرما) ہر ایک سے نرمی کرنے والا بنایا ہے، اگر ہم حضور ﷺ کو بد خلق اور سخت گو بناتے تو یقیناً یہ لوگ آپ ﷺ کے پاس سے نکل جاتے لیکن اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو درگزر کرنے والا، سخی، نرم دل، خوش رو، نیکو کار اور بڑا مہربان بنایا، ایسا ہی ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی قول ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ

﴿الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا ؕ﴾

اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمھیں کیا سب امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمھارے نگہبان و گواہ۔ (البقرہ:۱۴۳)

ابوالحسن قابلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اس آیت میں ہمارے نبی ﷺ کی فضیلت اور آپ ﷺ کی امت کی فضیلت ظاہر فرمائی ہے اور دوسری آیت میں مذکور ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ﴾

اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں۔ (الحج:۷۸)

اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ رسول ﷺ تم پر گواہ ہو اور (اے امت محمد ﷺ) تم لوگوں پر گواہ بنو، اسی طرح اللہ عزوجل یہ بھی فرماتا ہے:

فَكَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِیْدًا

تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمھیں ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں (النساء:۴۱)

اللہ عزوجل کا یہ فرمان "وَسَطًا" کے معنی عادل و پسندیدہ کے ہیں، اس طرح اس آیت کے معنی ہوتے ہیں کہ جس طرح ہم نے تمھیں ہدایت کی ہے اسی طرح ہم نے تم کو خاص کر کے فضیلت دی ہے، بایں طور کہ ہم نے تم کو عادل و پسندیدہ امت بنایا تاکہ انبیاے سابقین علیہم السلام کے لیے ان کی امت پر تم گواہی دو اور یہ رسول تمھاری سچائی (صدق) کی گواہی دیں۔

ایک روایت میں ہے اللہ عزوجل (روز محشر) جب انبیاے کرام علیہم السلام سے پوچھے گا کہ کیا تم نے

تبلیغ کی؟ (میرا پیغام پہنچایا) انبیا علیھم السلام جواب میں عرض کریں گے: ہاں، پھر ان کی امتیں کہیں گی ”ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا“ تو اس وقت حضور ﷺ کی امت پیش ہوکر انبیا علیھم السلام کی گواہی دے گی اور حضور ﷺ ان کو اس (الزام عدم بشیر و نذیر) سے پاک کریں گے۔

(صحیح بخاری ج۶ ص ۱۸)

بعض مفسرین یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ تم ہر اس شخص پر حجت ہو، جو تمھاری مخالفت کرے اور یہ رسول اللہ ﷺ تم پر حجت ہیں، اس کو سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ (یونس:۲)

اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس سچ کا مقام ہے۔

قَدَمَ صِدْقٍ کی تفسیر میں حضرت قتادہ اور حضرت حسن اور حضرت زید بن اسلم رضی اللہ تعالی عنھم کہتے ہیں کہ ”هُوَ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم يَشْفَعُ لَهُمْ“ یعنی اس سے مراد حضور ﷺ ہیں کہ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ (ابن جریر طبری ج۱ ص ۵۹)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ان کی وہ مصیبت ہے جو ان کے نبی کے سبب سے دور ہوتی ہے۔ (یعنی نبی کا وجود قدم صدق اور خوشی کا سبب ہوتا ہے کہ مصیبتیں ان کے وجود کی برکت سے دور ہوتی ہیں۔) (تفسیر در منثور ج۴ ص ۳۴۲)

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے۔

(عن ابی مردویہ عن ابی سعید کمافی تفسیر در منثور ج۴ ص ۳۴۲)

هِيَ شَفَاعَةُ نَبِيِّهِمْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ شَفِيْعُ صِدْقٍ عِنْدَرَبِّهِمْ

وہ ان کے نبی محمد ﷺ کی شفاعت ہے کہ اللہ عزوجل کے حضور سچے سفارشی ہیں۔

سہل بن عبداللہ تستری کہتے ہیں، وہ پہلی رحمت ہے جو حضور ﷺ کے وجود گرامی میں ودیعت کی ہے اور محمد بن علی ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صادقین وصدیقین کے امام، شفیع، مطاع اور ایسے سائل کہ جن کی بات مانی گئی محمد ﷺ ہیں، اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے سلمی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا۔

تیسری فصل

اللہ عزوجل کا حضور ﷺ کو کمال دلجوئی اور بڑے احسان کے ساتھ یاد کرنا

اللہ عزوجل کے حضور ﷺ پر لطف و مہربانی میں سے یہ آیت کریمہ بھی ہے:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ﴾ (التوبہ:۴۳)

اللہ تمھیں معاف کرے تم نے انھیں کیوں اذن دے دیا۔

ابو محمد مکی علیہ الرحمہ کہتے ہیں (اس آیت کی تفسیر میں) یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ اللہ عزوجل کا ”عفا اللہ عنك“ سے کلام کی ابتدا کرنا اس کا قائم مقام ہے کہ اللہ عزوجل نے اصلاح کرتے ہوئے عزت عطا فرمائی۔

عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو پہلے اس سے کہ لغزش کی خبر دیں عفو کی خبر دی ہے۔(تفسیر در منثور ج۴ ص۲۱)

حضرت ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض علما سے نقل کرتے ہوئے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اے سلیم القلب اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو عافیت دی ہے کیونکہ تم نے ان کو اذن دے دیا، وہ فرماتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ کو خطاب میں ابتدا کلام ”لِمَ اَذِنْتَ“ سے کیا جاتا تو یقیناً یہ اندیشہ تھا کہ ہیبت کلام سے آپ ﷺ کا قلب مبارک شق ہو جاتا لیکن اللہ عزوجل نے اپنی رحمت سے حضور ﷺ کو پہلے ہی عفو کی خبر دے دی حتی کہ آپ ﷺ کو سکون قلب حاصل ہو گیا، اس کے بعد فرمایا کہ کیوں آپ ﷺ نے انھیں تخلف (پیچھے رہنے) کی اجازت دے دی یہاں تک کہ عذر خواہی

میں پتہ چل جاتا کہ کون صادق ہے اور کون کاذب۔

اس انداز خطاب میں اشارہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کی بڑی قدر ومنزلت ہے، جو اہل بصیرت ہیں ان پر یہ بات مخفی نہیں ہے، منجملہ اس کے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی قدر ومنزلت کی ہو اور آپ ﷺ کو بھلائی سے یاد کیا ہو، یہ ہے کہ اس کی کُنہ (حقیقت، تہہ وغیرہ) کی معرفت سے پہلے ہی آپ ﷺ کے قلب مبارک کی رگیں شق ہو جائیں۔

نفوطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ (فافہم) لوگ یہ گمان کرنے لگے ہیں کہ اس آیت میں (معاذ اللہ) اللہ عزوجل نے عتاب فرمایا ہے حالانکہ حضور ﷺ اس سے بری ہیں بلکہ حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا تھا، پس جب حضور ﷺ نے ان کو اذن دے دیا تو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا کہ اگر آپ ﷺ ان کو اذن نہ دیتے تو یقیناً یہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے گھر میں ہی بیٹھے رہتے، اس کے علاوہ اس بات کی بھی خبر دے دینا ہے کہ ان کو اذن دینے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ (البتہ اگر اذن نہ دیتے تو نفاق علی الاعلان آشکارا ہو جاتا۔ مترجم غفرلہ)

فقیہ قاضی ("ابوالفضل عیاض" اللہ عزوجل ان کو توفیق دے) فرماتے ہیں کہ اس مسلمان پر جو اپنے نفس پر مجاہدہ کرتا ہے اور اس کے اخلاق (عادات) زمام شریعت کے تابع ہیں واجب ہے کہ قرآنی آداب سے اپنے قول وفعل، معاملات اور محاورات میں ادب سیکھے کیونکہ ادب ہی معرفت حقیقی کی کُنہ ہے اور ادب ہی دینی ودنیاوی گلدستہ ہے، اس بے مثال مہربانی پر خوب غور وفکر کرے، جو سوال میں اس رب الارباب (مالک الملک اللہ عزوجل) جو کائنات پر بے شمار انعام کرتا ہے اور ہر ایک سے بے نیاز ہے کی جانب سے ہے اور ان فوائد کو حاصل کرنے کی کوشش کرے جو اس میں پنہاں ہیں اور سمجھے کہ کس طرح اظہار ناپسندیدگی (عتاب) سے پہلے لطف وکرم کے ساتھ کلام کی ابتدا فرماتا ہے، اگر یہاں بالفرض (معاذ

اللہ) کوئی گناہ ہو بھی تو گناہ کے ذکر سے پہلے عفو بخشش کا ذکر کر کے محبت وانسیت کی باتیں کی ہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ لَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا﴾ (اسراء:۷۴)

اور اگر ہم تمھیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم ان کی طرف کچھ تھوڑا سا جھکتے۔

بعض متکلّمین کہتے ہیں، انبیاے (سابقین) علیھم الصلوۃ والسلام پر ان کی لغزشوں کے بعد اللہ عزوجل نے عتاب فرمایا ہے لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لغزش کے واقعہ ہونے سے پہلے عتاب کیا ہے تاکہ اس کے صدور میں سخت رکاوٹ ہو جائے اور شرائط محبت کی حفاظت بھی ہو۔ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ عزوجل کا) یہ انتہائی لطف وکرم ہے۔

اس کے بعد اس پر نظر وفکر کرو کہ عتاب اور اس کے خوف کے ذکر سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف مائل ہوں، کس طرح اللہ عزوجل نے ثبات وسلامتی کا ذکر کیا، دوران عتاب ہی میں برکت اور تخویف کے مابین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مامون ومحفوظ ہونا آپ کی بڑی بزرگی ہے۔ اسی طرح اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ﴾

ہمیں معلوم ہے کہ تمھیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں، تو وہ تمھیں نہیں جھٹلاتے۔ (الانعام:۳۳)

اس کی تفسیر میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابو جہل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ ہم تم کو تو نہیں جھٹلاتے لیکن جو تم لائے ہو اس کی ہم تکذیب کرتے ہیں، اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب حضور ﷺ کی قوم نے حضور ﷺ کو جھٹلایا تو اس پر آپ ﷺ کو حزن و ملال ہوا، اس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ﷺ کس چیز کا غم کرتے ہیں؟ فرمایا: مجھ کو میری قوم نے جھٹلایا ہے۔

جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی: یہ کفار دل میں خوب جانتے ہیں کہ آپ ﷺ سچے ہیں۔

اللہ عزوجل نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی، اس آیہ کریمہ میں یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ عزوجل تسلی دیتا ہے اور خطاب میں یہ مہربانی فرماتا ہے کہ آپ ﷺ پر یہ بات ثابت کروں کہ آپ ﷺ ان کے نزدیک سچے ہیں، وہ آپ ﷺ کو جھٹلاتے نہیں، قول و اعتقاد میں آپ ﷺ کے صدق کے اقراری ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کے اظہار نبوت سے پہلے آپ ﷺ کو "امین" کہا کرتے تھے، اس کلام کے ذریعہ اللہ عزوجل نے آپ کے اس غبار خاطر کا ازالہ فرمایا ہے، جو قوم کے انکار و تکذیب سے پیدا ہو گیا تھا، پھر کفار کی برائی بیان کی اور ان کو منکر، ظالم قرار دیا۔ (یہ مزید آپ ﷺ پر لطف و کرم ہے) جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ﴾

بلکہ ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔ (الانعام: ۳۳)

اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو اس سے بری کر دیا اور آیات الٰہیہ کی تکذیب اور اس سے دشمنی و عناد کا طوق (کفار) کو پہنا دیا، در حقیقت جحد و انکار اسی طرح ہوتا ہے کہ معلوم شے سے انکار کر دیا جائے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ (النمل: ۱۴)

اور ان کے منکر ہوئے اور ان کے دلوں میں ان کا یقین تھا ظلم اور تکبر سے۔

پھر اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو عزت دی اور آپ ﷺ سے وحشت اس طرح دور کی کہ پہلے لوگوں کا حال بیان کیا، پھر ان پر غلبہ ونصرت کا وعدہ فرمایا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾

اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے (الانعام:۳۴)

بعض قاریوں نے گزشتہ آیہ کریمہ میں ”لَا يُكَذِّبُوْنَ“ کو تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا ہے، اس طرح اس کے یہ معنی ہوتے ہیں: ”تم کو جھوٹا نہیں پاتے“، فراء وکسائی رحمھما اللہ کہتے ہیں کہ کفار نہیں کہتے کہ تم جھوٹے ہو۔

اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ”آپ ﷺ کے کذب پر دلیل نہیں لاتے اور نہ اس کو ثابت ہی کرتے ہیں۔“ اور جن قاریوں نے اس کو مشدد پڑھا ہے ان کے نزدیک اس کے معنی ہیں کہ ”تم کو جھوٹ کی نسبت نہیں کرتے“ بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی طرف کذب کی نسبت کا ان کو اعتقاد نہیں۔

حضور ﷺ کی خصوصیات اور اللہ عزوجل کا بھلائی سے یاد فرمانے کے بارے میں سے ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ اللہ عزوجل نے تمام نبیوں کو ان کے ناموں سے مخاطب کیا اور ان کو ” يٰاٰدَمُ ،يَانُوْحُ ،يَا إِبْرَاهِيْمُ ، يَا مُوْسٰى ،يَا دَاوٗدُ ،يَا عِيْسٰى ،يَا زَكَرِيَّا ،يَا يَحْيٰ“ کہہ کر پکارا لیکن حضور ﷺ کو ” يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ ،يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ ،يٰاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ،"يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ“ سے خطاب کیا، نام لے کر مخاطب نہ فرمایا۔

چوتھی فصل

اللہ عزوجل کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مراتب عالیہ کی قسم یاد فرمانا

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لَعَمۡرُكَ إِنَّهُمۡ لَفِي سَكۡرَتِهِمۡ يَعۡمَهُونَ ۝﴾ (الحجر:۷۲)

اے محبوب تمھاری جان کی قسم، بیشک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

مفسرین کرام رحمھم اللہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک (حیات شریف) کی قسم فرمائی ہے۔ ''عمر'' اصل میں عین کے ضمہ (پیش) سے ہے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے فتح (زبر) دیا جاتا ہے، اس کے یہ معنی ہیں کہ وَبَقائِكَ يَا مُحَمَّدُ: اے محمد (صلی اللہ علیک وسلم) آپ کی بقا کی قسم۔

اور ایک روایت میں ''وَعَيۡشِكَ'' (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی قسم) اور ''وَحَيَاتِكَ'' بھی آیا ہے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی تعظیم اور بے حد و غایت اکرام و شرف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا خَلَقَ اللهُ تَعَالٰى وَمَاذَرَأَ وَمَا بَرَأَنَفۡسًا اَكۡرَمَ عَلَيۡهِ مِنۡ مُحَمَّدٍ صَلَى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَمَا سَمِعۡتُ اللهَ تَعَالٰى أَقۡسَمَ بِحَيَاتِ أَحَدٍ غَيۡرِهٖ

اللہ عزوجل نے کسی مخلوق کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اپنی بارگاہ میں مکرم پیدا نہیں کیا اور میں نے نہیں سنا کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کسی کی زندگی کی قسم فرمائی ہو۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۶۳، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۸)

ابوالجوزاء نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کے سوا کسی کی حیات کی قسم نہ (بیان) فرمائی کیونکہ حضور ﷺ بارگاہ الٰہی میں ساری مخلوق سے زیادہ مکرم ہیں۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿يٰسٓ ۝ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝﴾

حکمت والے قرآن کی قسم (یٰسٓ:۱،۲)

کلمہ "یٰسٓ" کے معنی میں مفسرین کے چند قول ہیں، ابو محمد مکی علیہ الرحمہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: خدا کی بارگاہ میں میرے دس نام ہیں، ان میں "طٰہٰ" اور "یٰسٓ" بھی ہیں۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۶۱، مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۴۵۷)

ابو عبدالرحمن سلمی علیہ الرحمہ حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ "یٰسٓ" سے مراد "یَا سَیِّدُ" ہے جس کے ساتھ حضور ﷺ کو مخاطب کیا گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ "یٰسٓ" سے "یا انسان" مراد لیتے ہیں (تفسیر در منثور ج ۲ ص ۴۱) اور اس سے حضور ﷺ (اے مرد)۔

یہ بھی منقول ہے کہ یہ قسم ہے اور اسمائے الٰہی میں سے "یٰسٓ" بھی ایک نام ہے۔

(تفسیر ابن جریر ج ۲۳ ص ۹۷)

زجاج یہ کہتے ہیں کہ بعض نے کہا کہ اس کے معنی "یا محمد" صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعض نے یا رجل (اے مرد) بھی کہا ہے اور ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے "یا محمد" مراد لی ہے۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ا ص ۱۵۸)

کعب احبار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "یٰسٓ" قسم ہے کہ اللہ عزوجل نے آسمان و زمین کے پیدا

کرنے سے دو ہزار برس پہلے آپ کی قسم (بیان) فرمائی، یعنی یَا مُحَمَّدُ (صلی اللہ علیک وسلم) اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ: (اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیشک تم رسولوں میں سے ہو)

پھر فرمایا:

﴿وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ (یٰسٓ: ۲،۳)

حکمت والے قرآن کی قسم، بے شک تم رسولوں میں سے ہو۔

اور اگر یہ تقدیر لی جائے کہ "یٰسٓ" آپ کے ناموں میں سے ہے اور یہ کہ "یٰسٓ" آپ کی قسم ہے تو اس میں آپ کی گزشتہ زمانہ کی تعظیم ہوگی اور دوسری قسم پہلی قسم پر عطف کر کے تاکید مزید ہو جائے گی۔

اور اگر یہ تقدیر لی جائے کہ "یٰسٓ" کے معنی ندا کے ہیں تو اس صورت میں دوسری قسم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی تحقیق میں ہو جائے گی جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کی شہادت میں وارد ہے۔

خلاصہ مراد یہ کہ اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام و کتاب کی قسم فرما کر فرمایا: بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسولوں میں سے ہیں کہ بندوں کی طرف پیام الٰہی پہنچاتے ہیں۔

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: یعنی آپ اپنے ایمان سے ایسی سیدھی راہ پر ہیں کہ جس میں نہ ٹیڑھ ہے نہ حق سے عدول۔ (یٰسٓ: ۴)

نقاش علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ کتاب مجید میں اللہ عزوجل نے کسی نبی کی رسالت کی قسم نہیں یاد فرمائی سوائے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی تعظیم و ترقی ہے، یہ تکریم اس تقدیر (تاویل) کی بنا پر ہے جس نے "یٰسٓ" سے "یَا سَیِّدُ" مراد لیا ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشاد فرمایا ہے: اَنَا سَیِّدُ وُلِدَ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۷۸۲)

واقعتاً میں اولادِ آدم کا سردار ہوں، یہ میں فخر سے نہیں کہتا۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ(1) وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ(2)﴾

مجھے اس شہر کی قسم کہ اے محبوب تم اس شہر میں تشریف فرما ہو۔ (البلد: ۱، ۲)

بعض نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہر تشریف لے جانے کے بعد میں اس شہر کی قسم نہیں فرماتا ہوں، اس کو مکی علیہ الرحمہ نے بیان کیا۔

بعض کہتے ہیں کہ لَا زائد ہے، یعنی میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں رونق افروز ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حلال ہے جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں کیا ہے، ان سب کے نزدیک البلد سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

واسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ یعنی ہم اس شہر کی قسم کھاتے ہیں جس میں زندگی (حیات ظاہری) میں قیام فرما کر اس کو مشرف کیا اور بعد وصال (حیات باطنی) اپنی برکتوں سے اس کو نوازا یعنی مدینہ منورہ۔

اول توجیہ زیادہ درست ہے کیونکہ یہ سورہ مبارکہ مکی ہے اور مابعد کی دوسری توجیہ کو اللہ عزوجل کا فرمان "حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ" اس کی تصحیح کرتا ہے۔

اسی طرح اللہ عزوجل کا فرمان "وَ هٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِ" (التین: ۳) کی تفسیر میں ابن عطاء علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قیام کی وجہ سے اس شہر کو مامون بنایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہونا ہی امن ہے، جہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہوں، اس کے بعد اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ: اور تمھارے باپ ابراہیم کی قسم اور اس کی اولاد کی کہ تم ہو۔ (البلد: ۳)

جو شخص یہ مراد لیتا ہے کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں تو یہ ایک عام بات ہے اور بعض حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد مراد لیتے ہیں۔ (لیکن بات یہ ہے کہ) انشاء اللہ عزوجل یہ آیت

حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر رہی ہے کیونکہ سورہ مبارکہ دو مقامات پر حضور ﷺ کی قسم پر مشتمل ہے۔ اور اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (البقرہ:۲-۱)

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حروف قسم کے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان سے قسم کھائی ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج۱ ص ۶۸ تفسیر در منثور ج۱ ص ۵۵۷)

ان سے اور ان کے علاوہ دوسروں سے اور بھی اقوال مروی ہیں۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری علیہ الرحمہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ الف سے اللہ عزوجل لام سے جبرئیل علیہ السلام، میم سے محمد ﷺ مراد ہیں، اس روایت کو سمرقندی علیہ الرحمہ نے نقل کیا ہے، مگر اس کی نسبت حضرت سہل علیہ الرحمہ کی طرف نہیں کی ہے، اس کے معنی بیان کیے ہیں کہ اللہ عزوجل نے جبرئیل علیہ السلام کو حضور ﷺ پر اس قرآن کے ساتھ اتارا جس میں کوئی شک نہیں۔ پہلی توجیہ احتمال قسم پر معنی یہ ہوں گے، بے شک یہ کتاب حق ہے کوئی شک کی گنجائش نہیں، پھر اس میں یہ فضیلت ہے کہ آپ ﷺ کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

ابن عطاء رحمہ اللہ عزوجل کے فرمان ﴿قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ عزت والے قرآن کی قسم۔ (قٓ:۱) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے حبیب محمد ﷺ کے قلب کی قوت کی قسم اس لیے کھائی کہ وہ خطاب اور مشاہدہ کے برداشت کی طاقت رکھتا ہے، درانحالیکہ یہ امر اپنے اپنے علوشان کے لحاظ سے مشکل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ قرآن کا نام ہے، بعض اللہ عزوجل، کا نام کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ایک ایسا پہاڑ ہے جو کل زمین کو محیط ہے اور اس کے سوا اور بہت سے اقوال ہیں۔

وَ النَّجۡمِ اِذَا هَوٰی ۝

اس پیارے چمکتے تارے محمد کی قسم جب یہ معراج سے اترے۔(النجم:۱)

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں حضرت جعفر بن محمد علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ " والنجم " سے مراد حضور ﷺ ہیں اور فرمایا کہ نجم (ستارہ) حضور ﷺ کا قلب مبارک ہے، "هوی" کی تفسیر میں کہا کہ انوار الہی سے کھل گیا اور کہا کہ غیر اللہ سے (آپ کا دل) جدا ہو گیا۔ ابن عطاء علیہ الرحمہ اللہ عزوجل کے فرمان وَ الۡفَجۡرِ ۝ وَ لَیَالٍ عَشۡرٍ ۝ (الفجر:۱،۲)"اس صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ فجر سے مراد حضور ﷺ ہیں کیونکہ آپ ہی سے ایمان (کا اجالا) پھوٹ کر نکلتا ہے۔

پانچویں فصل

اللہ کا اس مقام و مرتبہ کی قسم یاد فرمانا جو بارگاہ الٰہی میں حضور ﷺ کو حاصل ہے

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ الضُّحٰی(۱) وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی(۲) مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰی (۳) وَ لَلۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ لَّكَ مِنَ الۡاُوۡلٰی (۴) وَ لَسَوۡفَ یُعۡطِیۡكَ رَبُّكَ فَتَرۡضٰی (۵) اَلَمۡ یَجِدۡكَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی(۶) وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی(۷) وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰی (۸) فَاَمَّا الۡیَتِیۡمَ فَلَا تَقۡهَرۡ (۹) وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنۡهَرۡ (۱۰) وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ(۱۱)﴾

اس سورہ مبارکہ کی شان نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ حضور ﷺ نے کسی عذر کی بنا پر رات کے قیام کو ترک کر دیا تھا۔ اس پر ایک عورت (نازیبا) باتیں کہنے لگی تھی۔ بعض نے کہا کہ مشرکین نے تاخیر نزول وحی پر طرح طرح کی باتیں بنانا شروع کر دی تھیں۔ (صحیح بخاری ج۶ ص۱۴۶) اس پر یہ سورہ مبارکہ نازل ہوئی۔ (ترمذی ج۵ ص۱۱۲)

فقیہ قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ "اللہ عزوجل ان کو توفیق دے" نے فرمایا: یہ سورہ مبارکہ حضور ﷺ کی خاص قدر و منزلت اور عظمت و شان پر جو بارگاہ الٰہی سے عنایت ہوئی تھیں، چھ وجہوں پر مشتمل ہے۔

اول یہ کہ اللہ عزوجل نے قسم کے ساتھ آپ ﷺ کے حال کو بیان فرمایا۔ ارشاد ہوا:

﴿وَ الضُّحٰی(۱) وَ الَّیۡلِ اِذَا سَجٰی(۲)﴾

قسم ہے چہرہ انور اور زلف عنبریں کی جبکہ وہ ڈھلک کر آجائے۔

یعنی رب ضحی کی قسم، یہ بزرگی کے اعظم درجات میں سے ہے۔

دوم یہ کہ بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ فرماتا ہے:

﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ مَا قَلٰى (۳)﴾

تمھیں تمھارے رب نے نہ چھوڑا اور نہ مکروہ جانا، یعنی نہ آپ کو ترک کیا اور نہ مبغوض جانا، اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کو پسند کرنے کے بعد آپ ﷺ کو نہ چھوڑا۔

سوم یہ فرمایا:

﴿وَ لَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (۴)﴾

اور بیشک پچھلی تمھارے لیے پہلی سے بہتر ہے۔

ابن اسحاق علیہ الرحمہ نے کہا کہ آپ ﷺ کا حال آپ ﷺ کے انجام کار میں اللہ عزوجل کے نزدیک اس سے بڑا ہے جو دنیا میں آپ ﷺ کو عزت و کرامت مرحمت فرمائی ہے۔

سہل علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ جو کچھ شفاعت اور مقام محمود کا ہم نے آخرت میں ذخیرہ رکھا ہے وہ آپ ﷺ کے لیے اس سے بہتر ہے جو ہم نے آپ ﷺ کو دنیا میں عطا فرمایا۔

چہارم میں یہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى (۵)﴾

اور بے شک قریب ہے کہ تمھارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔

یہ آیہ کریمہ دونوں جہان میں بہت سی بزرگیوں، قسم قسم کی نیک بختیوں اور طرح طرح کے انعام و کرام کے لیے جامع و مکمل ہے۔

ابن اسحاق علیہ الرحمہ نے کہا کہ اللہ عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا میں فراخی اور آخرت میں ثواب سے راضی کرے گا، بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حوض کوثر اور شفاعت عطا فرمائے گا۔ اہل بیت نبوت علی جدھم الصلوۃ والسلام سے بعض علما نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس سے زیادہ امید افزا کوئی آیت ہے ہی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے راضی ہوں گے ہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک امتی بھی دوزخ میں رہ جائے۔

(الحلیۃ لابی نعیم، مسند الفردوس لدیلمی کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۳۷)

پنجم یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو انعام واکرام فرمائے ہیں ان کو شمار کرایا ہے اور آخر سورت تک اپنی جانب سے اپنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے، یعنی خدا کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے لوگوں کو ہدایت دی، بربنائے اختلاف تفاسیر، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس مال نہ تھا، مال دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غنی کر دیا یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب میں قناعت پیدا کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں غنا ڈال دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یتیم پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کو مہربان کر کے ان کے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکونت کرادی۔

بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ عزوجل نے اپنی طرف رجوع کرا دیا، بعض نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے مثل پایا تو اپنا بنالیا، بعض اس طرح تفسیر بیان کرتے ہیں کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب گمراہوں کو ہدایت دی اور فقیر کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب غنی کیا اور یتیم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب جائے پناہ ملی، اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی نعمتیں یاد دلائیں اور معروف و مشہور تفسیروں کے مطابق یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی حال میں نہ چھوڑا، خواہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صغر سنی (بچپنا) ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افلاس و یتیمی کی حالت ہو، قبل اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ

کو پہچانیں نہ آپ ﷺ کو چھوڑا اور نہ آپ ﷺ کو دشمن بنایا، تو بھلا اب جبکہ آپ ﷺ کو مرتبہ خصوصی مرحمت فرمایا اور اپنا پسندیدہ بنالیا، یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

ششم یہ کہ اللہ عزوجل نے جو نعمتیں آپ ﷺ پر کی ہیں، ان کے اظہار کا حکم دیا اور جو بزرگیاں آپ ﷺ کو مرحمت ہوئی ہیں ان کے شکر پذیر ہونے اور اعلان کرنے کا حکم دیا، آپ ﷺ کے ذکر کو اس آیت سے مشہور کیا۔

﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (۱۱)﴾

اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔

نعمت کا شکر یہی ہے کہ اس کی تحدیث یعنی چرچا کیا جائے کہ یہ حکم حضور ﷺ کے لیے تو خاص ہے ان امت کے لیے عام ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰى (إلى قوله تعالى) لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى﴾

اس پیارے چمکتے تارے محمد ﷺ کی قسم جب یہ معراج سے اترے (یہاں تک کہ) بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (النجم:۱-۱۸)

النجم کی تفسیر میں مفسرین کے بکثرت اقوال مشہور ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ النجم اپنے ظاہری معنی پر ہے اور یہ کہ اس سے مراد قرآن ہے۔

حضرت جعفر بن محمد علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ قلب محمد ﷺ ہے اور یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ اللہ عزوجل کے فرمان:

﴿وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ (۱) وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ (۲) النَّجْمُ الثَّاقِبُ (۳)﴾

آسمان کی قسم اور رات کو آنے والے کی اور کچھ تم نے جانا وہ رات کو آنے والا کیا ہے، خوب چمکتا تارا۔ (الطارق: ۳-۱)

اس میں بھی النجم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ سلمی علیہ الرحمہ نے اس کو روایت کیا۔

یہ آیات کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فضل و شرف میں اس حد تک پہنچتی ہیں کہ کوئی عدد اس کو گھیر نہیں سکتا، اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہدایت اور خواہشات نفسانی کے اتباع سے بچنے، سچائی اور تلاوت قرآن اور یہ کہ یہ کتاب اللہ عزوجل کی ایسی وحی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف جبرئیل علیہ السلام لے کر آئے جو مضبوط طاقت والا ہے، کی قسم کھائی ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فضیلت میں واقعہ معراج اور سدرۃ المنتھٰی تک پہنچنے اور جو کچھ قدرت الٰہی کی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں، ان کی خبر دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تصدیق کی ہے اور سورہ اسریٰ کے شروع میں بھی اللہ عزوجل نے اس پر متنبہ کیا ہے اور جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عالم جبروت کا مکاشفہ اور عجائب ملکوت کا مشاہدہ ہوا ہے، ایسا ہے کہ جس کو نہ کوئی عبارت احاطہ کر سکتی ہے اور نہ ادنی سماع کی عقولِ عامہ طاقت رکھتی ہیں، اس لیے اللہ عزوجل نے اس کو ایسے اشارہ و کنایہ سے بیان کیا ہے جو تعظیم پر دلالت کرے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی﴾

اب وحی فرمائی اپنے بندہ کو جو وحی فرمائی۔ (النجم: ۱۰)

اس قسم کے کلام کو پرکھنے والے بُلَغاء وحی و اشارہ سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے نزدیک اعجاز کا یہ اعلیٰ درجہ ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی﴾

بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (النجم:۱۸)

جو وحی فرمائی گئی اس کی تفصیل سمجھنے سے عقلیں ماند، ان آیات کبریٰ کی تعین میں فہمیں عاجز۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ یہ آیتیں اس پر مشتمل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات وصفات پاک ومنزہ ہے اور شب معراج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو ہر آفت سے محفوظ رکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضا کو پاک کر دیا، ”مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی“ (جو آنکھ نے دیکھا اس کو دل نے نہ جھٹلایا) سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک اور ”وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی“ (وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں) سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس اور ”مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی“ (آنکھ نہ کسی طرف پھری اور نہ حد سے بڑھی) سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم انور کی حالت وکیفیت اللہ عزوجل نے بیان فرمائی۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ (۱۵) الْجَوَارِ الْكُنَّسِ (۱۶) وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ (۱۷) وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ (۱۸) اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (۱۹) ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِيْنٍ (۲۰) مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (۲۱) وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (۲۲) وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (۲۳) وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ (۲۴) وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ (۲۵)﴾

توقسم ہے ان کی جو الٹے پھریں، سیدھے چلیں، تھم رہیں (تا) اور قرآن مردود شیطان کا پڑھا ہوا نہیں۔ (تکویر:۱۵تا۲۵)

لَا أُقْسِمُ أَیْ أُقْسِمُ إِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ یعنی ”لا أقسم“ سے مطلب یہ ہے کہ میں

قسم کھاتا ہوں، بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھا ہوا ہے جو بھیجنے والے (اللہ عزوجل) کے نزدیک کریم ہیں، "ذِی قُوَّةٍ" والے ہیں اسے پہنچانے میں جو آپ ﷺ پر وحی کے ذریعہ بارڈالا جائے، "مَکِیْنٍ" یعنی اللہ عزوجل کے نزدیک آپ بڑے درجہ والے بلند مقام ہیں، "مُطَاعٍ ثَمَّ" یعنی آسمان پر مطاع و متبوع ہیں کہ آپ ﷺ کی اطاعت کی جاتی ہے، "امین" یعنی آپ ﷺ وحی کے امانت دار ہیں۔

علی بن عیسی علیہ الرحمہ وغیرہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ سے اس جگہ پر حضور ﷺ مراد ہیں اور بعد کی تمام صفتیں آپ ﷺ کے لیے ہیں، دوسروں نے کہا: اس سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں، اس بنا پر بعد کی تمام صفتیں ان کی ہوں گی، "وَلَقَدْ رَاٰہُ" (بیشک انھوں نے اس کو دیکھا) یعنی حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا، ایک روایت میں ہے حضور ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا یا جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا، اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ﴾

اصل کتاب الشفاء میں بظنین (بالظاء) مرقوم ہے، لیکن ہمارے اطراف میں بضنین (بالضاد) ہے۔ (مترجم)

ترجمہ: اور یہ نبی غیب بتانے میں بخیل نہیں۔ (التکویر:۲۴)

ضنین کو اگر ظاء سے پڑھا جائے تو اس کے معنی متہم کے ہوں گے اور ضاد سے پڑھا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ لوگوں کو دعوت و تذکیر اور علم و حکمت کی باتوں کے بتانے میں بخیل نہیں ہیں۔ یہ صفت بالاتفاق حضور ﷺ کی ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ (القلم:۱)﴾

اللہ عزوجل نے ان آیات کریمہ میں جو بھی بڑی قسم کھائی ہے اس لیے کہ حضور ﷺ کی پاکی بیان کی

جائے جس کو کفار آپ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور آپ ﷺ کی وہ تکذیب کرتے ہیں، اللہ عزوجل نے محبت کی باتیں کر کے مسرور کیا اور آپ ﷺ کی امیدوں کو فراخ کیا، اپنے اس خطاب میں یہ فرمایا:

﴿مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ﴾

تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں (القلم:۲)

یہ آیتیں آپ ﷺ کے خطاب میں انتہائی لطف و مہربانی کی حامل ہیں اور بولنے میں اعلی درجہ کے آداب کا لحاظ ہے، اس کے بعد اللہ عزوجل نے ان دائمی نعمتوں کی یاددہانی کرائی جو آپ ﷺ پر اس کی بارگاہ میں ہے اور وہ غیر منقطع ثواب بتائے جس کو کوئی شمار نہیں کر سکتا، یہ سب کچھ احسان جتلانے کے لیے نہیں، کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے:

﴿وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ﴾

اور ضرور تمھارے لیے بے انتہا ثواب ہے۔ (قلم:۳)

پھر آپ ﷺ کی ان باتوں سے تعریف کی جو آپ ﷺ کو مرحمت فرمائی اور بتلائی ہیں اور آپ ﷺ کی عظمت کو دوبالا کرنے کے لیے دو حرف تاکید سے کلام کو مستحکم کیا اور فرمایا:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾

اور بیشک تمھاری خوبو (خوبی/اخلاق) بڑی شان کی ہے۔ (القلم:۴)

"خلق عظیم" کی تفسیر میں بعض نے کہا قرآن اور بعض نے اسلام اور بعض نے آپ ﷺ کی عادت کریمہ مراد لی ہے اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کا ارادہ ہی نہیں مگر جو اللہ عزوجل چاہے۔

واسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے حسن قبول کی تعریف کی ہے کہ آپ

ﷺ کی طرف نعمتیں ارسال کر کے آپ ﷺ کو وہ فضیلت مرحمت فرمائی جو آپ ﷺ کے سوا کسی کو میسر نہیں، اس لیے کہ آپ ﷺ کی فطرت میں ہی مہربانی ہے، پس پاکی ہے اس مہربان بخشش کرنے والے، احسان کرنے والے، بہت سخی (جواد) (خداعزوجل) کی جس نے بھلائی اور ہدایت آپ ﷺ کی "خوبو" (عادت، خصلت، طور طریقہ، رنگ ڈھنگ) کر دی، پھر اس کے کرنے والے کی تعریف کی اور اس پر اس کو جزا دی، پاکی ہے خدا کی اس کی بخشش کیا ہی عام ہے اور اس کی مہربانیاں کس قدر وسیع ہیں۔

اس کے بعد حضور ﷺ کو کفار کی بدگوئیوں پر تسلی دی کہ اس پر ان کو عذاب کا وعدہ دیا اور اس طرح ان کو ڈرایا۔

﴿فَسَتُبْصِرُ وَ یُبْصِرُوْنَ(۵) بِاَیِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ(٦) اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ(۷)﴾ (القلم:۵تا۷)

تو اب کوئی دم جاتا ہے کہ تم بھی دیکھو گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں کون مجنون تھا، بیشک تمھارا رب خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بہکے اور وہ خوب جانتا ہے جو راہ پر ہے۔

پھر آپ ﷺ کی مدح وثنا کے بعد آپ ﷺ کے دشمنوں کی مذمت کو عطف کر کے ان کی بری خصلتوں کو بیان کیا، ان کے معائب شمار کیے، اس میں آپ ﷺ کی فضیلت پیوست کی اور اپنے نبی ﷺ کی نصرت وحمایت فرمائی اور ان کی دس سے زائد برائیاں بیان کیں اور یہ فرمایا:

﴿فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِیْنَ(۸) وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَیُدْهِنُوْنَ(۹) وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِیْنٍ(۱۰) هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِیْمٍ(۱۱) مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ(۱۲) عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِیْمٍ(۱۳) اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِیْنَ(۱۴) اِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِ اٰیٰتُنَا

قَالَ اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ (۱۵)

تو جھٹلانے والوں کی بات نہ سننا، وہ تو اس آرزو میں ہیں کہ کسی طرح تم نرمی کرو تو وہ بھی نرم پڑ جائیں اور ہر ایسے کی بات نہ سننا جو بڑا قسمیں کھانے والا ذلیل، بہت طعنے دینے والا، بہت ادھر ادھر کی لگاتا پھرنے والا، بھلائی سے بڑا روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار، درشت خو، اس پر طرہ یہ کہ اس کی اصل میں خطا، اس پر کچھ مال اور بیٹے رکھتا ہے، جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں، کہتا ہے اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ (القلم:۸ تا ۱۵)

پھر اللہ عزوجل نے اپنی اس سچی وعید کو بیان کرنے کے بعد اس پر ختم کیا کہ: سَنَسِمُهٗ عَلَى الۡخُرۡطُوۡمِ: قریب ہے کہ ہم اس کی سور کی سی تھوتھنی پر داغ دیں گے۔ (القلم:۱۶)

پس اللہ عزوجل کا حضور ﷺ کی مدد کرنا، آپ ﷺ کے خود اپنے آپ پر مدد کرنے کی نسبت سے بڑھ کر پوری مدد ہے اور اللہ عزوجل کا آپ ﷺ کے دشمنوں، بدگوؤں کا رد کرنا بنسبت آپ ﷺ کے رد کرنے کے بہت زیادہ سخت ہے اور یہ بات حضور ﷺ کی فضیلت میں بہت زیادہ ثابت ہے۔

چھٹی فصل

اللہ عزوجل کا حضور ﷺ کو مورد شفقت وکرم بنانا

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿طٰهٰ (۱) مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى (۲)﴾ (طٰهٰ:۲،۱)

اے محبوب! ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو۔

''طه'' کی تفسیر میں بعض نے کہا کہ میں حضور ﷺ کے ناموں سے ایک نام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اللہ عزوجل کا اسم ہے اور بعض نے اس کے معنی ''یارجل'' (اے مرد) اور ''یا انسان'' کہے ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ حروف مقطعات ہیں جو چند معنی میں ہیں۔

چنانچہ واسطی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ''یا طاهر یا هادی'' ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہ (وطء) اور (ها) سے کنایہ ہے یعنی زمین پر اپنے دونوں قدموں سے کھڑے ہو جائیے اور ایک قدم پر اعتماد کرکے اپنی جان کو مشقت میں نہ ڈالیے، (واللہ اعلم) کیونکہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ اے محبوب ہم نے یہ قرآن اس لیے نہ اتارا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑیں۔ یہ آیہ کریمہ اس وقت اتری جبکہ حضور ﷺ بیداری اور قیام لیل میں بڑی مشقت اٹھاتے تھے، جیسا کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے بالا سناد یہ حدیث مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب نماز پڑھتے تو ایک پاؤں پر کھڑے ہو کر دوسرا پاؤں اٹھا لیتے تھے۔

اس پر اللہ عزوجل نے ''طه'' نازل فرمائی۔

یعنی اے محبوب ﷺ آپ زمین پر پاوں رکھیے ہم نے یہ قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ آپ ﷺ مشقت میں پڑ جائیں، یہ بات پوشیدہ نہیں، یہ سب کچھ آپ ﷺ کے اعزاز واکرام اور خیر خواہی میں ہے۔

اگر ہم "طٰه" کو حضور ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام مانیں، جیساکہ منقول ہے یا اس کو قسم گردانیں تو یہ فعل ماقبل سے ملحق ہوگا۔

اسی طرح آپ ﷺ پر شفقت وعنایت میں سے اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا﴾

تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے پیچھے اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں غم سے۔

(الکہف:٦)

یعنی اے محبوب کیا آپ ﷺ اپنی جان کو غضب، غصہ یا گھبراہٹ سے ہلاکت میں ڈال دیں گے اور اسی طرح اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ (الشعراء۳)

کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے ان کے غم میں کہ وہ ایمان نہیں لائے۔

پھر ارشاد فرمایا:

﴿اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ﴾

اگر ہم چاہیں تو آسمان سے ان پر کوئی نشانی اتاریں کہ ان کے اونچے اونچے اس کے حضور جھکے رہ جائیں۔(الشعراء:۴)

یہ بھی اسی قبیل میں ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ(۹۴) اِنَّا كَفَيۡنٰكَ الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ(۹۵) الَّذِيۡنَ يَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ(۹۶) وَ لَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ(۹۷) فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَ كُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ(۹۸) وَ اعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ(۹۹)﴾

توعلانیہ کہہ دو جس بات کا تمھیں حکم ہے اور مشرکوں سے منھ پھیر لو بے شک ان ہنسنے والوں پر ہم تمھیں کفایت کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں تو اب جان جائیں گے اور انھیں معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے تم دل تنگ ہوتے ہو، تو اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور سجدہ والوں میں ہو اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔(الحجر:۹۴تا۹۹)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ﴾ (الانعام:۱۰)

اور ضرور اے محبوب تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا۔

مکی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اس ذکر سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی اور مشرکوں کی سختیوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قوت برداشت مرحمت فرمادی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر دار کر دیا کہ جو (بدنصیب) شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر زیادتی کرے گا اس پر ایسا ہی عذاب ہوگا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے رسولوں کے مکذبین (جھٹلانے والوں) پر ہوا ہے اور اسی تسلی و تشفی کی مثل اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿وَاِنۡ يُّكَذِّبُوۡكَ فَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ ؕ﴾ (فاطر:۴)

اور اگر یہ تمھیں جھٹلائیں تو بیشک تم سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے۔

اور اس باب میں یہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

﴿كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ﴾

یونہی جب ان سے اگلوں کے پاس کوئی رسول تشریف لایا تو یہی بولے کہ جادوگر ہے یا دیوانہ۔(الذاریات:۵۲)

اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گزشتہ امتوں کے احوال کی خبر دے کر عزت افزائی فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ماجرا ہوا اور نبیوں کو بھی اسی طرح آزمایا گیا تھا، اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کفار مکہ کی آزمائشوں پر اس طرح تسلی دی اور یہ کہ یہ آزمائشیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے ساتھ خاص نہیں ہیں، اس کے بعد اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش کر کے اس کا سبب بتادیا۔

چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: فَتَوَلَّ عَنْهُمْ یعنی آپ ان سے منھ پھیر لیجیے۔(الذاریات:۵۴)

فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ "اب آپ پر کچھ الزام نہیں۔"(الذاریات:۵۴)

یعنی ادائے رسالت اور اپنی تبلیغ میں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سپرد کر دی گئی ہے اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کوئی ملامت نہیں، اسی طرح یہ بھی اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾ (الطور:۴۸)

اور اے محبوب تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بیشک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ایذا پر صبر کریں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ہماری نگہداشت میں ہیں۔ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح بکثرت آیات میں تسلی دی ہے۔

ساتویں فصل

اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں انبیاعلیہم السلام پر حضور ﷺ کی قدرومنزلت اور فضائل کی خبر دی

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ﴾ (آل عمران ۸۱)

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمھارے پاس وہ رسول کہ تمھاری کتابوں کی تصدیق فرمائے اور تم ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟ سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا، فرمایا: تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمھارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

ابوالحسن قابلی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو ایسی فضیلت کے ساتھ خاص کیا جو آپ ﷺ کے سوا کسی کو مرحمت نہ فرمائی اور اس کو اس آیت میں ظاہر بھی فرمادیا۔ مفسرین رحمھم اللہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے وحی کے ذریعہ عہد لیا اور کوئی نبی ایسا نہ بھیجا کہ اس نے حضور ﷺ کی

تعریف وتوصیف نہ کی ہو، ان سے عہد لیا کہ اگر تم حضور ﷺ کا زمانہ پاؤ تو بالضرور حضور ﷺ پر ایمان لانا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس عہد کو اپنی قوم پر بیان کر کے ان سے بھی یہ عہد لیں کہ وہ اپنے بعد والوں کو اس کو بیان کرتے رہیں، اللہ عزوجل کا ارشاد ”ثم جاء کم“ سے حضور ﷺ کے ہم زمانہ اہل کتاب کو خطاب ہے۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آدم علیہ السلام سے لے کر ان کے بعد والے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر یہ کہ حضور ﷺ کے بارے میں ان سے یہ عہد لیا گیا کہ اگر آپ ﷺ اس حال میں تشریف لائیں کہ تم زندہ ہو تو آپ ﷺ پر ضرور ایمان لانا اور آپ ﷺ کی ضرور مدد کرنا اور فرمایا یہی عہد اپنی قوم سے بھی لینا۔ (تفسیر ابن جریر ج۳ ص۲۳۶)

اسی طرح سدی اور قتادہ رضی اللہ عنہما سے بھی آیتوں کی تفسیر میں مروی ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے حضور ﷺ کی فضیلت پر مشتمل ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج۳ ص۲۳۷-۲۳۶)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ﴾

اور اے محبوب! یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے (آخر آیت تک)۔ (الاحزاب:۷)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ كَمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ اِلٰى قَوْلِهٖ شَهِيْدًا﴾

بیشک اے محبوب ہم نے تمھاری طرف وحی بھیجی جیسے وحی نوح اور اس کے بعد کے

پیغمبروں کو بھیجی۔ (النساء:۱۶۳)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب حضور ﷺ نے وصال فرمایا تو آپ رضی اللہ عنہ نے روتے ہوئے اپنے کلام میں کہا تھا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! اے اللہ عزوجل کے رسول ﷺ، خدا کی بارگاہ میں آپ ﷺ کا مرتبہ یہاں تک ہے کہ آپ ﷺ کو آخر الانبیاء کر کے بھیجا اور پہلوں میں آپ ﷺ کا ذکر اس طرح فرمایا، وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ ، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! اے اللہ عزوجل کے رسول ﷺ! دوزخی تمنا کریں گے کہ کاش آپ ﷺ کی اطاعت کرتے اور جب جہنم کے طبقوں میں ان پر عذاب ہو رہا ہو گا تو کہیں گے:

﴿یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا﴾

ہائے کسی طرح ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔ (الاحزاب:۶۶)

قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

كُنْتُ أَوَّلَ الْأَنْبِيَاءِ فِي الْخَلْقِ وَاٰخِرَهُمْ فِي الْبَعْثِ: خلق میں تو میں اول الانبیاء ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۴۲، فضیلة المناحیه الحسنه لابی حاتم ص ۵۶۰)

اسی لیے تو آیت بالا میں اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام وغیرہ سے پہلے آپ ﷺ کا ذکر فرمایا۔

سمرقندی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں انبیا علیہم السلام کے ذکر سے پہلے ہمارے حضور ﷺ کا ذکر کرنا آپ ﷺ کی خصوصی فضیلت پر دال ہے حالانکہ حضور ﷺ بعثت کے لحاظ سے ان کے آخر میں ہیں، غرضیکہ اللہ عزوجل نے صُلب آدم علیہ السلام سے ذریات انبیا علیہم السلام

کو نکال کر ان سے یہ عہد لیا۔ اور فرماتا ہے:

﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ (البقرہ: ۲۵۳)

مفسرین کرام رحمھم اللہ ''رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ'' (کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو، کیونکہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرخ و سیاہ (عرب و عجم) کی طرف بھیجا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں معجزات کا ظہور ہوا اور نبیوں میں کوئی ایسا نہیں کہ اس کو جو فضیلت اور بزرگی دی گئی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بعینہ نہ ملی ہو۔ اور بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل میں یہ بھی ہے کہ دیگر انبیاء علیھم السلام کو تو ان کے ناموں سے خطاب فرمایا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن مجید میں منصب نبوت و رسالت سے مخاطب فرمایا اور ارشاد فرمایا: یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اور یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ

فقیہ ابواللیث سمرقندی کلبی علیہ الرحمہ سے اس آیت کریمہ ''وَ اِنَّ مِنْ شِیْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِیْمَ: اور بیشک اس کے گروہ سے ابراہیم ہے۔'' (الصّٰفّٰت: ۸۳) کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں کہ ھا ضمیر کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، یعنی بیشک حضرت ابراہیم علیہ السلام گروہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین و مذہب پر ہیں اور فراء علیہ الرحمہ نے بھی اس کو جائز رکھا اور مکی علیہ الرحمہ نے بھی اسی سے روایت کی، ایک روایت میں ہے کہ اس سے حضرت نوح علیہ السلام مراد ہیں۔

آٹھویں فصل

اللہ عزوجل کا حضور ﷺ پر درود بھیجنا، آپ ﷺ کی مدد کرنا اور آپ ﷺ کے سبب سے عذاب کو دفع کرنا

اللہ عزوجل اپنے محبوب ﷺ کو اس کی خبر دیتا ہے کہ ہم آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور آپ ﷺ کی مدد کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے سبب سے ان پر سے عذاب کو دور کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ؕ﴾ (الانفال:۳۳)

اور اللہ کا کام نہیں کہ انھیں عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔

یعنی جب تک آپ ﷺ مکہ میں تشریف فرما ہیں اور جب آپ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر تشریف لے آئے اور مکہ میں مسلمان کم رہ گئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

﴿وَ مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ (الانفال:۳۳)

اور اللہ انھیں عذاب کرنے والا نہیں جب تک وہ بخشش مانگ رہے ہیں۔

اور یہ اس کے اس فرمان کی طرح ہے: ﴿لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا﴾

اگر وہ جدا ہو جاتے تو ضرور ہم عذاب دیتے۔ (الفتح:۲۵)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ﴾ اور اگر یہ نہ ہوتا کچھ مسلمان مرد۔ (الفتح:۲۵)

اور جب مسلمان بھی ہجرت کر کے نکل گئے تو یہ آیت اتری:

﴿وَ مَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ﴾

انھیں کیا ہے کہ اللہ انھیں عذاب نہ کرے۔ (الانفال:۳۴)

یہ حضور ﷺ کی رفعت و مرتبت کے اظہار میں انتہائی بات ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی میں آپ ﷺ کے سبب اور آپ ﷺ کے تشریف لے آنے کے بعد مسلمانوں کے سبب اہل مکہ پر نزول عذاب نہیں ہے، جب سب کے سب مکہ سے ہجرت کر گئے تو اللہ عزوجل نے ان پر مسلمانوں کو مسلط کر کے اور ان پر غلبہ دے کر عذاب دیا اور تلواروں نے ان کا فیصلہ کیا، ان کی زمینوں، شہروں اور مالوں پر مسلمانوں کو وارث بنایا، اس آیت کی اور بہت سی تفسیریں ہیں۔

ابوبردہ رضی اللہ عنہ کے والد سے بالاسناد مروی کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت کے لیے اللہ عزوجل نے مجھ پر دو امانتیں اتاری ہیں، ایک یہ کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ (جب تک اے محبوب آپ تشریف فرما ہیں اللہ عذاب نہ کرے گا) اور دوسری یہ کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (جب تک بخشش مانگنے والے (مسلمان) موجود ہیں اللہ عذاب دینے والا نہیں) اور جب میں وصال فرما جاؤں گا تو تم میں استغفار چھوڑ جاؤں گا۔

(ترمذی ج۴ ص۳۳۴، تفسیر در منثور ج۴ ص۵۶-۵۷)

اسی طرح اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔ (الانبیاء:۱۰۷)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کے لیے امان ہوں، ایک روایت میں ہے کہ ”بدعت“ سے امان

ہوں، بعض نے اختلاف اور فتنوں سے (امان میں ہونا) مراد لیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جب تک حضور ﷺ ہم میں (حیات ظاہری سے) موجود رہے تو آپ ﷺ کا وجود باجود بڑا امان تھا، اب جب تک آپ ﷺ کی سنت زندہ و باقی رہے گی تو امان بھی باقی ہے اور جب سنت مردہ ہو جائے گی تو بلا اور فتنہ کا انتظار کرنا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۶۱)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾

بیشک اللہ اور اس کے فرشتے اس غیب بتانے والے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (الاحزاب:۵۶)

اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ پر خود درود بھیج کر، پھر فرشتوں کے ذریعہ درود بھیج کر اور مسلمانوں کو آپ ﷺ پر صلوۃ و سلام عرض کرنے کا حکم دے کر آپ ﷺ کی بڑی فضیلت ظاہر کی ہے۔

ابوبکر بن خورک علیہ الرحمہ نے روایت کی کہ بعض علما نے حضور ﷺ کے ارشاد:

وَجعلَتْ قرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ (نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک رکھی گئی) کی یہی تاویل کی ہے، یعنی اللہ عزوجل اور اس کے فرشتے آپ ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور مسلمانوں کو بھی قیامت تک درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔

آپ ﷺ پر صلوۃ کی نسبت جب فرشتہ یا ہماری طرف سے ہو تو اس کے معنی درود اور دعا کے ہیں اور جب اللہ عزوجل کی طرف سے ہو تو اس کے معنی رحمت کے ہیں اور ایک روایت میں "صلوۃ" کے معنی برکت کے بھی ہیں۔

بلاشبہ حضور نبی کریم ﷺ نے جب خود پر درود بھیجنے کی تعلیم دی تب صلوۃ و برکت کے معنی کا فرق بھی بتادیا تھا، عنقریب ہم آپ ﷺ پر درود بھیجنے کے احکام بیان کریں گے۔

بعض متکلّمین کھیعص کی تفسیر میں ذکر کرتے ہیں کہ کاف سے حضور ﷺ پر اللہ عزوجل کی جانب سے کفایت مراد ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ؕ﴾ کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔ (الزمر:۳۶)

اور ''ھا'' سے مراد اس کی ہدایت جو آپ ﷺ پر ہے۔ فرمایا:

﴿وَ یَہۡدِیَکَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِیۡمًا﴾ اور تمھیں سیدھی راہ دکھادے۔ (الفتح:۲)

اور ''یا'' سے مراد آپ ﷺ کی تائید ہے۔ فرمایا:

﴿اَیَّدَکَ بِنَصۡرِہٖ﴾ اپنی مدد سے آپ کی تائید کی۔ (انفال:۶۲)

اور عین سے مراد آپ کی عصمت ہے۔ فرمایا:

﴿وَ اللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾

اور اللہ تمھاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے (المائدہ:۶۷)

اور ''صاد'' سے مراد آپ ﷺ پر درود بھیجنا ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ﴾ (الاحزاب:۵۶)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ وَ اِنۡ تَظٰہَرَا عَلَیۡہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ہُوَ مَوۡلٰىہُ وَ جِبۡرِیۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۚ﴾

اور اگر ان پر زور باندھو تو بے شک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبرئیل اور نیک ایمان والے۔

(التحریم:۴)

"صالح المؤمنین" کی تفسیر میں بعض نے کہا کہ اس سے انبیا علیہم السلام یا ملائکہ مراد ہیں اور بعض نے کہا کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما یا حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں، اور یہ بھی ایک روایت ہے کہ مومنین اپنے ظاہر معنی پر ہے۔

نویں فصل

سورۂ فتح میں حضور ﷺ کی بزرگیاں

سورۂ فتح میں جس قدر کرامتیں اور بزرگیاں حضور ﷺ کی بیان کی گئی ہیں ان کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا (اِلٰی قَوۡلِهٖ تَعَالٰی) يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ﴾

بیشک ہم نے تمھارے لیے روشن فتح فرمادی (یہاں تک کہ) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (الفتح:۱،۱۰)

یہ آیتیں حضور ﷺ کی مدحت و ثنا اور اس مرتبہ و مقام کی آئینہ دار ہیں جو بارگاہ الٰہی میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور جو قرب و منزلت آپ ﷺ کو اللہ عزوجل کے نزدیک ہے اس کے انتہا وصف کے بیان سے (قلم و زبان) قاصر ہے۔

اللہ عزوجل نے اپنے اس فیصلہ کی جو آپ ﷺ کے لیے اس نے مقرر کیا ہے آپ ﷺ کو خبر دی کہ میں آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے دشمنوں پر غلبہ دوں گا اور آپ ﷺ کا بول بالا کر کے آپ ﷺ کی شریعت کو بلند کروں گا اور یہ کہ آپ ﷺ ایسے بخشے ہوئے ہیں کہ آپ ﷺ کے سبب آپ ﷺ کے اگلوں اور پچھلوں کو بخش دوں گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ارادہ فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کے کردنی و ناکردنی امور سب مغفور ہیں۔

مکی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے احسان کو سبب مغفرت بنایا ہے اور ہر وہ چیز جو اس خدا کی

طرف سے ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ احسان پر احسان اور فضل پر فضل ہے، اس کے بعد فرماتا ہے: وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ (یوسف:٦) اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا۔

بعض نے کہا کہ جو آپ ﷺ سے اکڑ کر (تکبر سے) پیش آئے گا، اس کو عاجز کر دوں گا اور بعض نے کہا کہ مکہ و طائف کو فتح کرا کے غلبہ دوں گا اور بعض نے کہا کہ آپ ﷺ کے ذکر کو دنیا میں بلند کروں گا اور آپ ﷺ کی مدد کروں گا اور آپ ﷺ کے سبب بخشوں گا۔

پھر آپ ﷺ کو خبر دار کیا کہ آپ ﷺ پر اپنی تمام نعمتیں اس طرح پوری کی ہیں کہ آپ ﷺ کے منکروں کو اور آپ ﷺ کے دشمنوں کو ذلیل و خوار کیا اور آپ ﷺ پر ان بڑے بڑے شہروں کو فتح کرایا جو آپ ﷺ کو محبوب تھے اور آپ ﷺ کے ذکر کو رفعت دی اور آپ ﷺ کو اس صراط مستقیم (سیدھے راستہ) کی ہدایت دی جو جنت و سعادت تک پہنچا ہے اور آپ ﷺ کی مدد غالب نصرت سے کی اور آپ ﷺ کی امت مسلمہ کے دلوں میں تسلی و طمانیت پیدا کر کے ان پر احسان کا اظہار فرمایا اور بڑی کامیابی کے بعد اللہ عزوجل کے نزدیک جو ان کا انجام ہے اس کی بشارت دی، ان کو معاف کر کے ان کے گناہوں کی پردہ پوشی کی، دنیا و آخرت میں ان کے دشمنوں کو ہلاک کیا اور ان دشمنوں کو اپنی رحمت سے دور کر کے ان پر لعنت مسلط کی اور ان کو بری حالت میں بدل دیا۔ پھر اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا﴾

بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر و ناظر اور خوشی اور ڈر سناتا۔ (الفتح:٨)

پھر آپ ﷺ کے محاسن و خصائص شمار کرائے، آپ ﷺ کی شہادت اپنے لیے اور اپنی امت کے لیے ان پر تبلیغ، رسالت کر کے بیان کی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ "شَاهِدًا" یعنی امت کے لیے توحید کا گواہ بنایا اور "مُبَشِّرًا" یعنی امت کے لیے

ثواب آخرت کی خوشخبری دینے والا کیا، ایک روایت میں امت کے مغفور ہونے کا، ”نَذِیۡرًا“ یعنی آپ ﷺ کے دشمنوں کو عذاب سے ڈرانے والا بھیجا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گمراہیوں سے بچانے والا بھیجا تا کہ اللہ عزوجل پر ایمان لائیں پھر اس ایمان پر وہ شخص سبقت کرے گا جس کو اللہ عزوجل کی طرف سے بہتری ملے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ”وَتُعَزِّرُوۡهُ“ آپ ﷺ کی تعظیم کرو، بعض کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی مدد کرو، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم میں مبالغہ کرو، ”وَتُوَقِّرُوۡهُ“ آپ ﷺ کی توقیر کرو بعض قراء نے ”وَتُعَزِّزُوۡهُ“ (بالزاء) عزت سے پڑھا ہے یعنی آپ ﷺ کا خوب احترام کرو اور حضور ﷺ کے حق میں تعظیم و توقیر بہت زیادہ کرنا بالکل ظاہر ہے، پھر فرمایا ”وَتُسَبِّحُوۡهُ“ اس کی پاکی بیان کرو۔ ”ھا“ کا مرجع اللہ عزوجل کی طرف ہے۔

ابن عطاء علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اس سورت میں حضور ﷺ کے لیے مختلف نعمتیں جمع کردی ہیں، منجملہ ان میں سے فتح مبین ہے کہ یہ قبولیت کی خبر دینا ہے اور مغفرت ہے، یہ محبت کا اظہار ہے اور نعمتوں کو پورا کرنا ہے، یہ خصوصیت کی علامت ہے اور ہدایت ہے کہ یہ آپ ﷺ کی بزرگی کی علامت ہے۔

مغفرت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو تمام عیب و نقص سے منزہ کر دیا اور اتمامِ نعمت یہ ہے کہ آپ ﷺ کو درجات کاملہ تک پہنچا دیا اور ہدایت یہ ہے کہ یہ ہدایت مشاہدہ کی طرف ہے۔

حضرت جعفر بن محمد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ”اتمام نعمت“ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو حبیب بنا کر آپ ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی اور آپ ﷺ کے ذریعہ دوسری شریعتوں کو منسوخ کیا اور آپ ﷺ کو مقام ارفع کی طرف عروج مرحمت فرمایا اور آپ ﷺ کی معراج میں

یہاں تک نگہداشت فرمائی کہ ”مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰی “(النجم:۱۷) سے آپ ﷺ کی تعریف فرمائی اور آپ ﷺ کو سرخ و سیاہ (عرب و عجم) کی طرف مبعوث کیا، آپ ﷺ کے لیے اور آپ ﷺ کی امت کے لیے غنیمتوں کو حلال فرمایا اور آپ ﷺ کو شفیع (سفارش کرنے والا) و مُشَفَّعْ (جن کی شفاعت قبول کی گئی وہ) بنایا، آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار کیا اور اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے ذکر کو اپنے ذکر کے ساتھ آپ ﷺ کی رضا کو اپنی رضا کے ساتھ ملا دیا اور آپ ﷺ کو توحید کا ایک رکن بنایا۔ پھر فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ ﴾ (الفتح:۱۰)

وہ جو تمھاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، یعنی بیعت رضوان کے وقت وہ خاص اللہ عزوجل ہی سے بیعت کر رہے تھے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

﴿یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ﴾ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ (الفتح:۱۰)

یعنی اس کے ارادہ سے بیعت تھی، ایک روایت میں ید اللہ سے مراد اللہ عزوجل کی طاقت ہے، بعض نے ”اس کا ثواب“ کہا اور بعض نے ”اس کا احسان“ اور بعض نے ”اس کا عہد“ کہا، یہ سب تاویلات مرادف المعنٰی (ایک جنس) اور ان کی بیعت کی تاکید اور بیعت لینے والے حضور ﷺ کی تعظیم ہے، اسی قبیل سے یہ فرماتا ہے:

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی﴾ (انفال:۱۷)

توتم نے انھیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انھیں قتل کیا اور اے محبوب ﷺ وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

اگرچہ اول باب مجاز سے ہے اور یہ حقیقت ہے کیونکہ قتل کرنے والا اور پھینکنے والا حقیقتاً اللہ عزوجل ہی ہے، وہی آپ ﷺ کے فعل قتل اور خاک پھینکنے اور اس کے اوپر قدرت کا خالق (پیدا کرنے والا) ہے اور اس کی مشیت ہی ہے کیونکہ یہ انسان کی قدرت میں ہے ہی نہیں کہ جہاں وہ پہنچانا چاہے پہنچا دے، یہاں تک کہ ایک کافر بھی ایسا نہ رہا کہ اس کی آنکھیں اس خاک سے نہ بھر گئی ہوں، اسی طرح فرشتوں کا ان کو قتل کرنا حقیقتاً ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آخری آیت میں جو مجاز ہے وہ لغت عرب کی بنا پر ہے جو لفظوں کے مقابلہ اور مناسبت کی بنا پر استعمال کیا گیا ہے، یعنی "**مَاقَتَلْتُمُوْهُمْ**" ان کو تم نے قتل نہیں کیا "**وَمَا رَمَيْتَهُمْ**" جب تم نے ان کے چہروں پر کنکریاں اور خاک پھینکی تھی، تو تم نے نہ پھینکی تھی لیکن اللہ عزوجل نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا یعنی پھینکنے کا فائدہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے، پس معنی وہی قاتل (مارنے والا) اور رامی ہے، آپ ﷺ برائے نام تھے۔

دسویں فصل

کتاب مجید میں حضور ﷺ کا ذکر مبارک

اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں حضور ﷺ کی وہ رفعت و منزلت جو اس کی بارگاہ میں ہے اور آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے، بیان فرمائی ہے، اس کے علاوہ یہاں ذکر کی جاتی ہے جو نظم کتاب میں گزر چکی ہے۔ منجملہ (ان سے) فضائل و خصائص میں واقعہ معراج ہے جس کو اللہ عزوجل نے سورۂ اسریٰ (و سورۂ نجم) میں بیان فرمایا۔

اس واقعہ معراج میں آپ ﷺ کی عظیم منزلت، قرب و مشاہدہ عجائبات اور اللہ عزوجل کا لوگوں کے شر سے آپ ﷺ کو محفوظ رکھنا ہے، چنانچہ فرماتا ہے:

﴿وَ اللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ اور اللہ تمھاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ (المائدہ:۶۷)

اور فرماتا ہے:

﴿وَ اِذۡ يَمۡكُرُ بِكَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا﴾

اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمھارے ساتھ مکر کرتے تھے۔ (الانفال:۳۰)

اور فرماتا ہے:

﴿اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ﴾

اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بیشک اللہ نے ان کی مدد فرمائی۔ (التوبہ:۴۰)

اور جو کچھ اس واقعہ میں کفار نے حضور ﷺ کو ایذا پہنچانے اور حضور ﷺ کو ہلاک کرنے کا قصد کیا

تھا اور خفیہ مجلسیں کیا کرتے تھے، اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی مدد کر کے ان کو دور کر دیا اور جب حضور ﷺ نے بوقت ہجرت کاشانۂ اقدس سے باہر تشریف لانے کا ارادہ فرمایا تو اللہ عزوجل نے ان کی آنکھوں کی بصارت سلب کر لی اور حضور ﷺ کی غار ثور میں ان کفار کی تلاش کو ناکام بنا دیا، اس سلسلہ میں اور بھی نشانیاں ظاہر ہوئیں منجملہ (ان میں سے) آپ ﷺ پر تسلی کا نازل ہونا اور سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ جس کو محدثین واہل سیر واقعہ غار میں بیان کرتے ہیں اور ہجرت کی تفصیل وغیرہ میں، نیز اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ (۱) فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ (۲) اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ (۳)﴾

اے محبوب! بے شک ہم نے تمھیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو، بیشک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔ (الکوثر: ۱ تا ۳)

اللہ عزوجل نے اس میں اس کی خبر دی جو کچھ کہ آپ ﷺ کو مرحمت فرمایا۔

"الکوثر" یعنی کوثر ایک حوض ہے یا وہ نہر ہے جو جنت میں جاری ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد خیر کثیر ہے یا شفاعت ہے، بعض نے کہا کہ کثیر معجزات، یا عطائے نبوت، یا معرفت الٰہی مراد ہے، اس کے بعد اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کے دشمنوں کو جواب دے کر ان کی تردید فرمائی اور کہا: اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی آپ ﷺ کا دشمن اور آپ ﷺ سے بغض وعداوت رکھنے والا "ابتر" یعنی حقیر وذلیل ہے یا منقطع النسل ہے یا وہ ایسا (بدبخت) ہے کہ اس کے لیے کوئی خیر ہے ہی نہیں اور فرماتا ہے:

﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ﴾

اور بیشک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔ (الحجر: ۸۷)

اس کی تفسیر میں مفسرین کہتے ہیں کہ ''سبع مثانی'' سے وہ پہلی سات لمبی سورتیں مراد ہیں اور ''قرآن عظیم'' ام القرآن ہے اور یہ بھی کہا کہ سبع مثانی ام القرآن (سورۂ فاتحہ) ہے اور قرآن عظیم سے اس کی تمام سورتیں مراد ہیں اور یہ بھی ایک روایت میں ہے کہ سبع مثانی وہ تمام چیزیں مراد ہیں جو قرآن میں امر، نہی، بشارت، انذار، مثالیں اور نعمتوں کے شمار کا ذکر ہے اور ہم نے آپ ﷺ کو قرآن کریم میں اصول عنایت فرمائے۔

بعض کہتے ہیں کہ ام القرآن (سورۂ فاتحہ) کو مثانی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے اور بعض نے یہ کہا بلکہ اللہ عزوجل نے اس کو حضور ﷺ کے لیے مستثنیٰ کرکے دوسرے نبیوں کے سوا آپ ﷺ کو مرحمت فرمایا ہے اور قرآن کا نام مثانی اس لیے رکھا کہ اس میں واقعات وقصص دوبارہ (مکرر) آتے ہیں۔

بعض اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ ''سبع مثانی'' یعنی ہم نے آپ ﷺ کو سات کرامتوں سے بزرگی عنایت فرمائی، یعنی ہدایت، نبوت، رحمت، شفاعت، ولایت، تعظیم، تسلی۔

اور اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ﴾

اور اے محبوب ہم نے تمھاری طرف یہ یادگار اتاری۔ (النحل:۴۴)

اور فرماتا ہے:

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا﴾

اور اے محبوب! ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے، خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔ (سبا:۲۸)

اور فرماتا ہے:

﴿قُلۡ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعًا﴾

تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔(الاعراف:۱۵۸)

قاضی عیاض علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات ہیں اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمۡ ؕ﴾(ابراہیم:۴)

اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا کہ وہ انھیں صاف صاف بتائے۔

پس ان انبیاے کرام علیہم السلام کو ان کے لیے خاص کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام مخلوق کی طرف بھیجا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ارشاد فرماتے ہیں:

بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ: یعنی مجھ کو سرخ وسیاہ (عرب وعجم) کی طرف بھیجا گیا۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ﴾

یہ نبی مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے۔(الاحزاب:۶)

اور فرماتا ہے:

﴿وَ اَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ ؕ﴾

اور ان کی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔(الاحزاب:۶)

مفسرین کرام رحمهم الله "اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ" کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جو کچھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو حکم دیں، وہ اسی طرح ان پر جاری ہے جس طرح سردار اپنے غلام کو دیتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کا اتباع اپنے نفس کی رائے سے بہتر ہے۔

وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ وہ سب بیبیاں حرمت میں مثل ماؤں کے ہیں حضور ﷺ کے بعد ان سے نکاح کرنا حرام ہے، یہ حضور ﷺ کی خاص تکریم ہے اور اس لیے بھی (ان سے نکاح حرام ہے) کہ وہ جنت میں بھی آپ ﷺ کی بیویاں ہوں گی اور ایک قرأت (شاذہ) میں "وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ" (یعنی حضور ﷺ مسلمانوں کے باپ ہیں) وارد ہے مگر یہ قرأت متروک ہے کیونکہ قرآن کے نسخوں کے خلاف ہے۔ (تفسیر در منثور ج۶ ص ۵۶)

اور اللہ عزوجل (حضور ﷺ کی مدحت) میں فرماتا ہے:

﴿وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكَ عَظِیْمًا﴾

اور اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (النساء: ۱۱۳)

"فضل الله" کی تفسیر میں کہا گیا کہ آپ ﷺ کی نبوت کے ساتھ فضل عظیم مراد ہے، بعض نے کہا جو کچھ ازل میں آپ ﷺ کے لیے فضیلت مقرر ہو چکی ہے۔

واسطی علیہ الرحمہ نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ آپ ﷺ اس رویت الٰہی کی برداشت رکھتے ہیں، جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام برداشت نہ کر سکتے تھے۔

دوسرا باب

حضور ﷺ خلق عظیم اور مجموعہ فضائل دینی و دنیوی میں کامل ہیں

اس باب میں بیان ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے محاسن کو خلقت اور عادت کے اعتبار سے مکمل کر کے آپ ﷺ میں تمام فضائل دینی و دنیوی ترتیب وار جمع فرمائے۔

اے وہ شخص جو حضور ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور حضور ﷺ کے فضائل جلیلہ کی تفصیل کا خواہاں ہے، خبردار ہو کہ انسان میں جمال و کمال کی عادتوں کی دو قسمیں ہیں۔

ایک ضرورت دنیوی ہے جو انسان کی فطرت اور دنیاوی حیات کے لیے ضروری ہے اور دوسری مکتسب (کسب) دینی ہے، وہ وہ ہے کہ اس کے کرنے سے اس کی تعریف ہو اور اللہ عزوجل کا قرب خاص میسر ہو۔ پھر اس کے بھی دو فن ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ کسی میں دو وصفوں میں سے ایک خالص (محض) ہو اور دوسرا یہ کہ دونوں وصف متمازج و متداخل (ملے جلے) ہوں لیکن ضروری محض یہ ہے کہ کسی مرد کو ان میں اختیار و کسب کی مجال نہ ہو، جیسے امور عادی و فطری یعنی پیدائشی کمالِ حسن، قوت عقل، صحت فہم، فصاحتِ زبان، قوت حواس اور اعضا، معتدل حرکات، شرافت نسب، عزت قومی، وطنی کرامت اور ہر وہ چیز جو زندگی سے ملحق اور اس کے ضروریات کی مقتضی ہیں، جیسے غذا، نیند، لباس، مکان، تزویج، مال و جاہ وغیرہ (کہ یہ سب ضروریات محضہ میں شامل ہیں) اور کبھی یہ آخری خصلتیں آخرت کے ساتھ بھی ملحق ہو جاتی ہیں جبکہ ان سے مقصود تقویٰ اور بدن کی ایسی مدد ہو جو آخرت کے (پیش نظر) طریقہ پر ہو اور وہ ضرورت، حدود و قواعد شریعت پر ہوں۔

لیکن اخروی اعمال یہ ہیں کہ تمام اخلاق عالیہ اور آداب شریعہ دینیہ، علم، بردباری، صبر، شکر، انصاف، زہد، تواضع ، عفو، عفت، سخاوت، شجاعت، حیا، مروت، خاموشی ،سکون ، وقار، مہربانی ، حسن آداب و معاشرت وغیرہ، یہی وہ خصائل ہیں جن کے مجموعہ کو حسن خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ان میں سے بعض خصلتیں تو کسی کی فطری عادت و جبلت ہوتی ہیں اور بعضوں میں نہیں ہوتیں ، ان کو حاصل کیا جاتا ہے، لیکن یہ بات لازمی ہے کہ اصل پیدائشی شعبہ سے متعلق ہو، جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ عزوجل ہم بیان کریں گے اور یہی اخلاق و خصائل جب ان سے اللہ عزوجل کی رضا اور آخرت کی فلاح مقصود و مراد نہ ہو تو دنیاوی بن جاتے ہیں لیکن بایں ہمہ عقل سلیم کے نزدیک بالاتفاق یہ سب کے سب محاسن و خوبیاں ہی ہیں، اگرچہ حسن و فضیلت کے موجبات و اسباب کے بیان میں اختلاف کرتے ہوں۔

پہلی فصل

حضور ﷺ تمام اوصاف کے جامع تھے

قاضی ابوالفضل (عیاض علیہ الرحمہ) فرماتے ہیں کہ جب خصائل کے کمال و جلال اس طرح پر ہیں جیسا کہ ہم نے (اوپر) بیان کیا ہے اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اگر اتفاق سے زمانہ میں کوئی شخص ایک یا دو وصف کا حامل مل گیا تو اس کو مشرف و معزز مانا جاتا ہے، یہ شرافت یا تو نسب کی وجہ سے یا جمال سے یا قوت یا علم یا بردباری یا شجاعت یا سخاوت سے ہوگی مگر اس کی قدر اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ اس کے نام کو تمثیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور اس وصف کی وجہ سے دلوں میں اس کے اثر و عظمت کا سکہ جم جاتا ہے اور یہ بات گزشتہ دیرینہ زمانہ سے چلی آتی ہے۔

پھر اس ذات اقدس ﷺ کے بارے میں تمہارا کیا اندازہ ہو سکتا ہے جس میں یہ تمام کے تمام محاسن و خصائل علی وجہ الکمال اس طرح پر جمع ہوں کہ جس کی کوئی انتہا نہ ہو اور نہ وہ احاطہ بیان میں لائی جا سکتی ہوں اور نہ کسب و حیلہ کی گنجائش، صرف اللہ عزوجل ہی کسی کو یہ خاص طور پر مرحمت فرما دے، فضیلت نبوت، رسالت، خلت (محبوبیت)، محبت، برگزیدگی، اسریٰ (سیر ملکوت)، رویت و قرب و نزدیکی رب تبارک و تعالیٰ، وحی، شفاعت، وسیلہ، بزرگی، بلند درجہ، مقام محمود، براق، معراج، عرب و عجم (سرخ و سیاہ) کی طرف بعثت، انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز پڑھنا، امم سابقہ اور انبیائے کرام علیہم السلام پر گواہی دینا، اولاد آدم علیہ السلام کی سرداری، لواء الحمد، خوشخبری دینا، ڈر سنانا، اللہ عزوجل صاحب عرش کی بارگاہ میں تمکن و طاعت، امانت، ہدایت، رحمۃ للعالمین، مقام رضا کا پانا، سوال کا قبول ہونا،

کوثر، سماع قبول، اتمام نعمت، عفو گزشتہ و آئندہ، وضع وِزر (بوجھ کا اٹھانا)، ذکر کی بلندی، مدد سے سرفراز کرنا، نزول سکینہ، ملائکہ سے تائید، کتاب و حکمت، سبع مثانی اور قرآن عظیم کو دینا، تزکیۂ امت، اللہ عزوجل کی طرف بلانا، اللہ عزوجل اور فرشتوں کی جانب سے درود بھیجنا، لوگوں کو اس کا حکم دینا جس کا اللہ عزوجل نے مشاہدہ کرایا، ان سے تکلیف اور سخت و شدید عبادت کو دور کرنا، آپ ﷺ کے نام کی قسم کھانا، آپ ﷺ کی دعاؤں کا قبول فرمانا، پتھروں اور گونگوں کا کلام کرنا، مردوں کا زندہ کرنا، گونگوں کو سنانا، آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا، کم کو زیادہ کرنا، چاند کو ٹکڑے کرنا، سورج کو واپس لوٹانا، اشیا کو منقلب کرنا و بدلنا، رعب و ہیبت سے مدد دیا جانا، غیب پر اطلاع دینا، بادلوں کا سایہ کرنا، کنکریوں کا کلمہ پڑھنا، تکلیفوں سے نجات دینا، لوگوں کے شر سے بچانا، یہاں تک کہ کوئی عقل ان کو نہیں گھیر سکتی اور آپ ﷺ کو ایسا علم عطا فرمانا کہ اس کو سوائے اس علم کے عطا کرنے والے اور اس سے فضیلت دینے والے (خدا) کے کوئی احاطہ نہیں کر سکتا، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی ہے جس نے آپ ﷺ کے لیے آخرت میں بڑے بڑے مرتبے اور مقدس درجے، سعادت حسنی کے مرتبے میں وہ زیادتی مرحمت فرمائی کہ عقلیں ان کے نیچے ہی ٹھہر جاتی ہیں اور ان کے ادراک سے وہم و خیال تک متحیر ہو جاتے ہیں۔

دوسری فصل

آپ ﷺ کا حلیہ مبارک

اللہ عزوجل تم کو عزت دے، اگر تم یہ کہو کہ اس بیان سے مجملاً اتنا تو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ لوگوں میں سب سے بلند، عزت اور مرتبہ میں سب سے بڑے اور خوبیوں میں سب سے زیادہ کامل ہیں اور کمال خصائل کی تفصیل میں مذہب حسن کی طرف گئے ہو، تو مجھے اس بات نے شوق دلایا کہ میں نبی کریم ﷺ کے اوصاف وفضائل کی تفصیلات پر بھی مطلع ہو جاؤں۔

تو جان لو! اللہ عزوجل میرے اور تمھارے دلوں کو نور ایماں سے منور کرے اور نبی کریم ﷺ کی محبت مجھ میں اور تم میں اور دوگنی ہو، جب تم نے ان خوبیوں اور کامل خصلتوں کو اچھی طرح سمجھ لیا، جو کسی انسان کے کسب واختیار سے باہر ہیں اور وہ پیدائشی ہیں تو تم نے حضور ﷺ کو ضرور ایسا پایا ہوگا کہ وہ تمام ناقلین اخبار واحادیث کا اس بارے میں اتفاق ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ بعض توان میں قطعی اور یقینی درجہ تک پہنچ چکے ہیں، اب قدرے تفصیل سراپا ملاحظہ ہو۔

آپ ﷺ کی صورت اور اس کا جمال، اور آپ ﷺ کا اعضاوقومی کے متناسب ہونے میں تو بہت سی احادیث صحیحہ ومشہورہ منقول ومروی ہیں منجملہ (ان میں سے) ان کے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنھم یعنی حضرت علی، حضرت انس بن مالک، حضرت ابوہریرہ، حضرت براء بن عازب، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن ابی ہالہ، حضرت ابن ابی جحیفہ، حضرت جابر ابن سمرہ، حضرت ام معبد، حضرت ابن عباس، حضرت معرض بن معیقیب، حضرت ابی طفیل، حضرت عداء بن خالد،

حضرت خریم ابن فاتک، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنھم سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

حضور ﷺ کا گورا رنگ، سیاہ وکشادہ آنکھیں سرخ ڈورے والی، لمبی پلکیں، روشن چہرہ، باریک ابرو، اونچی بینی (ناک)، چوڑے دانت، گول چہرہ، فراغ پیشانی، گھنی ریش مبارک جو سینہ کو ڈھانک لے، شکم وسینہ ہموار، چوڑا سینہ، بڑے کاندھے بھری ہوئی ہڈی، موٹے بازو، کلائیاں وپنڈلیاں ہتھیلیاں فراخ، قدم چوڑے، ہاتھ پاؤں لمبے، بدن مبارک جب برہنہ ہو (جب کرتا وغیرہ اوپر سے اٹھا ہوتا) تو خوب چمکتا، سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر، میانہ قد نہ زیادہ طویل نہ زیادہ قصیر، باوجود اس کے جو سب سے زیادہ لمبا شخص ہوتا اگر آپ ﷺ کے برابر کھڑا ہوتا تو اس سے بلند معلوم ہوتے (یہ آپ ﷺ کا معجزہ تھا) آپ ﷺ کے بال نہ بالکل سیدھے نہ بلدار، جب آپ ﷺ ہنستے تو دندان مبارک مثل بجلی کے چمکتے، بارش کے اولے کی طرح سفید وشفاف، جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ نور کی جھڑیاں آپ ﷺ کے دندان مبارک سے جھڑ رہی ہیں، گردن نہایت خوبصورت، نہ آپ ﷺ کا چہرہ بہت بھرا ہوا تھا نہ بہت لاغر، بلکہ بدن کے مناسب ہلکا گوشت تھا۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج۱ص۲۹۸)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی بالوں والے کو، کہ اس کے بال کندھوں تک لٹکتے ہوں، سرخ لباس میں حضور ﷺ سے زیادہ خوبصورت نہ دیکھا۔

(سنن دارمی ج۱ص۳۵، دلائل النبوہ للبیہقی ج۱ص۳۱۵، شمائل ترمذی ص۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہ دیکھا، گویا آپ ﷺ کے رخسار مبارک میں سورج تیر رہا ہے۔ جب آپ ﷺ مسکراتے تھے تو دیواروں پر اس کی چمک پڑتی تھی۔ (شمائل ترمذی ص۱۱۰، مسند امام احمد ج۲ص۳۵۰، ابن حبان ج۸ص۷۴)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ آپ ﷺ کا چہرہ تلوار کی طرح چمکتا تھا، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں بلکہ چاند و سورج کی طرح چمکتا تھا اور آپ ﷺ کا چہرہ گول تھا۔

(صحیح مسلم ج۴ص ۱۸۲۳)

حضرت ام معبد رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی تعریف کی رفعت میں کہا کہ آپ ﷺ دور سے بہت خوبصورت اور قریب سے نہایت شیریں اور حسین معلوم ہوتے تھے۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج۱ص ۲۷۹)

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی مثل چمکتا تھا۔ (شمائل ترمذی ص۲۱)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی تعریف میں یہ آخری الفاظ بیان فرمائے کہ جو شخص اچانک آپ ﷺ کو دیکھتا وہ خوفزدہ ہو جاتا اور جو آپ ﷺ سے ملاقات کرتا وہ حضور ﷺ سے محبت کرتا تھا۔ (شمائل ترمذی ص۲۱)

ہر وہ شخص جو حضور ﷺ کی تعریف میں رطب اللسان ہے، کہتا ہے کہ میں نے اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے مماثل ہو۔

غرضیکہ حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کتب احادیث میں شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہیں، ہم ان سب کو لکھنے سے عاجز ہیں بلکہ ہم آپ ﷺ کی تعریف میں چند نکتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں، مجملاً وہ حدیث مقصد میں کفایت کر سکتی ہے جو ذکر کی ہے اور ان فصلوں کو ایک حدیث جامع پر ختم کر دیا جس پر تم انشاء اللہ عزوجل واقف ہو جاؤ گے۔

تیسری فصل

آپ ﷺ کی نظافت و پاکیزگی

حضور ﷺ کے جسم مبارک کی نظافت اور بدن اقدس اور اس کے پسینہ کی خوشبو اور اس کا میل کچیل اور عیوبات جسمانیہ سے پاک وصاف ہونا یہ ہے کہ اس بارے میں بھی اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو وہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ آپ ﷺ کے سوا کسی میں پائی ہی نہیں جاتی۔

مزید برآں یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو شرعی نفاست و پاکیزگی اور دس فطری خصلتوں سے بھی مزین کیا، چنانچہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَةِ: دین کی بنیاد پاکیزگی پر ہے۔ (سنن ترمذی ج ۴ ص ۱۹۸)

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے جسم مبارک کی خوشبو سے بڑھ کر کسی عنبر، کستوری اور کسی چیز کی خوشبو کو نہ پایا۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۱۵)

حدیث: حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان کے رخسار کو چھوا تو وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے دست اقدس میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو پائی کہ گویا ابھی آپ ﷺ نے عطار کے ڈبہ سے اپنے ہاتھ کو باہر نکالا ہے۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۱۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی مروی ہے کہ خواہ آپ ﷺ نے خوشبو لگائی ہوتی یا نہیں لیکن آپ ﷺ جس سے بھی مصافحہ فرماتے تو وہ شخص سارے دن اس کی خوشبو سے معطر رہتا۔

اگر آپ ﷺ کسی بچہ کے سر پر (شفقت سے) اپنے دست اقدس کو پھیرتے تو وہ بچہ خوشبو سے پہچانا جاتا (کہ اس پر حضور ﷺ نے دست شفقت پھیرا ہے)۔ (صحیح مسلم ج۴ ص ۱۸۱۴)

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر قیام فرمایا، آپ ﷺ کو پسینہ آ گیا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ایک شیشی لائیں اور حضور ﷺ کے پسینہ مبارک کو جمع کرنے لگیں، حضور ﷺ نے دریافت فرمایا تو عرض کیا: میں اس کو اپنی خوشبوؤں میں رکھوں گی کہ یہ سب سے عمدہ اور طیب خوشبو ہے۔ (مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۸۲، سنن دارمی ج۱ ص ۳۲)

امام بخاری نے اپنی "تاریخ کبیر" میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ جس کوچہ و بازار سے گزر فرماتے پھر کوئی شخص اس طرف سے گزرتا تو وہ خوشبو سے پہچان جاتا کہ آپ ﷺ ادھر سے گزرے ہیں۔

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے ذکر کیا کہ آپ ﷺ کی خوشبو، بلا خوشبو لگائے ہوتی تھی (یعنی آپ ﷺ کے جسم کی ذاتی خوشبو ہوتی تھی)۔

حدیث: مزنی اور حربی رحمہما اللہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور ﷺ نے اپنی سواری کے پیچھے مجھ کو بٹھا لیا، اس وقت میں نے آپ ﷺ کی مہر نبوت کو اپنے منہ میں لے لیا تو کستوری کی خوشبو مجھے معلوم ہوئی۔ (مختصر تاریخ ابن عساکر ج۵ ص ۳۶۱)

حضور ﷺ کے شمائل و اخبار میں بعض محدثین نے بیان کیا کہ جب حضور ﷺ رفع حاجت کا ارادہ فرماتے تو زمین شق ہو کر آپ ﷺ کا بول و براز نگل جاتی، صرف وہاں خوشبو ہی خوشبو معلوم ہوتی۔ محمد بن سعد کاتب واقدی رحمہ اللہ نے اس بارے میں ایک حدیث ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ

حضور ﷺ بیت الخلا جاتے ہیں لیکن وہاں پر ہم رفع حاجت کا کوئی نشان نہیں پاتے، حضور ﷺ نے فرمایا: "اے عائشہ! تم کو معلوم نہیں کہ زمین ان فضلات کو نگل جاتی ہے جو انبیاے کرام علیہم السلام سے نکلتے ہیں، ہم میں سے کوئی ایسی چیز ہرگز نہ دیکھوگی۔" (حاکم ج ۴ ص ۷۲)

گو یہ حدیث مشہور نہیں لیکن اہل علم کا ایک طبقہ یہ ضرور مانتا ہے کہ حضور ﷺ علم کا بول و براز پاک تھا اور یہی بعض شوافع کا قول ہے، جس کو امام ابونصر بن صباغ علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "شامل" میں نقل فرمایا اور دونوں قولوں کو علما سے نقل کر کے ابوبکر بن سابق المالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "البدیع في فروع المالکیه" اور اس سے قبل میں ان کی تخریج کو بھی بیان کیا جن مسائل میں مذہب مالکی پر شوافع کی تفریعات نہیں ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ کے وجود اقدس میں کوئی ایسی چیز ہے ہی نہیں جو مکروہ و ناپسندیدہ ہو۔

حدیث: حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو غسل دیا، پس میں دیکھنے لگا کہ کوئی ایسی چیز تو نہیں نکلی جو میت میں سے نکلتی ہے، میں نے وہاں کچھ نہ پایا، تب میں نے کہا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم) آپ ﷺ کی زندگی بھی طیب و طاہر اور آپ ﷺ کی ممات (بعد وصال) بھی پاک وصاف، فرماتے ہیں کہ بدن اقدس سے ایسی خوشبو نکلی کہ میں نے اس سے قبل کبھی نہ پائی تھی۔ (سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۷، حاکم ج ۳ ص ۳۶۲)

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا تھا، جب آپ نے حضور ﷺ کے وصال کے بعد پیشانی کا بوسہ دیا تھا۔ (مراسیل ابوداود ص ۱۷۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵۷)

اسی سلسلہ میں یہ ہے کہ مالک ابن سنان رضی اللہ عنہ نے غزوہ احد میں (آپ ﷺ کے زخم سے) خون پی لیا تھا اور اس کو چوسا تھا اور اس کو حضور ﷺ نے ان کے لیے جائز قرار رکھتے ہوئے

فرمایا: اس کو آگ ہرگز نہ پہنچے گی۔ (طبرانی اوسط بحوالہ مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۸۰)

اسی طرح عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے پچھنے (خون نکالنا، سینگی) کا خون پی لیا تھا، اس وقت حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: ''وَيْلٌ لَّكَ مِنَ النَّاسِ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّنْكَ'' افسوس ہے لوگوں پر تم سے اور افسوس ہے تم پر لوگوں سے اور اس پر انکار نہ فرمایا۔

(حاکم ج۳ ص ۳۵۵، بزار ج۳ ص ۱۴۵)

اسی طرح ایک عورت کے بارے میں مروی ہے کہ اس نے حضور ﷺ کا بول مبارک (پیشاب) پی لیا تھا، اس پر آپ ﷺ نے اس عورت سے فرمایا: ''لَنْ تَشْتَكِيَ وَجْعَ بَطَنِكَ اَبَدًا'' یعنی کبھی تجھ کو پیٹ کی بیاری نہ ہوگی اور ان میں سے کسی کو بھی حضور ﷺ نے منھ دھونے کا حکم نہ فرمایا نہ دوبارہ ایسا کرنے سے منع فرمایا اور وہ حدیث جس میں عورت نے حضور ﷺ کا بول مبارک پی لیا تھا صحیح ہے۔

دار قطنی رحمہ اللہ نے مسلم و بخاری رحمہما اللہ کی طرح صحت میں التزام کیا ہے اور اس عورت کا نام ''برکتہ'' ہے اس کے حسب و نسب میں اختلاف ہے۔

ایک روایت میں وہ عورت ام ایمن رضی اللہ عنہا ہیں جو حضور ﷺ کی خدمت کرتی تھی، وہ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ کا ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو چار پائی کے نیچے رکھا تھا اور حضور ﷺ رات کو اس میں بول کیا کرتے تھے، پس ایک رات حضور ﷺ نے اس میں بول کیا، پھر (صبح کو) پیالہ دیکھا تو اس میں کچھ نہ پایا، حضور ﷺ نے برکتہ سے اس بارے میں دریافت فرمایا، تو برکتہ نے عرض کیا: میں رات کو اٹھی تو پیاس لگ رہی تھی میں نے اس کو لاعلمی میں پی لیا، اس حدیث کو ابن جریج نے اور ان کے سوا دوسروں نے بھی روایت کیا۔ (ابوداؤد کتاب الطہارت ج۱ ص ۲۸، نسائی ج۱ ص ۳۱، ابن حبان ج۲ ص ۳۴۸)

حضور اکرم ﷺ اس حال میں پیدا ہوئے کہ آپ ﷺ مختون (ختنہ شدہ) اور ناف بریدہ تھے۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۱۵۳، مجمع الزوائد بحوالہ طبرانی صغیر واوسط ج ۸ ص ۲۳۸)

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا والدہ ماجدہ حضور ﷺ سے مروی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو ایسا پاک وصاف جنا کہ (عموما پیدائش کے وقت جو آلائش نکلتی ہے) کسی قسم کی ناپاکی نہ تھی۔ (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی حضور ﷺ کا ستر نہ دیکھا۔ (شمائل ترمذی ص ۱۸۳، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۲۷)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو حضور ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرے سوا اور کوئی غسل نہ دے کیونکہ جو بھی میرے ستر پر نظر ڈالے گا وہ اندھا ہو جائے گا۔ (بزار ج ۱ ص ۴۰۰، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۷ ص ۲۴۴)

عکرمہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ ہے کہ حضور ﷺ سو گئے یہاں تک کہ نیند کی آواز معلوم ہونے لگی، پس حضور ﷺ بیدار ہوئے اور آپ ﷺ نے نماز شروع کر دی اور وضو نہیں کیا اس پر حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ محفوظ تھے (یعنی حضور ﷺ کی نیند غفلت کی نہ تھی جو ناقص وضو ہوتی)۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۹-۱۱۷، صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۷۵)

چوتھی فصل

آپ ﷺ کا فہم و ذکا، عقل و خرد

حضور ﷺ کی عقل کامل اور اس کی ذکاوت اور آپ ﷺ کے حواس مبارکہ کی قوت اور زبان کی فصاحت اور افعال و حرکات میں میانہ روی و مناسبت اور حسن و جمال میں ملاحت یہ ہے کہ یقیناً آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ عقلمند، ان میں سب سے زیادہ ذکی تھے۔

جو شخص حضور ﷺ کی تدابیر پر غور کرے گا خواہ وہ تدابیر آپ ﷺ کے باطنی یا ظاہری اخلاق کریمہ سے متعلق ہوں یا عام و خاص سیاست سے وابستہ ہوں وہ سب کے سب آپ ﷺ کے حالات عجیبہ اور خصائل حمیدہ کے علاوہ آپ ﷺ کے ان علم و فضل پر جو اللہ عزوجل کی جانب سے آپ ﷺ پر علم کا اضافہ ہوا ہے جس کو شریعت مطہرہ نے ثابت کیا ہے اور جن کو نہ کبھی آپ ﷺ نے کسی سے سیکھا اور نہ کبھی پہلے سے اس کی مشق کی اور نہ ایسی کتابوں کا مطالعہ کیا، آپ ﷺ کے مرتبہ و فضیلت پر دلالت کرنے والی پائے گا اور آپ ﷺ کے کمال عقل و بصیرت کا بالضرور قائل ہو کر رہے گا۔ اور یہ بات بالکل بدیہی ہی ہے اس کے لیے کسی ثبوت و دلیل یا بیان و تقریر کی قطعاً حاجت نہیں، وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اکہتر پچھلی کتابوں میں پڑھا ہے ان سب میں یہی پایا کہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل میں اعلیٰ اور رائے میں افضل ہوں گے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ میں نے ان سب میں یہی پایا کہ اللہ عزوجل نے جب سے دنیا پیدا کی ہے اس وقت سے دنیا کے خاتمہ تک جس قدر عقل تمام لوگوں کو ملی ہے وہ حضور ﷺ کی عقل کے مقابلہ

میں ایسی ہے جیسے تمام دنیا کے ریت کے ذرات کے مقابلہ میں ریت کا ایک ذرہ ہوتا ہے۔

مجاہد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو اپنے پیچھے مقتدیوں کی حالت بھی اس طرح ملاحظہ فرماتے جس طرح کوئی سامنے ہو اور یہی تفسیر تَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ (النمل:۲۱۹) کے فرمان میں انوں نے کی ہے۔

(صحیح بخاری ج۲ص ۳۵۰، صحیح مسلم کتاب الصلوۃ ج۱ص ۳۲۰، دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ص ۷۴)

موطا امام مالک میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ بیشک میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔ (موطا امام مالک رحمہ اللہ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۴۵)

اسی طرح صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ یہ وہ زیادتی ہے جس کو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی (صحت نبوت کی) حجت کے لیے زیادہ فرمایا۔

بعض روایات میں یہ ہے کہ "اِنِّيْ لَاَنْظُرُ مِنْ وَّرَائِيْ كَمَا اَنْظُرُ مِنْ بَيْنَ يَدَيَّ" (بلاشبہ یقیناً میں اپنے پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کوئی میرے سامنے ہو۔)

(مصنف عبدالرزاق، حاکم ج۱ص ۲۳۶، مجمع الزوائد ج۲ص ۸۹)

دوسری روایت میں یہ ہے کہ "اِنِّيْ لَاُبْصِرُ مَنْ قَفَایَ كَمَا اُبْصِرُ مَنْ بَيْنَ يَدَيَّ" میں اپنی گردن کے پیچھے سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کوئی میرے سامنے ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ ج۱ص ۳۱۹)

بقی بن مخلد رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ اندھیرے میں اس طرح دیکھتے جس طرح روشنی میں۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج۶ص ۷۵، الکامل لابن عدی ج۴ص ۱۵۳۴)

اور بہت سی روایتوں میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرشتوں کو اور شیاطین کو دیکھا ہے اور نجاشی (بادشاہ حبش) کا جنازہ آپ ﷺ کے پیش نظر کیا گیا یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ (مسند ابی یعلی ج ۷ ص ۲۵۸، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۶)

اور بیت المقدس اس وقت پیش نظر کیا گیا جب قریش نے آپ ﷺ سے اس کی توصیف بیان کرنے کی خواہش کی (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۱ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۵۷)

اور جب آپ ﷺ نے اپنی مسجد شریف کی تعمیر فرمائی تو کعبہ سامنے لایا گیا۔

(اخبار مدینہ ابن بکار رحمہ اللہ کما فی مناہل الصفاء ص ۴۶)

اور حضور ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ ثریا میں گیارہ ستارے دیکھ لیا کرتے تھے۔

یہ تمام روایتیں چشم مبارک سے ملاحظہ فرمانے پر محمول ہیں، یہی قول حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور دوسروں کا ہے لیکن بعض نے ان کو علم کی طرف پھیرا ہے حالانکہ ظاہر عبارات اس کے مخالف ہیں اور اس میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے خصوصی فضائل ہیں۔

جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے، وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: "جب اللہ عزوجل نے حضرت موسی علیہ السلام پر تجلی فرمائی تو آپ علیہ السلام چیونٹی کو اندھیری رات میں سات فرسخ سے صاف دیکھ لیتے تھے۔"

(معجم صغیر طبرانی ص ۶۲)

یہ کچھ دشوار نہیں ہے کہ یہ ہمارے نبی حضور ﷺ کو معراج کے بعد ان باتوں اور فائدوں کے ساتھ خاص کر دیا ہو جو اس باب میں ہم نے ذکر کی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے رب کی نشانیوں کو دیکھا۔

یہ تو حدیثوں میں مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے رکانہ جو اپنے وقت کا مانا ہوا قوی پہلوان تھا کو زیر کیا اور

آپ ﷺ نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور یہ کہ رکانہ کے باپ (ابو رکانہ) کو آپ ﷺ نے زمانہ جاہلیت میں زیر کیا حالانکہ وہ بہت قوی اور بہادر تھا لیکن تین مرتبہ آپ ﷺ نے اس کو پچھاڑا۔

(سنن ابوداؤد ج۴ ص۳۲۱، سنن ترمذی ج۳ ص۱۵۸،۱۵۷)

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے زیادہ چلنے میں تیز کسی کو نہ دیکھا، آپ ﷺ پر گویا آپ ﷺ کے نیچے زمین لپیٹی جاتی تھی، ہم چلنے میں دشواری محسوس کرتے تھے مگر حضور ﷺ اپنی سبک و نرم رفتار میں چلتے جاتے تھے۔

(شمائل ترمذی ص۱۱۰، دلائل النبوہ للبیہقی ج۱ ص۲۰۹)

اور یہ بھی حضور ﷺ کی خاص صفت ہے کہ آپ ﷺ کی ہنسی (صرف) تبسم ہوتی تھی اور جب آپ ﷺ کسی کی طرف نظر التفات (توجہ) فرماتے تو پوری طرح توجہ فرماتے اور جب آپ ﷺ چلتے تو اچھی رفتار چلتے، گویا کہ اوپر سے نیچے ڈھلوان پر چل رہے ہیں۔

پانچویں فصل

آپ ﷺ کی فصاحت و بلاغت

آپ ﷺ کی زبان کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کا یہ حال تھا کہ حضور ﷺ اس صفت میں سب سے افضل مقام پر ہیں اور ایسا ہر موقع پر ہوتا کہ کوئی غافل آپ ﷺ کی طبعی سلاست پر محمول کیے بغیر نہ رہتا، آپ ﷺ کا کلام نکتہ رس الخیف اور مختصر مگر جامع (بلاغت) سے بھرپور، زوائد سے معری اور معانی میں صحیح ہوتا، بلا تکلف جوامع الکلم آپ ﷺ کو مرحمت ہوئے جو حکمت کے عجائبات سے پر ہوتے اور آپ ﷺ کو محاورات عرب پر پورا عبور حاصل تھا، عرب کے ہر قبیلہ سے اس کی زبان اس کے محاورات، ان کی بولی میں ان پر (معارضہ) فرماتے یہاں تک کہ بسا اوقات صحابہ کرام ﷺ کو بھی دشواری ہوتی اور آپ ﷺ سے اس کی شرح دریافت کرتے۔

جو شخص بھی آپ ﷺ کے ارشادات (احادیث کریمہ) پر غور و فکر کرے گا وہ اس کو جان لے گا اور اس کو متحقق ہو جائے گا کہ آپ ﷺ جس طرح قریش و انصار سے کلام فرماتے تھے ویسا اہل حجاز و نجد سے نہ فرماتے تھے۔

جیسا کہ آپ ﷺ نے ذی الشعار ہمدانی، طھفتہ النہدی، قطن بن حارثہ علیمی، (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۳۵) اشعث بن قیس، وائل بن حجر کندی وغیرہ جو حضر موت کے سردار اور یمن کے بادشاہ تھے کلام فرمایا۔

آپ ﷺ کے اس خط پر غور کرو جو ہمدان کی طرف لکھ کر بھیجا تھا، اس میں آپ ﷺ نے لکھا کہ

تمھارے لیے چوٹیاں، پست زمین اور سخت زمین ہے، اس کی لاوارث زمین میں تم اپنے جانور چراؤ، ہمارے لیے ان کے جانوروں اور کھجوروں میں اتنا ہے جو وہ معاہدہ اور امانت سے دیں اور ان کے لیے زکوۃ میں وہ معاف ہے جو بوڑھے اونٹ اور اونٹ کے بچے اور بوڑھی گائے جو کہ چرنے کے لیے نہ جائیں اور سرخ رنگ کے مینڈھے ہیں اور ان سے اس کی زکوۃ لی جائے گی جو گائے اور اونٹ چھ سالہ ہو اور وہ گھوڑے جو پانچ سالہ ہوں۔ (غریب الحدیث ج ۱ ص ۲۸۰)

اسی طرح آپ ﷺ کے اس فرمان پر غور کریں جو ہند سے فرمایا، اے اللہ عزوجل ان کے خالص دودھ اور لسی اور مکھن میں برکت دے، ان کے بادشاہ کو بہت سا مال دے اور ان کے تھوڑے پانی کو بہت سا کر دے، اے اللہ عزوجل! ان کے مال و اولاد میں برکت دے وہ مسلمان ہے جو نماز کو قائم کرے اور وہ نیکوکار ہے جو زکوۃ ادا کرے اور وہ مخلص ہے جو گواہی دے کہ خدا کے سوا کوئی پوجنے کے لائق نہیں۔

اے اولاد ہند! حالت شرک کی امانتیں اور بادشاہوں کے وظیفے (تمھارے ہیں) زکوۃ کو نہ روکو، زندگی میں حق سے تجاوز نہ کرو اور نمازوں میں سستی نہ کرو، حضور ﷺ نے نصاب زکوۃ میں لکھا کہ تمھارے لیے بوڑھے اونٹ اور گائے اور وہ جانور جو ابھی بچے ہیں اور وہ گھوڑا سواری کا لگام والا ان کو تمھاری چراگاہ سے نہ روکا جائے گا، بڑے درخت نہ کاٹے جائیں گے، دودھ والے جانور کو نہ روکا جائے گا اور جب تک تم دل میں نفاق نہ پیدا کرو اور بدعہدی کا اظہار نہ کرو گے، اس وقت تک بقیہ کھاؤ جو اقرار کرے اس پر عہد کی وفا اور ذمہ لازم ہے اور جو انکار کرے اس پر زیادتی (یعنی جزیہ) ہے۔

(حاکم ج ۴ ص ۳۲۷)

اور آپ ﷺ کے اس خط پر بھی غور کرو جو وائل بن حجر، سرداران یمن اور ان کے خوبصورت

نوجوانوں کو لکھا، اس میں تھا کہ چالیس بکریوں میں سے ایک ایسی بکری جو دبلی ہو نہ موٹی بلکہ درمیانی دیا کرو، اگر دفینہ برآمد ہو تو اس میں پانچواں حصہ دو، جو کنوارا شخص زنا کرے اس پر سو(۱۰۰) درے لگاؤ اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو (شہر بدر کا حکم مذہب حنفی میں منسوخ ہے: مترجم) اور جو شادی شدہ زنا کرے اسے رجم کر دو (پتھروں سے مار ڈالو) دین میں سستی نہ کرو اور خدا کے فرائض میں لا پرواہی نہ برتو، ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔(غریب الحدیث ج اص ۱۴۷، جامع صغیر ص ۱۳۱)

وائل بن حجر این سرداران یمن کے امیر تھے، غور کرو یہ خطوط اس خط سے کہاں ملتے ہیں جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کو لکھ کر دیا تھا اور وہ فرائض میں مشہور ہے، چونکہ ان لوگوں کی بول چال ہی ایسی تھی اور ان کی بلاغت ہی یہ تھی اور ان کے محاورات ہی یہ تھے، اس لیے حضور ﷺ نے ان کے لیے ان ہی کا طرز خطاب روا کیا تاکہ لوگوں پر وہ باتیں ظاہر کریں جو آپ ﷺ پر اللہ عزوجل نے نازل فرمائی ہیں اور یہ کہ لوگوں کو آپ ﷺ اسی طرح تعلیم دیں جس طرح ان کی بول چال ہے۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۴۸)

جیسا کہ عطیہ سعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ”فَاِنَّ الْیَدَ الْعُلْیَاهِيَ الْمَنْطِیَةُ وَالْیَدُ السُّفْلٰی هِيَ الْمُنْطَاةُ“۔ اوپر کا ہاتھ دینے والا اور نیچے کا ہاتھ لینے والا ہے، عطیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہماری لغت میں کلام فرمایا۔

(مستدرک ج ۴ ص ۳۲۷، سنن بیہقی کتاب الزکوۃ ج ۴ ص ۱۹۸)

اسی طرح حدیث عامری رضی اللہ عنہ میں ہے جب انھوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے سے سوال کر یعنی جو چاہے سوال کر، یہ بنی عامر کی بول چال ہے۔(دلائل النبوہ لابی نعیم کمافی مناہل الصفا للسیوطی، ص ۴۸) لیکن حضور ﷺ کے عام ارشادات وہ فصاحت کے

شاہکار جوامع الکلم اور حکمتوں سے بھرپور ہیں اور وہ زبان استعمال فرمائی ہے جس میں شاعروں کے بالعموم دیوان میں اور وہ عام کتب میں جاری وساری ہیں، ان میں سے حضور ﷺ سے بعض ارشادات تو ایسے ہیں کہ ان کا فصاحت وبلاغت میں کوئی موازنہ ہی نہیں کر سکتا، جیسے:

اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافَؤُ دِمَاءُ وْهُمْ وَيَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ يَدٌ عَلَى عَنْ سِوَاهُمْ

تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں ان میں سے ادنی شخص کے ذمہ لینے سے سب پر وفا ہوجاتی ہے وہ سب ایک ہاتھ ہیں ان پر جو ان کا مخالف ہے، یعنی وہ سب متحد ومتفق ہیں اور یہ اتفاق ان کی زبردست طاقت ہے۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۸۹۵، سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۸۳۰، سنن نسائی ج ۸ ص ۲۴)

اور حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ''اَلنَّاسُ كَأَسْنَانِ الْمُشْطِ''

(مکارم الاخلاق لابن لال عن سھل بن سعد رضی اللہ عنہ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۴۹)

وَالْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ

(بخاری شریف ج ۸ ص ۳۳، مسلم شریف ج ۴ ص ۲۰۳۴، ترمذی شریف ج ۴ صف ۲۲)

وَلَا خَيْرَ فِي صُحْبَةِ مَنْ لَا يَرٰى لَكَ مَاتَرٰى لَهٗ

(الکامل لابن عدی ج ۳ ص ۱۰۹۷)

وَالنَّاسُ مَعَادِنٌ

(صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۴۳-۱۴۲، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۳۱)

وَمَاهَلَكَ اِمْرُؤٌ عَرَفَ قَدْرَهٗ (تاریخ ابن سمعانی کما فی مناہل الصفاء ص ۴۹)

وَالْمُسْتَشَارُ مُؤْتَمَنٌ وَهُوَ بِالْخِيَارِ مَالَمْ يَتَكَلَّمْ

(ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۳۳۳، ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۲۲۳، دارمی ج ۲ ص ۲۱۹)

وَرَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا

(مسند الفردوس للدیلمی ج ۲ ص ۲۵۹، الاحیاء ج ۳ ص ۷، والفیض القدیر ج ۴ صفحہ ۲۴)

قَالَ خَيْرًا فَغَنِمَ أَوْ سَكَتَ فَسَلِمَ۔

یعنی لوگ کنگھی کے دانوں کی طرح ہیں اور آدمی اس کے زمرہ میں ہے۔ جس سے وہ محبت رکھتا ہے، اس شخص کی صحبت میں بھلائی نہیں جو تیرے لیے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، اور لوگ کانیں (معدن) ہیں اور وہ آدمی ہلاک نہیں ہوتا جو اپنی قدر پہچانتا ہے جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے، وہ امانت دار ہوتا ہے۔ وہ جب تک کلام نہ کرے مختار ہے۔ اللہ عزوجل اس پر رحم کرے، جو اچھی بات کہے تو وہ غنیمت ہے یا خاموش رہا تو سلامتی ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں: اَسْلِمْ وَتَسْلَمْ اسلام لا سلامتی میں رہے گا۔ وَاَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ۔ اور اسلام لا کہ اللہ عزوجل تجھ کو دوگنا ثواب رحمت عطا فرمائے گا۔

(بخاری شریف ج ۲ ص ۳۰ مسلم شریف ج ۳، ۱ ص ۱۳۹۶)

وَإِنَّ أَحَبَّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبَكُمْ مِنِّي مَجَالِسَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا۔ اور بیشک تم میں وہ شخص مجھے زیادہ محبوب ہے اور قیامت کے دن وہ میرے زیادہ قریب ہوگا جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

(سنن ترمذی شریف ج ۳ ص ۳۴۹)

اَلْمُوَطَّئُوْنَ اَكْنَافًا اَلَّذِيْنَ يَأْلَفُوْنَ وَيُؤْلَفُوْنَ۔ متواضع اور خاکسار وہ لوگ ہیں جو لوگوں سے محبت کرتے ہیں اور لوگ ان سے محبت کرتے ہیں۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ لَعَلَّهٗ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِمَالَا يَعْنِيْهِ۔ شاید کہ وہ لایعنی اور لغو باتیں کرتا رہا اور بے فائدہ کنجوسی کرتا رہا ہو۔ (سنن ترمذی ج ۳ ص ۳۸۲)

اور حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: ذُوَالْوَجْهَيْنِ (دورُخی) باتیں کرنے والا اللہ عزوجل کے نزدیک اچھا نہیں ہے۔(سنن ابوداؤد شریف ج۵ ص ۱۹۰، ۱۹۱)

اور حضور ﷺ نے قِيلَ وَقَالَ (کج بحثی) اور کثرت سوال، اضاعت مال اور (جائز و ناجائز) جمع مال اور والدین کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے سے منع فرمایا ہے۔
(صحیح بخاری شریف ج۸ صفحہ ۸۴، مسلم شریف ج۳ ص ۱۳۴۱-۱۳۴۰)

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں: جہاں کہیں ہو، اللہ عزوجل سے ڈرتا رہ، برائی کے بدلے نیکی کر کیونکہ نیکی برائی کو مٹا دیتی ہے، لوگوں سے خوش اخلاقی سے پیش آ (سنن ترمذی ج۳ ص ۲۳۹، حاکم ج۱ ص ۵۴) بہترین کام میانہ روی ہے۔(تاریخ ابن سمعانی ص ۵۱) اپنے دوست کو کم راز دار بنا ممکن ہے کہ وہ کسی وقت تیرا دشمن ہو جائے۔(الادب المفرد ص ۴۳۴ بستن ترمذی ج۲ ص ۲۳۳) اور ارشاد ہے سب سے بری اندھیری قیامت کی تاریکی ہے۔(بخاری شریف ج۳ ص ۱۱۳، مسلم شریف ج۴ ص ۱۹۹۲، ترمذی ج۴ ص ۲۶۲)

حضور ﷺ نے بعض دعائیں اس طرح کی ہیں۔ اے اللہ عزوجل میں تجھ سے اس رحمت کا سوال کرتا ہوں جو تیرے نزدیک میرے دل کی ہدایت کرنے والی ہو اور میرے کام مجھ پر آسان کر دے، میری پراگندگی کو دور کر دے، میرے دل کی اصلاح فرما دے اور میرے ظاہر کو اس سے بلند کر دے اور میرے عمل سنوار دے، میری درستگی کو بتلا دے اور اس سے میری محبت وابستہ کر دے اور مجھ کو ہر برائی سے محفوظ رکھ۔

اے اللہ عزوجل! قضا وقت صحت و درستگی، شہیدوں کا مرتبہ، نیکوں کی زندگی اور دشمنوں پر فتح یابی کی دعا مانگتا ہوں۔(سنن ترمذی کتاب الدعوات ج۵ ص ۱۴۷)

محدثین کی ایک جماعت نے محدثین کے کثیر افراد سے حضور ﷺ کے مراتب و مقامات، آپ

ﷺ کی مجالس، آپ ﷺ کے خطبے، آپ ﷺ کی دعائیں، آپ ﷺ کے جوابات، آپ ﷺ کے عہد و پیمان اس کثرت سے بیان کیے ہیں کہ ان میں کسی کو اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ کے ارشادات اس مرتبہ کے فصیح و بلیغ ہیں کہ کسی کے کلام کو ان پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا اور وہ اس قدر لائق ہیں کہ کوئی اس کے ہم مثل لانے پر قادر ہی نہیں۔

بلا شبہ محدثین نے جو کلمات جمع کیے ان پر کوئی قدرت رکھتا ہی نہیں کہ ان کو دل میں سمو کر اپنے الفاظ میں ہم معنی و مطلب ڈھال کر بیان کر سکے، جیسے حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ حَمِيَ الْوَطِيْسُ (مسلم شریف ج ۳ ص ۱۳۹۹، دلائل النبوت ج ۵ ص ۱۴۷) (تنور گرم ہوا) یعنی لڑائی بھڑکی، مَاتَ حَتْفَ أَنْفِهٖ (الشعب للبیہقی رحمہ اللہ کمافی مناہل الصفاص ۵۲) وہ اپنی موت مرا یعنی بغیر مار پیٹ اور قتل وغیرہ کے مرا اور فرمایا: وَلَا يُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ جُحْرٍ وَّاحِدٍ مَرَّتَيْنِ۔ (بخاری شریف ج ۸ ص ۲۷) مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔ وَالسَّعِيد مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهٖ۔ (الدیلمی من عقبہ بن عامر رحمہ اللہ کمافی مناہل الصفاص ۵۲) نیک بخت وہ ہے جو دوسرے سے نصیحت حاصل کرے۔

اس قسم کے اور دوسرے ارشادات میں جن کے دیکھنے والے کو اس کے مضامین محو حیرت بنا دیتے ہیں اور وہ الفاظ کے مختصر ہونے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔

بلا شبہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ہم نے کسی کو آپ ﷺ سے بڑھ کر فصیح نہیں دیکھا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے کون روک سکتا ہے، حالانکہ قرآن کریم صاف عربی میں میری زبان پر نازل ہوا۔ (البیہقی فی الشعب من طریق عباد من العوام کمافی مناہل الصفا للسیوطی ص ۵۲) ایک اور مرتبہ فرمایا: میں عرب میں سب سے زیادہ فصیح ہوں مگر یہ کہ میں قریشی ہوں اور بنی سعد میں پرورش ہوئی۔ (النھایہ ج ۱ ص ۱۷۱)

اسی سبب سے حضور ﷺ کے لیے بدری فصاحت، شیریں کلامی، دیرینہ خالص عربی بولی اور اس کی مضبوطی جمع کردی گئی، پھر آپ ﷺ کے کلام میں جلا (رونق) تائید الٰہی عزوجل سے بھی ہوئی جو اس وحی کی مدد کے ذریعہ جس کے علم تک انسان کے علم کی رسائی اور اس کا احاطہ ممکن نہیں۔

ام معبد رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے کلام میں فصاحت و بلاغت کی تعریف میں کہا کہ آپ ﷺ شیریں کلام تھے نہ زیادہ بولتے (کہ سننے والے کو گراں گزرے) اور نہ کم بولتے (کہ سننے والے مفہوم ہی نہ سمجھے) آپ ﷺ کا کلام ایک موتیوں کی لڑی ہوتا کہ موتی پرو دیے گئے ہیں، آپ ﷺ بلند آواز اور خوش گلو تھے۔

چھٹی فصل

آپ ﷺ کی نسبی شرافت، آپ ﷺ کے شہر کی بزرگی اور آپ کی نشوونما

ان کے ثبوت کے لیے کسی دلیل کی حاجت نہیں اور نہ ان کا بیان مشکل ہے، یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ آپ ﷺ قبیلہ بنی ہاشم کے منتخب اور خالص نسل قریش میں سے ہیں، سارے عرب میں آپ ﷺ اشرف اور والدین کے لحاظ سے آپ ﷺ سب میں معزز ہیں اور آپ ﷺ اس شہر مکہ کے رہنے والے ہیں جو اللہ عزوجل اور اس کے بندوں کے نزدیک تمام شہروں میں سب سے زیادہ مکرم ہے۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا بالاسناد مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک میں اولاد آدم علیہ السلام کے پے در پے بہتر زمانوں میں بھیجا گیا ہوں یہاں تک کہ میں اس قرن میں ہوا جس میں کہ ہوں۔ (بخاری شریف کتاب المناقب ج۴ ص۱۵۱، مسند امام احمد ج۲ ص۴۱۸، ج۲ ص۳۸۳)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''بیشک اللہ عزوجل نے مخلوق کو پیدا فرما کر مجھے ان کے بہتر زمانوں میں سب سے بہتر زمانے میں پیدا فرمایا، پھر قبیلوں کو پسند کیا تو مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا، پھر گھروں کو پسند کیا تو مجھے سب سے بہتر گھر میں بنایا، اس لیے میں ان کے بہترین افراد اور بہترین گھروں میں سے ہوں''۔ (سنن ترمذی ج۵ ص۲۴۴، دلائل النبوہ ج۱ ص۱۷۴)

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ عزوجل نے اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ کیا، پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی

اولاد میں سے قبیلہ بنی کنانہ کو منتخب کیا، پھر قبیلہ بنی کنانہ میں سے قریش کو فضیلت دی، پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو اشرف کیا اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو پسند کیا"، ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا۔

(سنن ترمذی ج ۵ ص ۲۴۳، مسلم ج ۵ ص ۱۷۸۲)

طبرانی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: "اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق میں سے بنی آدم کو پسند کیا، پھر بنی آدم میں سے اہل عرب کو، پھر عرب میں سے قریش کو، پھر قریش میں سے بنی ہاشم کو، پھر بنی ہاشم میں مجھ کو پسند فرمایا، اس لیے میں بہتروں میں سب سے بہتر، ہمیشہ رہا ہوں، پس جو اہل عرب سے محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت کی بنا پر محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے بغض رکھتا ہے"۔

(طبرانی ج ۱۳ ص ۴۰۰، حاکم ج ۲ ص ۸۷-۸۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۲۷، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کی روح اقدس حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے دو ہزار سال قبل اللہ عزوجل کی بارگاہ میں نور تھی، وہ نور اقدس اللہ عزوجل کی تسبیح میں مشغول تھا اور فرشتے آپ ﷺ کی تسبیح کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔ پھر اللہ عزوجل نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو وہ نور اقدس آپ علیہ السلام کی طلب میں رکھا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: "مجھ کو اللہ عزوجل نے زمین کی طرف صلب آدم علیہ السلام میں اتارا، پھر مجھ کو صلب حضرت نوح علیہ السلام میں منتقل کیا پھر صلب ابراہیم علیہ اسلام میں مجھ کو ڈالا، اسی طرح ہمیشہ اللہ عزوجل مجھ کو معزز و کرم پشتوں (اصلاب) اور طیب و پاکیزہ رحموں میں منتقل فرماتا رہا، حتی کہ مجھ کو ان والدین سے پیدا فرمایا جو کبھی زنا کے قریب تک نہ گئے تھے۔

(ابن عمر العدنی فی مسندہ کما فی مناہل الصفا للسیوطی ص ۵۳)

اس حدیث کی صحت پر حضرت ابن عباس ان کا وہ شعر گواہ ہے جو حضور ﷺ کی مدح وثنا میں مشہور ہے۔

ساتویں فصل

ضروریات زندگی کی اقسام سے پہلی قسم

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زندگی کی ضروریات جس چیز کی خواستگار ہوتی ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں۔ اول: کمی کی فضیلت، دوم: کثرت کی فضیلت، سوم: مختلف حالتیں۔

لیکن کمی کی مدح وکمال شرعاً اور عادتاً ہر طرح بالاتفاق محمود ہے جیسے غذا اور نیند (کہ کم غذا کھانا اور کم سونا تعریف کے لائق ہے) اہل عرب اور تمام حکما اس میں کمی کی ہمیشہ تعریف کرتے رہے ہیں اور ان میں زیادتی وکثرت کی برائی بیان کرتے رہے ہیں کیونکہ زیادہ کھانا پینا، نیند اور حرص وشہوت پر دلالت کرتا ہے اور شہوت کا غلبہ دنیا وآخرت میں نقصان دہ ہے اور جسم کی بیماریاں، سانس کی تنگی اور امتلاء دماغ کا موجب ہوتا ہے۔ اور کم کھانا پینا، قناعت، نفس پر بھروسہ، قاطع شہوت، موجب صحت، صفائے قلب اور ذہن کی تیزی پر دلالت کرتا ہے۔

جس طرح نیند کی زیادتی سستی، کمزوری، کند ذہنی، ضعف اعصاب، کسل مندی، عاجزی کی عادت، بے فائدہ عمر کی اضاعت، قساوت قلب اور اس کی غفلت وموت پر شاہد ہے اور یہ بالکل بدیہی بات ہے اور ہمارے مشاہدے میں ہے اور گزشتہ امتوں اور حکیموں اور شعرائے عرب کے کلاموں میں اور اخبار واحادیث صحیحہ آثار سلف وخلف میں بتواتر منقول ہے جس پر کسی دلیل کی حاجت نہیں، ہم نے اس کو

یہاں اختصاراً اور (اس کی) شہرت کی بنا پر اسی پر اکتفا کیا۔

حضور اکرم ﷺ نے ان دونوں (غذا و نیند کی) قسموں میں بہت ہی کم حصہ لیا ہے، یہ آپ ﷺ کی وہ عادت کریمہ ہے جس پر کسی کو مجال انکار نہیں اور یہ وہی عادت ہے جس کا حکم حضور ﷺ نے دیا ہے اور اس کی ترغیب دلائی ہے، خصوصاً ان دونوں میں باہمی ربط ہے۔

حدیث: مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بالا سناد مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "اولاد آدم علیہ السلام نے پیٹ سے بڑھ کر برا کوئی برتن نہیں پر کیا حالانکہ اولاد آدم علیہ السلام کے لیے چند لقمے کافی تھے جو اس کی زندگی باقی رکھ سکتے تھے اور اگر وہ کھانے پر اتنا ہی مجبور ہے تو (بھوک کے تین حصے کرے) ایک ثلث غذا، ایک ثلث پانی اور ایک ثلث سانس کے لیے رکھے اور نیند کی زیادتی دراصل کھانے پینے کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے"۔

(سنن ترمذی ج ۲ ص ۱۷، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۱۱، حاکم ج ۴ ص ۳۳۱)

سفیان ثوری کہتے ہیں کہ تھوڑا کھانا رات کی بیداری کا مالک بنا دیتا ہے، سلف کے بعض علما فرماتے ہیں کہ زیادہ نہ کھاؤ اور نہ زیادہ پانی پیو اور نہ زیادہ سوؤ ورنہ تم زیادہ نقصان اور خسارہ اٹھاؤ گے۔

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ سب سے زیادہ محبوب کھانا آپ ﷺ کے نزدیک وہ ہے جو مل کر کھایا جائے یعنی اس کھانے پر زیادہ ہاتھ پڑیں۔

(صحیح بخاری باب الطلاق ج ۷ ص ۱۴۱ صحیح مسلم باب العتق ج ۲ ص ۱۱۴۴)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے کبھی کھانا شکم سیر ہو کر نہ ملاحظہ فرمایا، اگر آپ ﷺ کا شانہ اقدس میں جلوہ فرما ہوتے تو کبھی ان سے کھانا طلب نہ فرماتے اور نہ خواہش ہی ظاہر فرماتے، اگر وہ لوگ کھانا پیش کر دیتے تو ملاحظہ کر لیتے اور جو کچھ بھی وہ کھانا

لاتے قبول فرما لیتے اور جو وہ پلاتے پی لیتے۔

اس پر حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۶۲) سے معارضہ نہیں کیا جا سکتا کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: "کیا بات ہے میں ہنڈیا میں گوشت نہیں دیکھتا"، دراصل آپ ﷺ کے اس سوال کا مقصد ان کے اس گمان کو دور کرنا تھا کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ (صدقے کا) گوشت بطور ہدیہ بھی حضور ﷺ کے لیے حلال نہیں ہے، یہ سنت کی تعلیم کے لیے سوال تھا، جب ان کو دیکھا کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے پیش نہیں کرتے باوجودیکہ حضور ﷺ خوب جانتے تھے کہ وہ لوگ اپنے آپ کو حضور ﷺ پر کسی طرح ترجیح نہیں دیتے تھے تو ان کے گمان کی تصدیق فرماتے ہوئے ان کو مسئلہ کی ناواقفیت پر آگاہ فرمایا اور یہ فرمادیا کہ ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) کے لیے تو یہ صدقہ ہے لیکن ان کی طرف سے ہمارے لیے یہ ہدیہ ہے۔

حضرت لقمان رضی اللہ عنہ کی حکمت میں ہے کہ اے میرے بیٹے جب تو معدہ کو بھرے گا تو تیری فکر سو جائے گی اور تیری حکمت گونگی ہو جائے گی اور تیرے خدا کی بندگی سے بیٹھ جائیں گے۔

سحنون رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس شخص کو علم فائدہ نہیں پہنچاتا جو اتنا کھائے کہ پیٹ بھر جائے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "خبردار! میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا"۔

(صحیح بخاری ج ۷ ص ۶۲ سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۱۴۰، سنن ابن ماجہ ج ا ص ۸۹)

ٹیک لگانا یہ ہے کہ کھاتے وقت سہارا لے اور بیٹھنے میں مکمل ٹیک لگانا یہ ہے کہ چوکڑی مار کر بیٹھے اور اسی کے مشابہ وہ نشست ہے جو بیٹھنے والا کسی پر تکیہ لگائے، ان صورتوں میں کھانے والا بہت کھاتا ہے۔

حضور ﷺ کھانا اس طرح تناول فرماتے کہ آپ ﷺ پاؤں کے بل بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے

رکھتے (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶۱۶) اور فرماتے ہیں کہ میں بندہ ہوں، اس طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح غلام بیٹھتا ہے۔ (مسند الفردوس ج ۱ ص ۳۴۱، طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۸۱، مصنف عبدالرزاق ج ۱۰، ص ۱۱۵، تاریخ ابن عدی ج ۵ ص ۱۹۷۱)

اور محققین کے نزدیک ٹیک لگانے کے یہ معنی نہیں کہ کسی پہلو پر جھک جائے۔

اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت کم سوتے تھے، اس پر بکثرت آثار صحیحہ شاہد ہیں، پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اِنَّ عَیْنَیَّ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ"۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۵۲ صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۰۹) بیشک میری دونوں آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیند داہنے پہلو پر ہوتی تھی، اس سے کم سونے پر مدد لیتے تھے۔ (شمائل ترمذی ص ۲۱۹ عمل الیوم واللیل ص ۴۶۰)

کیونکہ بائیں طرف دل ہے اور وہ باطنی اعضا ہیں، بائیں طرف لیٹنے سے نیند میں خوشگوار اس کا دل معلق اور بے چین رہتا ہے تو جی وہ بیدار ہو جاتا ہے اور گہری نینداس کو مستغرق نہیں کرتی۔

آٹھویں فصل

ضروریات زندگی کی دوسری قسم

ضروریات زندگی کی دوسری قسم جس کی زیادتی و کثرت پر بالاتفاق تعریف کی جاتی ہے اور اس کی کثرت پر فخر کیا جاتا ہے جیسے نکاح اور بلند مرتبہ لیکن نکاح میں تو شرعًا بالاتفاق محمود ہے کہ یہ کمال و صحت مردانگی کی دلیل ہے، اس کی کثرت پر عادتًا ہمیشہ فخر کیا جاتا ہے اس پر مدح کرنا پرانی خصلت ہے لیکن شریعت مطہرہ میں تو یہ سنت ماثورہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: اس بات میں وہ شخص افضل ہے جس کی زیادہ بیویاں ہیں۔ (صحیح بخاری ج ۷ ص ۴) اس سے ان کا اشارہ حضور ﷺ کی طرف ہے۔ اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: "نکاح کیا کرو اور نسل بڑھاؤ کیونکہ میں تم سے اور امتوں پر فخر کروں گا"۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۵۳) آپ نے تَبَتُّل یعنی نکاح کرکے معلق چھوڑ دینے کو منع فرمایا۔ (صحیح بخاری ج ۷ ص ۵ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۲۰) باوجودیکہ اس میں قطع شہوات اور غض بصر (آنکھوں کا پست کرنا) ہے، حالانکہ ان دونوں پر حضور ﷺ نے اپنے اس فرمان میں تنبیہ فرمائی ہے۔ کہ جب استطاعت ہو تو چاہیے کہ وہ نکاح کرے کیونکہ نکاح آنکھوں کو پست کر دیتا ہے اور نظر و نگاہ کی حفاظت کرتا ہے۔ (صحیح بخاری ج ۷ ص ۴ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۱۸، طبرانی کبیر ج ۱۰ ص ۱۴۹) حتی کہ علمائے کرام نے نکاح کرنے کو زہد کے خلاف نہیں دیکھا۔

سہل بن عبداللہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضور سید المرسلین ﷺ کو بیویاں محبوب تھیں تو پھر اس میں زہد کیا ہو سکتا ہے (یعنی یہ زہد کے خلاف نہیں)۔

اس طرح ابن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا کہ بلاشبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو زاہد ہیں وہ بیویاں اور لونڈیاں رکھتے تھے یعنی وہ کثیر الازواج تھے، چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کثیر الازواج معروف ہیں۔

اکثر علما نے اس کو مکروہ جانا ہے کہ انسان خدا کے دربار میں اس حال میں پہنچے کہ وہ ناکتخدا (غیر شادی شدہ) ہو اگر یہ سوال کیا جائے کہ نکاح اور کثرت ازواج کیونکر فضیلت کا موجب بن سکتی ہے حالانکہ حضرت یحیی بن زکریا رحمہ اللہ کی اللہ عزوجل نے ان کے غیر شادی شدہ (حصورا) ہونے کے باوجود تعریف کی ہے پس وہ کیونکر ثنائے باری عزوجل کے مستحق ہوسکتے تھے جبکہ وہ اس فضیلت سے عاجز تھے اور یہی حال حضرت عیسی علیہ السلام کا ہے کہ وہ عورتوں سے الگ رہے اگر یہ امر ایسا ہی ہوتا جیسا کہ بیان کرتے ہو تو ضرور وہ نکاح کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے جو حضرت یحیی علیہ السلام کے حصور (غیر شادی شدہ) کی تعریف کی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نامرد تھے یا ان کا سِرّ مرد (مردانہ شرم گاہ) تھا ہی نہیں بلکہ اس پر بڑے بڑے مفسرین اور علماے ناقدین کا انکار منقول ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ تو نقص و عیب ہے جو انبیا علیہم السلام کی شان کے لائق نہیں، بلکہ حصورا کے معنی یہ ہیں کہ وہ گناہوں سے معصوم تھے اور وہ گناہ نہ کرتے تھے بعض کہتے ہیں وہ گناہ (زنا) سے رکے ہوئے تھے، بعض نے کہا کہ وہ نفسانی خواہشات سے مجتنب (الگ) تھے اور بعض نے کہا کہ ان کا عورتوں کی طرف میلان تھا ہی نہیں۔

اب تم کو یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ نکاح پر قدرت نہ ہونا عیب و نقص ہے اور فضیلت یہ ہے کہ نکاح پر قدرت ہو پھر (نفسانی شہوات کا) قلع قمع کرے یا تو مجاہدہ کے ساتھ جیسے حضرت عیسی علیہ السلام نے کیا تھا یا خدا کی طرف سے کفایت ہو جیسا حضرت یحیی علیہ السلام کا حال تھا، یہ ایک زائد فضیلت ہے

کیونکہ بسا اوقات شہوت مشغول کر دیتی ہے اور اس کو دنیا میں ڈال دیتی ہے، پھر وہ شخص جس کو یہ قدرت بھی دی گئی ہو اور اس کا مالک بھی بنایا گیا ہو اور اس میں امور ضروریہ کو قائم بھی کرے پھر وہ اپنے رب عزوجل سے غافل نہ رہے، اس کا بڑا درجہ ہے، ہمارے نبی ﷺ کا یہی حال و مرتبہ تھا کہ آپ ﷺ کو بیویوں کی کثرت اپنے رب عزوجل کی عبادت سے نہ روکتی تھی بلکہ اس نے آپ ﷺ کی زیادتی میں اور زیادتی کی، کیونکہ آپ ﷺ نے ان بیبیوں کو پاک دامن عفیفہ بنا دیا، بلکہ آپ ﷺ بیویوں کے حقوق قائم فرماتے، ان کے معاش کی جستجو کرتے تھے اور آپ ﷺ نے ان کو یہ صراحت کے ساتھ بتا دیا تھا کہ اگرچہ بیویوں کی کثرت اہل دنیا کے لیے حظ (لذت) میں سے ہے مگر میرے لیے یہ دنیا کا حظ نہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ "حُبِّبَ إِلَيَّ مِنْ دُنْيَاكُمْ" تمھاری دنیا میں سے مجھے یہ چیزیں پسند ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے جو عورتوں اور خوشبو کی پسندیدگی کا اظہار فرمایا یہ دونوں اگرچہ اوروں کے لیے دنیاوی لذت ہے مگر حضور ﷺ کے لیے یہ دنیا کے لیے نہیں ہے بلکہ اخروی فوائد کے لیے ہیں، بسبب اس کے کہ ہم نے ترویج کے سلسلہ میں ذکر کیا اور خوشبو کا استعمال فرشتوں کی ملاقات کے لیے تھا اور ایسے بھی کہ خوشبو کا استعمال جماع پر برانگیختہ کرتا ہے اور اس کا مددگار ہے اور سبب جماع کا مہیج دمحرک ہے لیکن ان دونوں یعنی عورتوں اور خوشبو سے محبت ان کے مذکورہ فوائد کے لیے نہ تھی بلکہ کسی اور سبب کے لیے تھی نہ کہ قطع شہوت کے لیے۔ آپ کی خالص محبت ذات الٰہی اور اپنے مولا کے مشاہدہ قدرت اور اس سے مناجات میں تھی، اس لیے حضور ﷺ نے دونوں محبتوں کو جدا جدا بیان کر کے دونوں کی حالتوں کا فرق بتا دیا۔

پس فرمایا: "نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دی گئی" سو اب حضرت یحیی اور حضرت عیسی علیہما

السلام کا عورتوں کی آزمائش میں مبتلا ہونے سے باز رہنے میں برابر ہو گئے اور عورتوں کے ساتھ قیام فرمانے سے فضیلت میں ان سے بڑھ گئے، اس لیے حضور ﷺ ان میں سے ہیں جن کو طاقت دی گئی اور بہت ہی دی گئی، اس لیے حضور ﷺ کو آزاد عورتوں کو نکاح میں لانے کی تعداد مباح کر دی گئی، جو آپ ﷺ کے سوا کسی کے لیے مباح نہیں۔

ہم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی، حضور ﷺ ایک ہی وقت میں دن یا رات میں گیارہ عورتوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم باتیں کیا کرتے تھے کہ حضور ﷺ کو تیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی۔ نسائی نے اس کی تخریج کی ہے، اسی طرح ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، طاؤس سے مروی کہ حضور ﷺ کو جماع میں چالیس مردوں کی طاقت دی گئی تھی، اس کے مثل صفوان بن سلیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حضور ی ﷺ کی آزاد شدہ لونڈی سلمٰی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک رات نو بیویوں پر دورہ فرمایا اور دوسری کے پاس جانے سے قبل آپ ﷺ نے غسل کیا اور فرمایا: یہ بہت اچھا اور پاکیزہ طریقہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ میں آج رات سو عورتوں کے یا ننانوے عورتوں کے پاس جاؤں گا، انھوں نے ایسا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی پیٹھ میں سو آدمیوں کی طاقت تھی، حالانکہ ان کے حبالہ عقد میں تین سو بیبیاں یا ان کی تحویل میں تین سو باندیاں تھیں (شک راوی ہے) نقاش رحمہ اللہ اور ان کے سوا دوسروں نے نقل کیا سات سو بیویاں اور تین سو باندیاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام باوجود کمال زہد اور اپنے ہاتھ سے کسب معاش کے آپ علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور جب ایک اور عورت سے نکاح کر کے سو پورا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اللہ عزوجل نے اس پر خبردار کرتے ہوئے فرمایا: إِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ ، لَهٗ تِسْعٌ وَّ

تِسۡعُوۡنَ نَعۡجَةً۔ بیشک یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننا وے دنبیاں ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ سے منقول ہے کہ مجھ کو لوگوں پر چار باتوں میں فضیلت دی گئی ہے: ۱۔ سخاوت، ۲۔ شجاعت، ۳۔ کثرت جماع، ۴۔ قوت گرفت۔

(طبرانی اوسط بسند جید کمافی مناہل الصفاص ۵۶)

لیکن جاہ و مرتبہ، سو عقلا کے نزدیک یہ عادتاً محمود ہے۔ اس کے جاہ و جلال کے موافق ہی لوگوں کے دلوں میں عظمت ہوتی ہے، بیشک اللہ عزوجل نے حضرت عیسی علیہ السلام کی توصیف میں ارشاد فرمایا:

وَجِيۡهًا فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ (آل عمران: ۴۵) باعزت ہوگا دنیا و آخرت میں۔

لیکن اس کی آفتیں بہت ہیں، پس وہ بعض لوگوں کے لیے آخرت کے فائدہ کے لحاظ سے مضر ہے، اسی وجہ سے بعض نے اس کی مذمت کی ہے اور اس کو برا کہا ہے اور اس کی ضد (برعکس خلاف) کی مدح کی ہے۔ اور شریعت میں گمنامی کی مدح اور زمین پر اترانے کی مذمت آئی ہے، حضور ﷺ کو اللہ عزوجل نے وہ مرتبہ عنایت فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں یعنی قبل اظہار نبوت اور بعد اظہار نبوت لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کی بڑی عظمت و ہیبت تھی، حالانکہ کفار مکہ آپ ﷺ کو جھٹلاتے اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو ایذائیں پہنچاتے اور خود حضور ﷺ کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ مگر جب حضور ﷺ کے سامنے حاضر ہوتے تو آپ ﷺ کی تعظیم کرتے اور حضور ﷺ کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے، اس بارے میں بکثرت خبریں مشہور ہیں، عنقریب بعض حدیثیں آنے والی ہیں۔

بلاشبہ جس نے آپ ﷺ کو پہلے نہ دیکھا ہوتا وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر ہیبت زدہ، ترسیدہ ہو جاتا تھا، جیسا کہ قیلہ نامی عورت سے مروی ہے کہ جب اس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو وہ لرزہ براندام ہو گئی،

آپ ﷺ نے فرمایا: اے مسکین عورت تو تسلی رکھ۔

(سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۱۷۶، شمائل ترمذی ص ۱۱۸، طبقات ابن سعد)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک مرد حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا تو وہ لرزنے لگا، آپ ﷺ نے فرمایا: اطمینان رکھ میں بادشاہ (یا فرشتہ) نہیں ہوں۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۵ ص ۶۹)

لیکن نبوت و شرافت، منزلت و رسالت اور اصطفا ذکرامت میں جو آپ ﷺ کا عظیم مرتبہ دنیا میں ہے وہ تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے، پھر آخرت میں تو آپ ﷺ اولاد آدم علیہ السلام کے سردار ہیں، اس فصل کے معنی و مطلب کے لیے تو ہم نے اس تمام قسم کو تحریر کیا ہے۔

نویں فصل

ضروریات و مقتضیات حیات کی قسموں کے بیان میں

ضروریات زندگی کی تیسری قسم یہ ہے کہ وہ مختلف حالات جن کے ساتھ تعریف و توصیف کی جاتی ہے اور ان کو سبب فخر جانا جاتا ہے اور ان کی وجہ سے فضیلت دی جاتی ہے۔ (ان میں سے ایک) مال کی زیادتی ہے، فی الجملہ مالدار عام لوگوں کے اعتقاد میں بڑا ہوتا ہے، کہ وہ اس کے ذریعہ اپنی حاجتیں پوری کرلیتا ہے اور اس کے سبب اس کے اغراض و مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں ورنہ فی نفسہ (مالدار میں) کوئی فضیلت نہیں ہوتی پس جب مال کی سی صورت ہو اور مالدار جب اپنے مقاصد کے حصول اور ان لوگوں کی اغراض پر جو اس کے پاس امیدیں لے کر آئیں، ان پر مال خرچ کر لے اور اس کے ذریعہ مرتبت، تعریف اور نیک دل لوگوں میں عزت کا خریدار ہو تو وہ مالدار اہل دنیا کے نزدیک فضیلت حاصل کرلیتا ہے۔ اور وہ مالدار جب اپنے مال کو نیکی کی راہوں میں خرچ کرے اور آخرت کی بھلائی کے لیے اس کو صرف کرے اور اس انفاق (خرچ کرنے) سے اس کا مقصد اللہ عزوجل کی خوشنودی اور آخرت کی بھلائی ہو تو یہ ہر حال میں سب کے نزدیک فضیلت رکھتا ہے اور جب مالدار بخیل و کنجوس ہو اس کے مصارف میں اور اس کے جمع کرنے کا حریص ہو تو مال کی کثرت نہ ہونے کے برابر ہوئی، یہ مالدار کے لیے عیب و نقص ہوگا اور وہ مال اس کو سلامتی کی راہ پر گامزن نہیں رکھے گا بلکہ اس کو بخالت کے رذیل گڑھے اور کمینگی کی برائی میں ڈال دے گا۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ فی نفسہ مال میں کوئی تعریف اور فضیلت نہیں ہے بلکہ صرف اس لیے اس کی

تعریف ہے، وہ دوسروں کو دیتا ہے اور اس کے مصارف پہ خرچ کرتا ہے، لہذا مال کا جمع کرنے والا اگر اس کی جگہ پر خرچ نہ کرے اور اس کو اس کے راستوں پر صرف نہ کرے تو وہ در حقیقت غنی (مالدار) نہیں اور نہ وہ مال اس کو بے پروا بناتا ہے اور نہ یہ بات کسی عقل مند کے نزدیک تعریف کے لائق ہے بلکہ وہ دائمی فقیر ہے (کہ ہر وقت مال کی حرص میں محتاج ہے) اور وہ اپنی کسی غرض تک نہ پہنچے گا کیونکہ جو مال اب اس کے ہاتھ میں ہے جو اس کو اغراض تک پہنچانے والا تھا وہ اس پر تسلط و غلبہ نہیں رکھتا (کہ وہ اس کو خرچ کرے) وہ ایسا شخص ہو گیا جو کسی غیر کے خزانہ کا محافظ و نگہبان ہو اور وہ مال و خزانہ اس کا اپنا نہ ہو، گویا کہ اس کے ہاتھ میں اس سے کچھ بھی نہیں ہے اور مال کا خرچ کرنے والا بھر پور غنی ہے کیونکہ اس نے مال کے فوائد حاصل کیے ہیں، اگرچہ اس کے ہاتھ میں مال میں سے کچھ نہ بچے۔

اب ذرا ہمارے نبی حضور ﷺ کی عادت کریمہ اور سیرت مبارکہ پر نظر ڈالو اور مال میں آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ پر غور کرو تم حضور ﷺ کو اس حال میں پاؤ گے کہ آپ ﷺ کو زمین کے خزانے دیے گئے، شہروں کی کنجیاں دی گئیں اور مال غنیمت آپ ﷺ کے لیے حلال کیا گیا، جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی پر حلال نہ تھا، حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں ملک حجاز، یمن اور تمام جزیرۂ عرب اور جو اس کے قریب شام و عراق وغیرہ تھا فتح ہوئے، ان کا خمس (پانچواں حصہ) اور جزیہ ہے اور صدقہ اتنا لایا گیا کہ اور بادشاہوں کے لیے اس سے بہت تھوڑا آتا تھا، پھر مختلف ملکوں کے بادشاہ آپ ﷺ کی خدمت میں تحفہ جات بھیجتے لیکن ان میں سے کسی پر بھی آپ ﷺ نے اپنے آپ کو ترجیح نہ دی اور نہ ان میں سے ایک درہم بھی اپنے لیے روکا بلکہ ان تمام کو ان کے مصارف کی جگہوں پر خرچ فرما دیتے اور دوسروں کو غنی بنا دیتے اور مسلمانوں کی طاقت اس سے بناتے۔

اور فرماتے کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور رات کو اس میں سے ایک

دینار بھی رہے، مگر وہ دینار جو قرض کے طور پر لیا ہو۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۸۷ صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۳۲)

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں بہت سی اشرفیاں آئیں آپ ﷺ نے ان کو تقسیم فرمادیا، ان میں سے چھے اشرفیاں باقی بچ گئیں تو وہ ایک بیوی کو دے دیں، آپ ﷺ کو نیند نہ آئی یہاں تک کہ ان کو بھی تقسیم فرمادیا اور فرمایا: اب مجھے چین و سکون ملا۔

(ابن سعد من عائشه بهذا اللفظ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۵۷)

آپ ﷺ نے دنیا سے اس حال میں کوچ فرمایا کہ آپ ﷺ کی زرہ آپ ﷺ کے عیال کے خرچ میں گروی پڑی ہوئی تھی۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۲۴، سنن ترمذی ج ۲ ص ۳۴۴ سنن نسائی ص ۴۸۸)

آپ ﷺ نے اپنے خرچ لباس اور رہائش میں اس قدر پر اکتفا کیا ہوا تھا، جتنے سے آپ ﷺ کی ضرورت پوری ہو سکے، ماسوا میں آپ ﷺ زاہد تھے، جو بھی آپ ﷺ کو لباس مل جاتا اس کو پہن لیتے، اکثر آپ ﷺ کا لباس عمامہ اور گاڑھے کپڑے کی چادر اور گھنا تہبند ہوتا اور دیباج کی سنہری قبائیں حاضرین تقسیم فرمادیتے اور جو موجود نہ ہوتا اس کے لیے اٹھار کھتے۔

کیونکہ لباس میں اور زیب وزینت میں کوئی شرافت اور جاہ و جلال نہیں ہے، یہ عورتوں کی زینت ہے اور بہتر وہ لباس ہے جو کہ پاک وصاف اور درمیانہ ہو اور وہ لباس ایسا ہو کہ اس کے ہم جنس پہنتے ہوں، اپنے ہم جنسوں کی مروت کو نہ توڑے اور نہ اعلی وادنی کے کناروں کی شہرت تک پہنچے اور بیشک شریعت نے اس کی مذمت کی ہے، لوگوں کے نزدیک عادتاً لباس میں فخر کرنا یہ ہے کہ اپنے آپ میں یہ فخر کرے کہ میرے پاس بہت کچھ ہے اور میں خوشحال ہوں، یہی حال عمدہ مکان، کشادہ منزل، زیادتی سامان وخدمتگار اور سواریوں پر فخر کرنے کا ہے۔ جو شخص زمین کا مالک ہو اور اس کی طرف ہر جانب سے مال غنیمت، جزیہ اور صدقات وغیرہ آتے ہوں پھر وہ ان سب کو زہد کی بناء پر چھوڑ دے وہی شخص مال کی

فضیلت کا جائز حقدار ہے، اس خصلت کی بنا پر وہ مالک فخر ہے اگرچہ فضیلت اس پر فخر کو زیادہ کر سکے (حالانکہ حضور ﷺ کا مرتبہ اس سے کہیں بلند و بالا ہے) مال میں فی نفسہ کیا فضیلت ہے۔ اور حضور ﷺ کی ذات اقدس تو مدح و توصیف کی قسموں میں فضائل کا نچوڑ ہیں اور آپ ﷺ کا زہد تو فانی ہونے والی چیزوں میں ہے اور جہاں لوگ بخل کرتے ہیں وہاں حضور ﷺ خرچ کرتے ہیں۔

دسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائل مکتسبہ

اخلاق حمیدہ اور آداب شریفہ کی وہ خصلتیں جو حاصل کی جاسکتی ہوں اور ایسے خلیق کی فضیلت پر تمام عقلمند متفق ہوں اور ان میں سے کسی ایک وصف کا بھی وہ متّصف ہو، اس کی عزت و تکریم کرتے ہوں تو اس کا کیا مرتبہ جو ایک سے زائد فضائل کا مجموعہ ہو۔

شریعت نے ان تمام اخلاق کی تعریف کی ہے اور ان کا حکم دیا ہے اور جو ان اخلاق کا پیکر ہو اس کو ہمیشگی کی سعادت کا مژدہ دیا ہے اور بعض کی تو یوں تعریف کی ہے کہ وہ نبوت کے جزو میں سے ہے، اس کا نام "حسن خلق" ہے، وہ قوائے نفسانی میں معتدل اور اس کے اوصاف میں متوسط ہو کہ اس میں نہ کسی طرف سے جھکاؤ ہو اور نہ کسی طرف سے انحراف، یہ تمام اخلاق حمیدہ ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں انتہائے کمال پر اور توسط و اعتدال کی آخری حد تک موجود تھے، حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے اس کی یوں تعریف فرمائی ہے: **اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ** (قلم) بیشک تمھاری خوب بڑی شان کی ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلق قرآن تھا، اس کی رضا پر راضی اور اس کی ناراضگی پر ناراض رہتے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۱ ص ۳۱)

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ: میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کروں۔ (موطا امام مالک ص ۷۸۸، مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۸۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلق میں سب سے زیادہ بہتر تھے، حضرت

علی ابن طالب رضی اللہ عنہ بھی اسی سے مثل کہتے ہیں۔(صحیح مسلم ج ۳ص ۱۶۹۲، ج ۳ص ۱۸۰۵)

محققین نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کی خلقت میں ہی اس طرح (کے) جبلی اور فطری اخلاق تھے جو کسب و ریاضت سے بغیر عطیۂ الٰہی اور خصوصیات ربانی حاصل ہی نہیں ہوسکتے، یہی حال باقی تمام انبیاعلیہم السلام کا ہے، جس نے ان کے بچپن سے لے کر مبعوث ہونے تک کے حالات دیکھے ہوں اس پر یہ حقیقت واشگاف ہو جائے گی، جس طرح حضرت عیسی و موسی و یحیی و سلیمان و غیرہ علیہم السلام کے حالات سے معلوم ہوئے ہیں بلکہ یہ اخلاق جبلی طور پر پیدائشی تھے اور ان میں فطری طور پر علم و حکمت ودیعت و امانت تھی، اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَاٰتَیۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِیًّا (مریم:۱۲): اور ہم نے اسے بچپن ہی میں نبوت دی۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یحیی کو کتاب الٰہی کا علم ان کے بچپن میں ہی دے دیا گیا تھا، معمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کی عمر ابھی دو یا تین سال کی تھی کہ بچوں نے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کیوں نہیں کھیلتے، آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا میں کھیل کود کے لیے پیدا کیا گیا ہوں۔(الذمصہ ص ۹۰)

اللہ عزوجل کے فرمان: مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ. (آل عمران:۳۹) "اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا۔" کی تفسیر میں مروی ہے کہ حضرت کی اور حضرت عیسی علیہ السلام نے اس حال میں تصدیق کی کہ وہ ابھی تین سال کے بچے تھے اور فرمایا کہ ہم اس کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس حال میں تصدیق کی کہ وہ شکم مادر میں تھے، حضرت یحیی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم سلام اللہ علیھا سے فرماتی تھیں کہ میں ایسا پاتی ہوں کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے، وہ سجدۂ تہنیت کر رہا ہو، اس کی جو تمھارے پیٹ میں بچہ ہے، بلا شبہ یہ تو اللہ

عزوجل کی نص ہے کہ عیسی علیہ اسلام نے اپنی والدہ (مریم) سے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا اور کہا کہ "لَا تَحْزَنِیْ" (مریم:۲۴) "غم نہ کھا"۔اس قرأت پر جس میں کہ "مِنْ تَحْتِهَا" ہے، یعنی اس نے جو اس کے نیچے تھا اور اس روایت کی بنا پر کہ جس میں حضرت عیسی علیہ السلام پکارنے والے تھے، اس میں مہد (جھولے) میں آپ علیہ اسلام کے کلام فرمانے پر نص ہے۔ پس آپ علیہ لسلام نے فرمایا:

﴿قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾(مریم:۳۰)

میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) بنایا۔

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَ كُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾

ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکومت اور علم عطا کیا۔(الانبیاء:۷۹)

اس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس حکم کا ذکر ہے جب کہ آپ علیہ السلام بچے تھے اور ایک سنگسار عورت اور بچے کا مقدمہ پیش آیا تھا اور آپ علیہ السلام کے والد ماجد حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی پیروی کی تھی۔ (تاریخ ابن عساکر صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۴۴، بخاری ج ۴ ص ۱۳۰)

طبرانی رحمہ اللہ نے کہا کہ جب آپ علیہ السلام کو ملک عطا فرمایا گیا اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر بارہ سال کی تھی۔اسی طرح حضرت موسی علیہ السلام کا فرعون کے ساتھ قصہ ہوا، آپ علیہ السلام نے بچپن میں اس کی داڑھی پکڑی تھی، مفسرین اللہ عزوجل کے اس فرمان﴿وَ لَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ﴾اور بیشک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کر دی۔(الانبیاء:۵۱) کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مطلب یہ کہ آپ علیہ السلام کو صغر سنی میں ہی ہدایت دے دی تھی، اس کو مجاہد رضی اللہ عنہ اور اس کے سوا دوسروں نے نقل کیا۔

ابن عطا علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کو پیدا ہونے سے پہلے ہی چن لیا تھا۔

بعض نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ایک فرشتہ آپ علیہ السلام کی خدمت میں اللہ عزوجل نے بھیجا کہ وہ اللہ عزوجل کا حکم سناتا، دل میں اس کی معرفت کراتا اور آپ علیہ السلام کی زبان پر اس کا ذکر جاری کراتا، اس وقت آپ علیہ السلام نے کہا کہ میں نے کیا اور یہ نہ فرمایا کہ میں اسے کروں گا، یہ آپ علیہ السلام کا رشد تھا۔

بعض نے کہا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے اور آپ علیہ السلام کی آزمائش کی گئی، اس وقت آپ سولہ سال کی عمر کے تھے اور جب حضرت اسحاق علیہ السلام (بقول صاحب شفا ورنہ یہ واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ہے: مترجم) ذبح کی آزمائش میں ڈالے گئے تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر سات سال کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کواکب اور چاند سورج سے استدلال کیا تو اس وقت آپ علیہ السلام کی عمر پندرہ مہینے تھی۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب ان کے بچپن کی حالت میں ان کے بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تو اللہ عزوجل نے وحی فرمائی کہ ﴿وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا﴾ اور ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انھیں ان کا یہ کام جتا دے گا۔ (یوسف:۱۵)

اس کے علاوہ اور بھی احادیث میں اس قسم کے ذکر ہیں۔

اہل سیر رحمہم اللہ حضرت آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے سنایا ہمارے نبی ﷺ جب پیدا ہوئے تو پیدا ہوتے ہی آپ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ زمین پر پھیلائے اور سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: مجھے ابتداء ہی سے بتوں کی پرستش اور شعر گوئی سے نفرت و دشمنی تھی۔ (دلائل النبوۃ لابی نعیم عن شداد بن اوس کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۵۹) اور میں نے جاہلیت کی باتوں کا جو جاہلیت کے زمانہ کے لوگ کرتے تھے، سوائے دو دفعہ کے کبھی ارادہ نہیں کیا، سو خدا نے مجھے ان دونوں سے بھی بچا لیا پھر وہ کام نہ کیا۔ (مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۲۶)

پھر یہ امر ان کے لیے مضبوط ہو جاتا ہے اور پے در پے ان پر خدا کی مہربانیاں ہونے لگتی ہیں اور ان کے قلوب میں انوار عرفانیہ تاباں ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ انتہا تک پہنچ جاتے ہیں، حتیٰ کہ اللہ عزوجل ان کو نبوت کے ساتھ ان خصائل شریفہ کے انتہائی مقام تک بغیر مزاولت و مشقت کے پسند کر لیتا ہے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ﴾

اور جب اپنی پوری قوت کو پہنچا ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا۔ (یوسف: ۲۲)

ہم ان انبیاعلیھم السلام کے علاوہ دوسروں کو پاتے ہیں کہ وہ ان اخلاق میں سے بعض پر پیدا ہوئے نہ کہ تمام اخلاق پر اور بعض ان اخلاق پر پیدا کیے جاتے ہیں تو ایسوں کو تمام اخلاق کا حصول و اکتساب خدا کی عنایت سے آسان ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ خدا کی مخلوق میں سے بعض بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ذہین، فطین، راست گو اور جوانمرد ہوتے ہیں اور بعض اس کے برعکس، پس کسب کے ذریعہ ناقص کامل ہو سکتا ہے اور ریاضت و مجاہدہ سے امر معدوم کو حاصل کر لیتا ہے اور اس کا منحرف (ادنی و اعلی کا) معتدل بن جاتا ہے، لہذا ان دونوں حالتوں کے اختلاف کی وجہ سے لوگوں کی حالتیں جداگانہ ہوتی ہیں، ہر ایک کو اس کی توفیق دی گئی ہے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا، اسی لیے سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا خلق پیدائشی ہے یا کسبی۔

بعض علماے سلف نے طبری علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے کہ خلق حسن بندہ میں جبلی اور پیدائشی ہے، اس کو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حسن بصری علیہما الرحمہ نے بیان کیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ صحیح وہی بات ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر خصلت پر مومن کی تخلیق ہوتی ہے مگر خیانت و کذب پر (کہ یہ انسان کا خود کسبی عمل ہے)۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کمافی مناہل الصفا للسیوطی ص ۵۹)

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ شجاعت اور بزدلی یہ دونوں پیدائشی ہیں، ان کو اللہ عزوجل جہاں چاہتا ہے رکھتا ہے۔ (مناہل الصفا للسیوطی ص ۵۹)

یہ اخلاق محمودہ اور خصائل جمیلہ و شریفہ بہت ہیں لیکن ہم اس جگہ اصولی تذکرہ اور جمیع اخلاق کی طرف صرف اشارہ کر کے حضور ﷺ کے اوصاف حمیدہ کی تحقیق کریں گے۔

انشاء اللہ عزوجل۔

گیارھویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف فضائل

اخلاق و خصائل کے فروع کی اصل، ان کے چشموں کا عنصر اور ان کے دائروں کا مرکز وہ عقل ہے جس سے علم و معرفت پیدا ہوتے ہیں اور اس سے اصابت رائے، تیزیٔ ذہن، درستگی، حسن ظن، عاقبت اندیشی، مصالح نفس، مجاہدۂ خواہشات، حسن سیاست و تدبیر، فضائل کی طلب، رذائل سے احتراز وغیرہ اور اوصاف حمیدہ متفرع ہوتے ہیں اور ہم نے اس کا اشارہ کر دیا ہے کہ یہ تمام خوبیاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود ہیں۔

اور علم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رستگاہ اس انتہائی بلند مقام تک ہے کہ کوئی بشر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلالت شان معلوم ہوتی ہے اور جتنی بھی اس سے شاخیں نکل سکتی ہیں اس شخص پر ثابت ہو جائیں گی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات و سیرت کا متلاشی ہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوامع کلمات کا مطالعہ کرے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوبو (خوبی) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نرالی سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی حکمتیں اور آپ کے اس علم کو جو تورات و انجیل اور کتب سماویہ میں موجود ہیں۔

عقلمندوں کی حکمتوں اور گزشتہ امتوں کی تاریخوں اور ان کے واقعات و حوادث اور ضرب الامثال اور لوگوں کی سیاست، شریعتوں کے احکام نفیس آداب کے اصول اور پسندیدہ خصائل اور مختلف علوم وغیرہ میں موجود ہیں۔

تو ان علما نے حضور ﷺ کے کلام کو ان میں پیشوا پایا اور آپ ﷺ کے ارشادات کو حجت بنایا، جیسے خواب میں آپ ﷺ کی تعبیر بتانا، طب، حساب، فرائض اور نسب وغیرہ کا جاننا، ان سب کو انشاء اللہ عزوجل ہم آپ ﷺ کے معجزات میں بیان کریں گے ، حالانکہ آپ ﷺ نے نہ کہیں (متداول طریقہ پر) تعلیم پائی اور نہ کسی مدرسہ میں پڑھا اور نہ گزشتہ کتابوں کا مطالعہ کیا نہ ان کے علما کی مجلسوں میں بیٹھے بلکہ آپ ﷺ ایسے نبی وامی تھے کہ ان میں سے کسی علم میں مشہور و معروف نہ تھے یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے سینہ اقدس کو کھول دیا، اپنے امور ظاہر کیے ، آپ ﷺ کو علم سکھایا، پڑھایا اور یہ بات بدیہی طور پر بحث و مطالعہ کے بعد سمجھی جاتی ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات آپ ﷺ کی نبوت پر برہان قاطع ہے۔

پس ہم تمام قصوں کے بیان اور بعض قضیوں کے ذکر سے طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ ان کا مجموعہ اس قدر ہے کہ کوئی اس کو حصر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی اس کے جمع کرنے کی طاقت رکھتا ہے، آپ ﷺ کی عقل کے موافق ہی آپ ﷺ کے معارف تھے، جن کو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو سکھایا اور آپ ﷺ کو علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْن یعنی گزشتہ و آئندہ کے حالات اور خدا کے عجائبات قدرت و ملکوت اعلی پر اطلاع بخشی۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾

اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے (النساء:۱۱۳)

آپ ﷺ پر فضل کا اندازہ کرنے میں عقلیں متحیر ہیں اور زبانیں گنگ ہیں کہ آپ ﷺ کے اوصاف کا احاطہ کر سکیں یا وہاں تک ان کی رسائی ہو سکے۔

بارھویں فصل

آپ ﷺ کا حلم اور بردباری

حضور ﷺ کا حلم، بردباری اور باوجود قدرت کے عفوو کرم اور ناگوار امور پر آپ ﷺ کے صبر فرمانے کے بیان میں، ان لقبوں میں باہم فرق ہے۔ کیونکہ " حلم " ایک ایسی حالت کا نام ہے جو اسباب محرکہ یعنی برانگیختہ کرنے والے اسباب کی موجودگی میں ثابت و برقرار رہے۔

اور "تحمل" یعنی بردباری ایسی حالت کا نام ہے جو مصائب و آلام کے وقت اپنی جان کو روک لے اور ان کو برداشت کرے اور اسی کے ہم معنی و مطلب "صبر" ہے۔ اور "عفو" اس حالت کو کہتے ہیں جو (بدلہ لینے کے وقت) بدلہ کو ترک کردے یعنی معاف کردے۔

یہ وہ اوصاف ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان کے ساتھ اپنے نبی ﷺ کو متّصف کیا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾

اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو۔ (الاعراف:۱۹۹)

مروی ہے کہ جب یہ آیت حضور ﷺ پر نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے اس کا مطلب دریافت کیا، عرض کیا: میں اللہ عزوجل سے پوچھ کر عرض کروں گا، چنانچہ وہ گئے اور آئے، پھر عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! آپ کو اللہ عزوجل حکم دیتا ہے کہ آپ ﷺ اس سے ملیں جو آپ ﷺ کو چھوڑتا ہے اور اس کو عطا فرمائیں جو آپ ﷺ کو محروم رکھتا ہے اور اس کو معاف فرما

دیں جو آپ ﷺ پر ظلم کرتا ہے اور یہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ﴾

اور جو افتاد تجھ پر پڑے اس پر صبر کرے۔ (لقمان:۱۷)

(تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۱۰۵، تفسیر در منثور ج ۳ ص ۶۲۸، اخلاق النبی ص ۶)

اور فرماتا ہے:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾

تو تم صبر کرو جیسے ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔ (الاحقاف:۳۵)

اور فرمایا:

﴿وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ﴾ اور چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ (النور:۲۲)

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾

اور بیشک جس نے صبر کیا اور بخش دیا تو یہ ضرور ہمت کے کام ہیں۔ (الشوریٰ:۴۳)

اس میں خفا نہیں کہ آپ ﷺ کا حلم و تحمل بکثرت منقول ہے، ہر حلیم میں کوئی غلطی اور کوئی بے فائدہ بات معلوم ہوتی ہے لیکن حضور ﷺ کا یہ حال ہے کہ کثرت ایذا کے باوجود آپ ﷺ کا صبر ہی بڑھتا اور بے وقوفوں کی زیادتیوں پر آپ ﷺ کا حلم ہی زیادہ ہوتا رہتا۔

حدیث: حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ جب بھی حضور ﷺ کو دو باتوں میں سے کسی ایک بات پر اختیار دیا جاتا تو ان میں سے آسان کو پسند فرماتے جب تک گناہ نہ ہو، مگر گناہ کی بات ہوتی تو اس سے لوگوں کی نسبت بہت دور رہتے، آپ

ﷺ نے اپنے لیے بھی انتقام نہ لیا، سوائے اس کے کہ وہ حدود الٰہی کی بے حرمتی کرے تب آپ ﷺ اللہ عزوجل کی حدود کے لیے بدلہ لیتے۔

(صحیح بخاری ج ۸ ص ۲۶، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۸۱۳، موطا امام مالک ص ۷۸۷)

مروی ہے کہ غزوہ احد میں جب آپ ﷺ کے سامنے کے دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ کا چہرہ انور لہولہان ہو گیا، یہ بات صحابہ کرام علیھم الرضوان پر سخت گراں گزری، سب نے عرض کیا کہ حضور ﷺ ان پر بددعا فرمائیں، حضور ﷺ نے فرمایا: إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَّلٰكِنِّي بُعِثْتُ دَاعِيًا وَّرَحْمَةً ،اَللّٰهُمَّ إِهْدِ قَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ: میں لعن کرنے والا نہیں بھیجا گیا لیکن مجھ کو اللہ کی طرف بلانے والا اور رحمت فرمانے والا بھیجا گیا ہے، اے خدا میری قوم کو ہدایت دے، وہ مجھ کو نہیں جانتے۔ (شعب الایمان میں کچھ مختلف الفاظ کے ساتھ نقل ہے، جیسا کہ مناہل الصفاء امام سیوطی ص 60 پر فرماتے ہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے کلام میں عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے یوں دعا کی:

﴿رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا﴾

اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ (نوح:۲۶)

اگر آپ ﷺ بھی اسی طرح ہم پر بددعا فرماتے تو ہم آخر تک ہلاک ہو جاتے کیونکہ آپ ﷺ کی کمر دوہری کی گئی اور آپ ﷺ کا چہرہ انور زخمی کیا گیا اور آپ ﷺ کے اگلے چاروں دانت شہید کیے گئے، باوجود اس کے آپ ﷺ نے کلمہ خیر کے سوا بددعا سے انکار ہی فرمایا اور ارشاد فرمایا: اے خدا میری قوم کو معاف فرمادے، یہ ناسمجھ ہیں۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) علیہ الرحمہ "اللہ عزوجل ان کو توفیق دے"، فرماتے ہیں کہ اس ارشاد پر غور کرو کہ اس میں کس قدر فضیلت، درجات، احسان، حسن خلق، کرم نفس، غایت صبر اور حلم جمع ہیں، کیونکہ حضور ﷺ نے صرف ان سے سکوت پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ معاف بھی فرما دیا، پھر شفقت و محبت فرماتے ہوئے ان کے لیے دعا اور سفارش بھی فرمائی۔ پس فرمایا: اے خدا ان کو بخش دے یا فرمایا کہ ان کو ہدایت دے، پھر اس شفقت و رحمت کا سبب بھی بیان فرما دیا کہ "لِقَوْمِیْ" کہ یہ میری قوم ہے، پھر ان کی عذر خواہی کے طور پر ان کی جہالت کی وجہ میں فرمایا: "فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ": یہ ناسمجھ ہیں۔

اور اس پر بھی غور کرو کہ جب ایک شخص نے حضور ﷺ سے کہا کہ انصاف فرمایئے، یہ تقسیم خدا کی خوشنودی کے لیے نہیں ہے، اس پر حضور ﷺ نے اس کے سوا کچھ نہ فرمایا اور اس کو اس کی جہالت و نافہمی پر خبردار کیا اور اس کو نصیحت کی۔

فرمایا: تجھ پر افسوس ہے، اگر میں انصاف نہ کروں گا تو اور کون کرے گا، اگر میں نے ہی انصاف نہ کیا تو میں ناکام و ناقص رہوں گا اور جو صحابی اس کے قتل کرنے کا ارادہ کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کو منع فرمایا۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۵۷ صحیح مسلم ج ۲ ص ۷۳۹)

اور (یہ بھی مقام فکر ہے) کہ جب غوث بن حارث نے حضور ﷺ کو بے خبری میں قتل کرنے کا قصد کیا، درآنحالیکہ حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے تنہا آرام فرما تھے۔

ناقلین واقعات غزوات میں سے ایک شخص نقل کرتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہ کہا اور آپ ﷺ اس وقت بیدار ہوئے جب وہ تلوار سونت کر آپ ﷺ کے سر پر کھڑا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ اب کون تم کو میری تلوار سے بچائے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ عزوجل"، تب اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، پھر نبی کریم ﷺ نے تلوار پکڑ کر فرمایا: "بتا کون اب تجھ کو میرے وار سے روکے

گا؟" اس نے کہا: آپ اچھے پکڑنے والے بنیں، پس آپ ﷺ نے چھوڑ دیا اور اس کو معاف کر دیا، پھر وہ اپنی قوم میں آیا اور کہا: میں تمھارے پاس ایسے شخص سے مل کر آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہتر ہے۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۲۸۶، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۷۴)

آپ ﷺ کی بڑی مہربانیوں اور عفو درگزر کے واقعات میں سے اس یہودیہ کا قصہ ہے جس نے آپ ﷺ کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دیا تھا، صحیح روایت میں ہے کہ اس نے اس کا اعتراف بھی کر لیا تھا۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۴۳، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۷۲۱)

آپ ﷺ نے لبید بن الاعصم پر جبکہ اس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا، کوئی مواخذہ نہیں کیا، حالانکہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ تمام حالات کا علم ہو گیا تھا، آپ ﷺ نے اس پر عتاب تک نہ فرمایا چہ جائیکہ سزا دیتے۔ (سنن نسائی ج ۷ ص ۱۱۳، مسند امام احمد ج ۴ ص ۳۶۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۳۱۹)

ایسے ہی عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین پر باوجودیکہ ان کے قول و عمل سے بڑی زیادتیاں پہنچیں، آپ ﷺ نے مواخذہ نہیں فرمایا حتی کہ بعض نے ان کے قتل کا بھی اشارہ کیا تھا، ان کو بھی منع کر دیا اور فرمایا: "ایسا نہ ہو کہ لوگ یہ کہیں کہ محمد (ﷺ) تو اپنے اصحاب ہی کو قتل کرنے لگے"۔

(کتاب المناقب صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۴۸، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ پر ایک گاڑھے کی چادر حاشیہ دار تھی، اس کو ایک اعرابی نے شدت و سختی سے کھینچا، یہاں تک کہ چادر کے حاشیہ کا اثر آپ ﷺ کی گردن پر نمودار ہو گیا، پھر اس نے کہا: اے محمد (ﷺ) میرے ان دونوں اونٹوں پر وہ مال جس کو خدا نے تمھیں دیا ہے لاد دو، کیونکہ تم مجھے نہ اپنے مال اور نہ اپنے باپ کے مال میں سے دیتے ہو۔

نبی کریم ﷺ خاموش رہے، آپ ﷺ نے صرف اتنا فرمایا کہ: "مال تو اللہ عزوجل ہی کا ہے، میں تو اس کا بندہ ہوں"، پھر فرمایا: "اے اعرابی تم سے اس کا بدلہ لیا جائے گا جو تم نے میرے ساتھ سلوک کیا ہے"، اس نے کہا: نہیں، آپ ﷺ نے پوچھا: "کس سبب سے"؟ اعرابی نے کہا: اس لیے کہ آپ ﷺ کی یہ عادت کریمہ ہے ہی نہیں کہ آپ ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے لیں۔ تب حضور ﷺ اس پر مسکرادیے، پھر حکم دیا کہ "اس کے ایک اونٹ کو جو سے اور دوسرے کو کھجور سے بھر دو"۔ (صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۲۶ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۱۷، ادب للبیہقی ص ۱۲۶، ۱۲۵)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی ظلم کا بدلہ لیتے نہیں دیکھا، جب تک کہ وہ اللہ عزوجل کے محرمات کی بے حرمتی نہ کرے اور کبھی اپنے ہاتھ سے کسی کو نہ مارا، سوائے اس صورت کے کہ آپ ﷺ جہاد فی سبیل اللہ فرما رہے ہوں، نہ کبھی آپ ﷺ نے کسی خادم کو مارا اور نہ کسی بیوی کو۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۴ ص ۲۳۰، ادب للبیہقی ج ۸ ص ۳۶)

ایک شخص گھسیٹ کر آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور اس کے بارے میں کہا گیا کہ یہ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: "تو مت ڈر تو مت ڈر، اگر تیرا یہ ارادہ ہے تو ہرگز اس پر قادر نہ ہوگا۔" (طبرانی و مسند امام احمد عن جعدۃ کما فی الصفاء وللسیوطی ص ۶۲)

حضور ﷺ کی خدمت میں زید بن سعنہ اسلام لانے سے قبل آیا اور اپنے قرض کا تقاضا کیا اور آپ ﷺ کے کپڑے کو آپ ﷺ کے کندھوں سے کھینچ لیا اور کپڑے کو اکٹھا کر کے پکڑ لیا اور سختی کے ساتھ کلام کیا، پھر کہا کہ اے عبدالمطلب کے فرزند تم دیر کرنے والے وعدہ خلاف ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جھڑکا اور سختی سے جواب دیا اور نبی کریم ﷺ مسکرا رہے تھے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے عمر (رضی اللہ عنہ) ہم اس سے سوا اور بات کرنے کے خواہش مند تھے، یعنی

یہ کہ مجھ کو اچھی طرح ادا کرنے کو کہتے اور اس کو اچھے تقاضے کی نصیحت کرتے۔ پھر فرمایا: اس کی مدت میں ابھی ایک تہائی وقت باقی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اس کا مال ادا کر دو اور اس کو بیس صاع مزید دے دو کیونکہ تم نے اس کو خوفزدہ کیا ہے۔"

پس یہی سبب زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا بنا، کیونکہ وہ کہتا تھا کہ میں نے حضور ﷺ کے چہرہ انور سے تمام علامات نبوت معلوم کر لی تھیں، صرف دو باتیں تھیں کہ میں نے ان کا امتحان نہ کیا تھا، وہ یہ کہ آپ ﷺ کا حلم آپ ﷺ کے امی ہونے پر بڑھ جائے گا اور آپ ﷺ کی (ظاہری) شرف لاعلمی آپ ﷺ کے حلم ہی کو اور زیادہ کرے گی، سو میں نے اس کو بھی آزما لیا اور ویسا ہی پایا جیسا کتب سابقہ سماویہ میں آپ ﷺ کی تعریف لکھی تھی۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم صفحہ ۱۹، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۳۲، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۶ ص ۲۷۸)

احادیث میں حضور ﷺ کی باوجود قدرت و طاقت آپ ﷺ کے علم وصبر اور عفو کے واقعات اس کثرت سے ہیں جو ہم بیان نہیں کر سکتے، ہم نے تصنیفات معتبرہ سے صحیح حالات کا ذکر کیا ہے جو تواتر اور یقین کی حد تک ہیں۔

آپ ﷺ کو قریش کی ایذاؤں اور جاہلوں کی تکالیف اور مصیبتوں کا ہر وقت سامنا رہتا تھا، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو ان پر مظفر و فتح یاب کیا اور ان پر حاکم کر دیا، حالانکہ وہ اپنی جماعت کے استیصال اور اپنے گروہ کی ہلاکت میں شک نہیں کرتے تھے، لیکن آپ ﷺ نے سوائے معافی و درگزر کے کچھ نہ کیا اور فرمایا: تم کیا گمان کرتے ہو کہ میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں گا؟ انھوں نے کہا: آپ ﷺ سے بھلائی کی امید ہے کیونکہ آپ ﷺ سخی بھائی ہیں اور سخی بھائی کے فرزند ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں آج وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے

اپنے بھائیوں سے کہا تھا:

﴿لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ ؕ﴾ آج تم پر کچھ ملامت نہیں۔ (یوسف:۹۲)

جاؤتم سب آزاد ہو۔ (سبحان اللہ) (تحفۃ الاشراف ج ۱۰ ص ۱۳۴، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۵ ص ۸۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ مقام تنعیم میں صبح کی نماز کے وقت مرد اترے، تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مقاتلہ کریں، پس وہ سب کے سب گرفتار کر لیے گئے، رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۴۲، سنن ترمذی ج ۵ ص ۶۲، سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۳۷، تحفۃ الاشراف ج ۱ ص ۱۱۶)

اس پر یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَ هُوَ الَّذِیۡ كَفَّ اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡكُمۡ﴾ اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیے۔ (الفتح:۲۴)

وہ ابوسفیان جب گرفتار کر کے لائے گئے جنھوں نے مختلف قبیلوں کو اکٹھا کر کے آپ ﷺ پر چڑھائی کی تھی اور انھوں نے حضور ﷺ کے چچا اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کو شہید کر کے ان کا مُثلہ (کان اور ناک وغیرہ کاٹنا) کیا تھا، آپ ﷺ نے ان کو بھی معاف فرمادیا اور نرمی سے کلام کیا اور یہ فرمایا: اے ابوسفیان! افسوس کیا ابھی تم پر وہ وقت نہیں آیا کہ تم کہو لا الہ الا اللہ، انھوں نے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ کتنے حلیم ہیں اور کیسے ملانے والے ہیں اور کس قدر کریم ہیں!

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۵ ص ۳۴، مکارم الاخلاق ص ۱۷)

حضور ﷺ لوگوں کی نسبت غصہ سے بہت دور اور خوشی میں سریع السیر (خوشی کی طرف جی کرنے والے) تھے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۵ صفی ۳۴، مکارم الاخلاق ص ۱۷ بالفاظ دیگر)

تیرھویں فصل

آپ ﷺ کا جود و کرم اور سخاوت

جود و کرم، سخاوت و جوانمردی سے قریب قریب ہم معنی ہیں لیکن بعضوں نے ان میں کچھ فرق بھی کیا ہے، کرم کے معنی یہ ہیں کہ خوشیٔ دل سے ان کاموں میں خرچ کرنا جتنی مرتبہ اور نفع ہو، اس کو جرات بھی کہتے ہیں اور یہ خست (کنجوسی) کی ضد ہے۔

اور سماحت یعنی سخاوت کے معنی یہ ہیں کہ خوشیٔ دل سے اپنے اس حق سے جو دوسرے کے پاس ہے باز رہنا، یہ بخل کی ضد ہے۔ اور سخاوت یہ ہے کہ بسہولت خرچ کرے اور غیر پسندیدہ باتوں سے دور رہے، یہ جود ہے جو تنگی کی ضد ہے۔

ان اخلاق کریمہ میں بھی حضور ﷺ کا کوئی برابر نہ تھا اور نہ کوئی ان میں آپ ﷺ کا معارض، جو بھی آپ ﷺ کو پہچانتا تھا وہ تعریف کرتا تھا۔

حدیث: جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے جب بھی کوئی سوال کرتا تو آپ ﷺ "لا" یعنی نہیں کبھی نہ فرماتے تھے۔

(صحیح بخاری ج ا ص ۳۲، ۳۱، صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۰۵، شمائل ترمذی ص ۲۷۹)

حضرت انس اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۰۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر سخی تھے اور رمضان المبارک میں تو بہت ہی سخاوت فرماتے تھے اور جب بھی جبرئیل علیہ السلام حاضر بارگاہ

ہوتے تو آپ ﷺ تیز ہوا سے زیادہ بھلائی میں سخاوت فرماتے۔ (بخاری ج۱ص۵، صحیح مسلم ج۴ص ۱۸۰۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ سے ایک شخص نے سوال کیا تو آپ ﷺ نے دو پہاڑوں کے درمیان کی برابر بکریاں عنایت فرمادیں، جب وہ اپنی قوم میں گیا، اس نے کہا: مسلمان ہو جاؤ بیشک محمد ﷺ اتنا دیتے ہیں کہ کبھی فاقہ کا خوف رہتا ہی نہیں۔ (صحیح مسلم ج۴ص ۵۷) بہت لوگوں کو آپ ﷺ نے سو اونٹ تک دیے، صفوان کو آپ ﷺ نے سو دیے پھر سو دیے۔ (صحیح مسلم ج۴ص ۱۸۰۶) یہ اخلاق تو آپ ﷺ کے بعثت سے پہلے تھے، آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل نے کہا، آپ ﷺ سب دیتے ہیں اور معدوم یعنی اخروی بھلائی کماتے ہیں۔ (صحیح بخاری ج۶ص ۱۴۳، صحیح مسلم ج۱ص ۸۳) آپ ﷺ نے ہوازن کو ان کے قیدی لوٹا دیے، ان کی تعداد چھ ہزار تھی۔

(صحیح بخاری کتاب الحکام ج۹ص ۵۹، مغازی ج۵ص ۱۲۶)

آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اتنا سونا دیا کہ وہ اس کو اٹھانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ (صحیح بخاری باب الصلوۃ ج۱ص ۷۶) آپ ﷺ کی خدمت میں نوے ہزار درہم آئے، آپ اس کو بورے پر رکھ کر کھڑے ہو گئے اور تقسیم کرنا شروع کر دیا، آپ ﷺ نے کسی سائل کو نہ لوٹایا یہاں تک سب تقسیم فرمادیے۔ (ابوالحسن بن الضحاک فی الشمائل عن الحسن مرسلا کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ص 64)

اس وقت ایک سائل نے حاضر ہو کر سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: "اب میرے پاس کچھ نہیں لیکن تم میرے نام پر خرید لو جب میرے پاس آجائیں گے میں ادا کر دوں گا۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو اتنی تکلیف نہیں دی جس پر آپ ﷺ قادر نہ ہوں، حضور ﷺ نے اس بات کو ناپسند فرمایا۔

(شمائل ترمذی ص ۲۸۱)

انصار میں سے ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ ﷺ خرچ کیجیے، عرش کے مالک اللہ عزوجل سے کمی کا خوف نہ کیجیے، حضور ﷺ مسکرادیے اور خوشی کے آثار آپ ﷺ کے چہرہ انور پر نمودار ہوگئے اور فرمایا: ''مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے''، اس کو ترمذی رحمہ اللہ نے نقل کیا۔ معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک طباق کھجور اور ککڑی لایا تو آپ ﷺ نے لپ بھر کے زیور اور سونا مرحمت فرمایا۔

(سنن ترمذی ج۴ص۳۸۵، مسند امام احمد ج۳ص۲۷۳، ۱۰۸، ۱۲۵)

بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کل کے لیے کبھی کوئی چیز جمع کر کے نہ رکھتے تھے۔

(سنن ترمذی ج۲ص۱۰، شمائل ترمذی ص۲۸۰)

غرضیکہ حضور ﷺ کے جود و کرم کے واقعات بکثرت ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر سوال کیا تو اس کو آپ ﷺ نے نصف وسق یعنی تیس صاع عطا فرمائے، ایک اور شخص نے آکر تقاضہ کیا آپ ﷺ نے اس کو ایک وسق یعنی ساٹھ صاع دیے اور فرمایا: نصف تیرے قرضہ میں اور نصف تم کو بخشش میں۔

چودھویں فصل

آپ ﷺ شجاعت و بہادری

شجاعت اور نجدہ ایک فضیلت ہے۔ شجاعت یہ ہے کہ غضب کی قوت ہوتے ہوئے اس کو عقل کے تابع کر دیا جائے، نجدہ یہ ہے کہ موت کے وقت نفس مطمئن ہو اور اس کے اس فعل کی تعریف کی جائے، یہ خوف کی ضد ہے۔

حضور ﷺ کی شجاعت و بہادری اس مرتبہ تک تھی کہ کوئی اس سے ناواقف نہ تھا، یعنی مشہور تھی، آپ ﷺ کو بہت سے سخت مواقع پیش آئے کہ بڑے بڑے بہادر شجاع نہ ٹھہر سکے مگر آپ ﷺ ثابت قدم رہے اور نہ ہٹے، مقابلہ کیا مگر پیٹھ نہ دکھائی، نہ وہاں سے ایک انچ ادھر ادھر ہوئے۔ کوئی شجاع ہو مگر وہ بھاگنے پر مجبور ہوتا ہے، وہ دور شمار میں آتا ہے اور اس کے ٹل جانے کی یاد باقی رہتی ہے لیکن حضور ﷺ ہر مقام پر ثابت قدم ہی رہے۔

حدیث: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا: کیا غزوۂ حنین کے دن تم لوگ حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، کہا لیکن رسول اللہ ﷺ نہیں بھاگے تھے، پھر کہا کہ میں نے حضور ﷺ کو سفید دراز گوش پر دیکھا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس کی لگام پکڑے ہوئے تھے، درآنحالیکہ حضور ﷺ یہ رجز پڑھ رہے تھے: اَنَا النَّبِيُّ لَاکَذِبَ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ: یعنی میں وہ نبی ہوں جو جھوٹا نہیں اور میں عبد المطلب کی اولاد ہوں۔

پس اس دن حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی بہادر نہ دیکھا گیا، ایک راوی کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ اپنے

دراز گوش (خچر) سے اتر گئے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۵ ص ۱۲۶، صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۰۰)

مسلم نے حضرت عباس سے نقل کیا، جب مسلمان اور کافر گتھم گتھا ہو گئے اور مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تو حضور ﷺ اپنے دراز گوش (خچر) کو ایڑ لگا کر کفار کی طرف بڑھتے تھے اور میں اس کی لگام پکڑے ہوئے تھا اور آپ ﷺ کو روکتا تھا کہ جی نہ کریں یہاں تک کہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کی رکاب پکڑلی، پھر پکارا: اے مسلمانو! (آخر حدیث تک) (صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۳۹۸)

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غصہ فرماتے، حالانکہ آپ ﷺ کا غضب صرف اللہ عزوجل کے لیے ہوتا، تو کوئی چیز آپ ﷺ کے غضب کی تاب نہ لا سکتی تھی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے بڑھ کر کسی کو بہادر، صاحب حوصلہ، سخی اور ہر معاملہ میں خوش نہ دیکھا۔ (مقدمہ دارمی ج ۱ ص ۳۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب لڑائی شدت اختیار کر جاتی اور آنکھیں سرخ ہو جاتیں تو ہم رسول اللہ ﷺ کے بچاؤ کی فکر کرتے لیکن آپ ﷺ سے زیادہ کوئی بھی دشمن کے قریب نہ ہوتا۔ بدر کے دن بیشک تم نے مجھ کو دیکھا ہے ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ میں تھے اور آپ ﷺ ہم سے آگے دشمن کے قریب تھے اور اس دن سب سے بڑھ کر آپ ﷺ لڑائی میں تھے اور کہتے ہیں کہ بہادر وہی گنا جاتا تھا جو دشمن کے قریب ہونے کے وقت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نزدیک ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ دشمن کے قریب ہوتے تھے۔

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۰۱، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵۸، ج ۵ ص ۱۳۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تمام لوگوں سے بہتر، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔

ایک رات مدینہ کے لوگ گھبرا گئے اور لوگ آواز کی جانب چل پڑے تو دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس جانب سے واپس آرہے ہیں، گویا آپ ﷺ اس آواز کی طرف پہلے ہی پہنچ گئے تھے اور خیر کی خبر لائے تھے، آپ ﷺ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر بلا زین و کاٹھی سوار ہو کر تلوار گلے میں لٹکا کر تشریف لے گئے تھے، آپ ﷺ فرماتے تھے ”ہر گز خوفزدہ نہ ہو“۔

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۰۲ صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۴ ص ۱۵۰)

عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب کسی لشکر کے مقابل ہوتے تو مسلمانوں میں سے سب سے پہلے حملہ کرتے۔ (مکارم الاخلاق صفحہ ۵۴)

اور جب ابی ابن طلف (منافق) نے یوم احد حضور ﷺ کو دیکھا تو وہ کہتا تھا: کہاں ہیں محمد! اگر وہ بچ گئے تو میری خیر نہیں، بدر کے دن جب نبی کریم ﷺ آئے اور اس سے فدیہ لیا گیا تو اس نے کہا تھا: میرے پاس ایک گھوڑا ہے اس کو روزانہ ایک رطل بھر چنے کا ٹوکرا کھلا کر پالوں گا تاکہ اس پر سوار ہو کر آپ ﷺ کو (معاذ اللہ) شہید کر دوں، تب حضور ﷺ نے فرمایا: (او بد بخت!) انشاء اللہ عزوجل میں ہی تم کو قتل کروں گا۔

پس جب جنگ احد میں اس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو تیزی سے گھوڑا بڑھا کر حضور ﷺ پر حملہ آور ہوا، مسلمانوں نے اس کا راستہ روک لیا، حضور ﷺ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو، اسی طرح حضور ﷺ نے حارث بن صمہ سے مبارزت فرمائی تو آپ ﷺ نے اس کو اس طرح جھنجھوڑا کہ کفار ایسے بھاگے جس طرح اونٹ کی کمر سے مکھی بھنبھناتی اڑتی ہے جب اونٹ حرکت کرتا ہے، پھر آپ ﷺ نے اس کا مقابلہ فرمایا اور اس کی گردن میں اس شدت سے نیزے کی اَنّی ماری کہ وہ گھوڑے پر قلابازی کھاتا لڑکھڑتا گرا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی ایک پسلی توڑ دی۔

جب قریش کی طرف واپس لوٹا تو وہ کہتا تھا: مجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قتل کر دیا اور قریش کہتے تھے: کچھ مضائقہ نہیں، اس پر اس نے کہا: اگر وہ لوگ اس درد کا احساس کرتے جو مجھ کو ہوا تھا تو میں ان سب کو قتل کر دیتا، کیا یہ نہ کہا تھا کہ میں تجھ کو قتل کروں گا، خدا کی قسم اگر وہ مجھ پر تھوک دیتے تو یقیناً وہ مجھ کو قتل کر دیتے، غرضیکہ وہ مقام شرف میں مکہ واپس آتے آتے مر گیا۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج۳ص۲۵۸، طبقات ابن سعد ج۲، ص۴۶، مصنف عبدالرزاق ج۵ص۳۵۶، ۳۵۷)

پندرھویں فصل

آپ ﷺ کی حیا و چشم پوشی

حیاوہ ایک ایسی رقت ہے جو انسان کے چہرے پر اس وقت نمودار ہوتی ہے جب وہ کسی مکروہ عمل کو دیکھے جس کا نہ کرنا بہتر ہو۔

اِغْضَاءُ یعنی چشم پوشی، یہ ایک وہ صفت ہے جب انسان کسی ایسی چیز کو دیکھے جس کو اپنی طبیعت سے برا جانتا ہو پھر اس سے منہ پھیرے۔ تو اس میں بھی حضور نبی کریم ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حیا فرمانے والے اور سب سے بڑھ کر غض بصر یعنی چشم پوشی کرنے والے تھے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِىَّ فَيَسْتَحْىٖ مِنْكُمْ﴾

بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی تھی تو وہ تمھارا لحاظ فرماتے تھے۔ (الاحزاب:۵۳)

حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکی سے زیادہ حیا والے تھے، جب حضور ﷺ کسی چیز سے کراہت فرماتے تو ہم حضور ﷺ کے چہرہ انور سے پہچان جاتے، حضور ﷺ کا چہرہ انور لطیف تھا، ظاہری ج باریک تھی، آپ ﷺ حیا کی وجہ سے جس بات کو مکروہ سمجھتے اس سے رُودَررُو (بالمشافہ) کلام نہ کرتے، یہ آپ ﷺ کی شریف النفسی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۴ ص ۱۵۱ صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۰۹، شامل ترمذی ص ۲۸۳)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کسی کی طرف سے کوئی ناگوار اطلاع ملتی تو آپ ﷺ یہ نہ فرماتے کہ فلاں کا کیا حال ہے، وہ ایسا کہتا ہے، بلکہ آپ

ﷺ یہ فرماتے: فلاں قوم کیا کرتی ہے یا فلاں قوم کیا کہتی ہے، اس سے ان کو باز رہنے کی تلقین فرماتے اور ایسا کرنے والے کا نام نہ لیتے تھے۔ (سنن ابوداؤد شریف ج ۵ ص ۱۴۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہ فرمایا اور آپ ﷺ کسی کی موجودگی میں ناگوار بات کی نسبت کلام نہ فرماتے تھے، پس جب وہ چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس سے کہہ دیتے کہ اس کو دھو ڈالو اور ایک روایت میں یہ ہے کہ تم اس کو کہہ دیتے کہ اس کو اتار دے۔ (تو وہ اتار دیتا)

(سنن ابوداؤد ص ۵ ص ۱۴۳، شمائل ترمذی ص ۲۷۳)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ فحش گو تھے اور نہ عمداً فحش بات کہتے اور نہ بازاروں میں چلا چلا کر باتیں کرتے اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دیتے بلکہ اس کو معاف کر دیتے، درگزر فرماتے۔ (شمائل ترمذی ص ۲۷۴، سنن ترمذی ج ۴ ص ۲۳۶)

بروایت عبداللہ بن سلام اور عبداللہ بن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہما توریت میں ایسا ہی مروی ہے۔

انھیں سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ حیاء کی وجہ سے کسی کے چہرے پر نظر جما کر باتیں نہ فرماتے تھے اور آپ کسی کی مکروہ بات کو اضطراراً کنایتاً فرما دیتے تھے۔ (ابن ماجہ کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۶۸)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے کبھی حضور ﷺ کا ستر نہ دیکھا۔ (ابن ماجہ ج ا ص ۲۱۷، شمائل ترمذی ص ۲۸۳)

سولھویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن ادب و معاشرہ اور اخلاق

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن معاشرہ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب اور لوگوں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسعت اخلاق کے بارے احادیث صحیحہ بکثرت مذکور ہیں۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصف جمیل میں فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور لوگوں سے زیادہ کشادہ سینہ اور سب سے بڑھ کر صادق القول اور سب سے زیادہ نرم طبیعت اور سب سے برتر معاشرہ و برتاؤ تھا۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۸۲، شمائل ترمذی ص ۲۸۰ صحیح بخاری ج ۱ ص ۵)

حدیث: قیس ابن سعد رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا، اس واقعہ کو ذکر کرتے ہوئے آخر میں کہا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوٹنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت سعد نے اپنا دراز گوش (خچر) پیش کر کے اس پر ایک کمبل ڈال دیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر سوار ہوئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے قیس رضی اللہ عنہ سے کہا: تم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مصاحبت میں ساتھ جاؤ، قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سوار ہو جاؤ، میں نے انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سوار ہو جاؤ یا واپس چلے جاؤ، میں مجبوراً واپس آگیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم آگے بیٹھ جاؤ کیونکہ سواری کا مالک اس کا زیادہ مستحق ہے کہ وہ آگے بیٹھے۔ (سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۳۸۳، ص ۱۱۵)

رسول اللہ ﷺ لوگوں سے الفت فرماتے اور ان سے نفرت نہ کرتے تھے اور آپ ﷺ ہر قوم کے بااخلاق فرد کی تکریم کرتے اور ان کو ان پر حاکم مقرر کرتے (بد خلق) لوگوں کو خوف خدا دلاتے اور ان سے احتراز فرماتے نہ یہ کہ ان سے منھ پھیر لیں یا بد خلقی کریں، اپنے اصحاب کی نگرانی فرماتے اور اپنے ہمنشیں کو اس کا حصہ مرحمت فرماتے، حاضرین مجلس میں کوئی یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی اور بھی اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کے نزدیک مکرم ہے، جو شخص بھی آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کسی ضرورت سے زیادہ قریب ہوتا تو حضور ﷺ صبر فرماتے یہاں تک کہ وہ خود ہی اٹھ کر چلا جائے تو چلا جائے اور جو شخص بھی اپنی حاجت کے لیے آپ ﷺ سے سوال کرتا تو اس کو دے کر بھیجتے یا اس سے نرم بات کر تے، غرضیکہ آپ ﷺ کا اخلاق اس قدر وسیع تھا کہ تمام لوگوں پر وہ محیط تھا، گویا آپ سب کے باپ (بلکہ اس سے بڑھ کر) تھے اور تمام مسلمان آپ ﷺ کے نزدیک حق میں مساوی تھے۔

ابن ابی حالہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کی یہی تعریف کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمیشہ خوش رو، خوش خلق اور نرم دل رہتے اور آپ ﷺ سے کبھی بھی بد خلقی، بد کلامی، بازار میں چلا کر بولنا، بدگوئی اور عیب چینی صادر نہ ہوئی اور نہ آپ ﷺ خواہ مخواہ کسی کی مدح سرائی کرتے، جس چیز کو نہ چاہتے اس سے تغافل کرتے اور کوئی آپ ﷺ سے مایوس نہ ہوتا۔ (شمائل ترمذی ص ۲۶۷)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠

توکیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے تو بیشک وہ تمھارے گرد سے پریشان ہوتے۔ (آل عمران:۱۵۹)

اور فرماتا ہے:

﴿اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ﴾ برائی کو بھلائی سے ٹال۔(حم سجدہ:۳۴)

جو آپ ﷺ کو بلاتا آپ ﷺ اس کی سنتے، جو ہدیہ پیش کرتا قبول فرماتے تھے، اگرچہ ایک ٹکڑا گوشت ہی کا ہوتا اور آپ ﷺ اس کا بدلہ دیتے۔

(سنن ترمذی ج۲ص۳۹۷، صحیح بخاری ج۳ص۱۳۷، ابوداؤد ج۳ص۸۰۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہا ہوں، آپ ﷺ نے کبھی بھی مجھ سے اُف نہ فرمایا اور نہ کبھی میرے کسی کام کو کہا کہ یہ کیوں کیا اور نہ کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا: یہ کیوں نہ کیا؟(مسلم ج۳ص۱۸۰۴، بخاری ج۴ص۱۰)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اخلاق میں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص نہ تھا اور آپ ﷺ کے صحابہ یا گھر والوں میں سے کوئی بھی حضور ﷺ کو بلاتا تو آپ ﷺ لبیک ہی فرماتے۔(دلائل النبوۃ لابی نعیم کمافی مناہل الصفا ص۵۹)

جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی مجھے نہ روکا اور جب بھی مجھے دیکھتے تو آپ مسکرا دیتے۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ج۴ص۱۳۳، صحیح مسلم ج۳ص۱۹۲۶)

حضور ﷺ اپنے صحابہ سے خوش کلامی بھی فرماتے اور ان سے مل کر بیٹھتے اور ان سے باتیں کرتے اور ان کے بچوں کو پیار کرتے، گود میں بٹھاتے اور آزاد مرد، غلام، باندی اور غریب کی دعوت قبول فرماتے (سنن ابن ماجہ باب التجارات ج۲ص۷۷۰، شمائل ترمذی ص۲۲۳) اور عیادت (بیمار پرسی) شہر کے آخر کونے تک جاکر کرتے اور کسی معذور کا عذر قبول فرماتے تھے۔(صحیح بخاری باب غزوہ تبوک ج۶ص۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جس نے کان میں بات کی تو آپ ﷺ اس وقت تک اس کی سماعت فرماتے جب تک وہ خود علیحدہ نہ ہو جاتا اور جو کوئی بھی آپ ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیتا، آپ ﷺ اس سے اس وقت تک ہاتھ نہ چھڑاتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دیتا اور کبھی یہ نہ دیکھا گیا کہ آپ ﷺ کی اپنے ہمنشین سے آگے گھٹنے کر کے بیٹھے ہوں (سنن ابوداؤد باب الادب ج ۵ ص ۱۴۷، کشف الاستار ج ۲ ص ۱۵۸) اور جو بھی حضور ﷺ سے ملاقات کرتا تو اس سے پہلے سلام کرتے اور اپنے صحابہ علیھم الرضوان سے پہلے خود مصافحہ فرماتے (سنن ابوداؤد باب الادب ج ۵ ص ۳۷۹) اور یہ نہ دیکھا گیا کہ آپ اپنے صحابہ علیھم الرضوان کے سامنے پائے اقدس پھیلا کر بیٹھے ہوں (دار قطنی کما فی مناہل الصفاء ص ۷۰) کہ اس سے جگہ میں کسی کے لیے تنگی ہو اور آپ ﷺ اس کی عزت کرتے جو بھی حاضر بارگاہ ہوتا اور بسا اوقات اس کے لیے اپنا کپڑا یا اپنے نیچے کا بستر بچھا دیتے اور اس کو اس پر بیٹھنے کی تاکید فرماتے اگرچہ وہ انکار کرتا۔

اپنے صحابہ کی کنیت مقرر فرماتے اور ان کو ان کے اچھے ناموں سے مخاطب کرتے، یہ ان کی عزت افزائی تھی، آپ ﷺ کسی کی بات کو قطع نہ فرماتے اگر اس کی بات لمبی ہو جاتی تو یا تو منع کر دیتے یا کھڑے ہو جاتے اور یہ بھی مروی ہے کہ یا تو انتہا تک سماعت فرماتے یا خاموش بیٹھے رہتے۔

یہ بھی مروی ہے کہ اگر کوئی شخص اس حالت میں آیا کہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ ﷺ نماز کو مختصر کر کے اس سے آنے کا مطلب پوچھتے، جب آپ ﷺ اس سے فارغ ہو جاتے تو پھر نماز شروع کر دیتے، آپ ﷺ لوگوں سے زیادہ تبسم فرماتے اور ان سے پاکیزہ تر تھے، جب تک کہ آپ ﷺ پر قرآن نازل نہ ہوتا یا وعظ و خطبہ نہ فرماتے ہوتے۔

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کا حضور ﷺ سے بڑھ کر تبسم نہ

دیکھا۔ (شمائل ترمذی ص ۱۸۹، مسند امام احمد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نماز فجر کے بعد مدینہ منورہ کی باندیاں پانی بھرا برتن لاتیں اور حضور ﷺ ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے اور بسا اوقات سردی کا موسم بھی ہوتا تھا اور اس سے لوگ تبرک حاصل کرتے تھے۔

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۱۲)

سترھویں فصل

آپ ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت

حضور ﷺ کی شفقت و مہربانی اور رحمت تمام مخلوق پر، اس کے بارے میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمھاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔ (التوبہ:۱۲۸)

اور فرماتا ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ﴾

اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہاں کے لیے۔ (الانبیاء:۱۰۷)

بعض علما حضور ﷺ کی فضیلت میں کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے ناموں سے دو نام اس آیت کریمہ "بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ" میں عطا فرمائے۔

اور اسی کی مثل ابوبکر بن فواک رحمہ اللہ نے بھی نقل کیا ہے۔

حدیث: ابن شہاب علیہ الرحمہ سے بالاسناد مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ فرمایا اور غزوہ حنین کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ کو سو اونٹ غنیمت دیے، پھر سو اونٹ پھر سو اونٹ۔

ابن شہاب علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے ہم سے کہا، صفوان رضی اللہ عنہ

کہتے تھے کہ خدا کی قسم حضور ﷺ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا بہت عطا فرمایا، حالانکہ میں حضور ﷺ کو مخلوق میں سب سے برا سمجھتا تھا لیکن حضور ﷺ مجھے برابر عنایت فرماتے رہے، یہاں تک کہ اب میرا یہ حال ہے کہ مخلوق میں حضور ﷺ سے بڑھ کر کوئی مجھے محبوب نہیں۔

مروی ہے کہ ایک دیہاتی نے آکر حضور ﷺ سے کچھ مانگا، حضور ﷺ نے اس کو عنایت فرما دیا پھر فرمایا: کیا میں نے تم پر احسان کیا ہے؟ اس نے کہا نہیں اور نہ تم نے کچھ احسان کیا۔

اس پر مسلمان غضبناک ہوئے اور اس کے مارنے کو کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے ان کو اشارے سے روک دیا پھر حضور ﷺ کھڑے ہوئے اور اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور اس کی طرف مزید مال بھیجا، پھر فرمایا: کیا میں نے تم پر احسان کیا؟ اس نے کہا: ہاں، اللہ عزوجل آپ ﷺ کو اہل و عیال کی جانب سے برکت دے، پھر اس سے حضور ﷺ نے فرمایا: تو نے مجھ سے جو کہا کہا لیکن میرے صحابہ علیہم الرضوان کے دل میں تیری طرف سے انقباض (ناخوشی، رنجیدگی) ہے اگر تو پسند کرے تو تو ان کے سامنے بھی وہی کہہ دے جو تو نے مجھ سے کہا ہے تاکہ تیری طرف سے ان کے دل بھی صاف ہو جائیں، اس نے کہا: بہت اچھا، جب دوسرا دن آیا یا شام آئی تو وہ اعرابی آیا، حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک یہ وہی دیہاتی ہے، اس نے جو کچھ کہا، کہا پس میں نے اس کو کچھ اور دیا، اب وہ کہتا ہے کہ میں راضی ہو گیا، کیا یہ بات ٹھیک ہے؟ اس دیہاتی نے کہا: ہاں اللہ عزوجل آپ ﷺ کو اہل و عیال کی جانب سے برکت دے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا: میری اور اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس کی اونٹنی ہو اور وہ بھاگ جائے، پھر لوگ اس کے پیچھے دوڑیں مگر وہ اونٹنی قریب ہونے کی بجائے دور ہی بھاگتی جائے، اس وقت اس کا مالک ان سے کہے کہ میرے اور اونٹنی کے معاملہ میں تم دخل مت دو، میں اس کے لیے

تم سے زیادہ نرم ہوں اور وہ خوب جانتی ہے، پس وہ اونٹنی کے آگے سے آیا اور زمین کی سبزی دکھا کر اس کو پکڑ لیا اور لوٹا لایا، یہاں تک کہ وہ آگئی اور بیٹھ گئی اور اس کے اوپر کجاوہ باندھ دیا اور اس پر سیدھا بیٹھ گیا اور اگر میں تم کو چھوڑ دیتا جیسا کہ اس نے کہا تھا تو تم اس کو قتل کر دیتے اور وہ جہنم میں جاتا۔

(مجمع الزوائد ج وص ۱۲، ۱۵، کشف الاستار ج ۳ ص ۱۲۰، ۱۵۹)

حضور ﷺ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تم میں سے کوئی میرے صحابہ (علیہم الرضوان) کے بارے میں کچھ نہ پہنچائے، پس میں اس کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ جب میرا تمھاری طرف گزر ہو تو میرا دل صاف ہو۔ (ترمذی ج ۵ ص ۳۶۹، ابوداؤد ج ۵ ص ۱۸۳)

حضور ﷺ کو امت پر شفقت، تخفیف اور ان پر آسانی اس قدر منظور تھی کہ بعض وہ باتیں ناپسند فرماتے تھے جس میں یہ خوف ہو کہ کہیں ان پر فرض نہ ہو جائے، جیسا کہ حضور ﷺ خود ارشاد فرماتے ہیں: اگر امت کے بارے مجھے یہ بات شاق نہ ہوتی تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ ہر وضو کے ساتھ مسواک ضرور کریں (صحیح بخاری کتاب الجمعہ ج ۲، مسلم ج ا ص ۲۲۰) اور رات کی نماز (تہجد) (صحیح بخاری کتاب الوضو ج ا ص ۳۳، مسلم ج ا ص ۵۴۱) اور صوم وصال (پے در پے روزے رکھنا) (صحیح بخاری کتاب الصوم ج ۳ ص ۴۴، مسلم ج ۲ ص ۷۷۶) سے صحابہ کو منع فرمانا اور عمارت کعبہ میں داخل ہونے کو اس لیے ناپسند فرمایا (سنن ابوداؤد کتاب المناسک ج ۲ ص ۲۲۶، سنن ترمذی کتاب الصلوۃ ج ۲ ص ۱۸۰) کہ کہیں امت دشواری میں نہ پڑ جائے اور اللہ عزوجل سے اس کی آرزو کرنا کہ میرا سب اور لعنت کرنا امت کے لیے رحمت کر دے اور حضور ﷺ کا یہ حال مبارک کہ جب کسی بچے کے رونے کی آواز کو نماز میں سنا تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتے۔ (یہ سب حضور ﷺ کی شفقتوں میں سے ہے)

(صحیح بخاری کتاب الاذان ج ا ص ۱۱۸ صحیح مسلم ج ا ص ۳۴۲)

حضور ﷺ کی شفقتوں میں سے یہ بات بھی تھی کہ اپنے رب عزوجل سے دعا مانگی اور اس کا عہد لیا کہ میں جس شخص کو بھی برا کہوں یا لعنت بھیجوں تو اے مولا تو اس کو اس شخص کے لیے سبب پاکیزگی، رحمت، دعا، طہارت اور ایسی قربت جو قیامت کے دن مجھ سے نزدیک کردے، بنادے۔

(بخاری ج ۸ ص ۱۵ مسلم ج ۴ ص ۲۰۰۹،۴۰۰۸،۲۰۰۷، مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۹۰)

اور جب کوئی قوم حضور ﷺ کو جھٹلاتی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہو کر عرض کرتے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے حق میں آپ ﷺ کی قوم کی وہ باتیں جو آپ ﷺ کی تردید کرتی ہیں سنی ہیں اور بیشک پہاڑوں کے فرشتہ کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کا حکم بجا لائے جو کچھ آپ ﷺ کی مرضی ہو، پھر پہاڑوں کے فرشتہ نے آپ ﷺ کو پکارا اور حضور ﷺ پر سلام عرض کیا اور کہا: مجھے جو چاہے حکم دیجیے، اگر آپ ﷺ چاہیں تو دونوں پہاڑ ان پر الٹ دوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلکہ میں تو اس کی خواہش رکھتا ہوں کہ اللہ عزوجل ان کی پشتوں سے وہ لوگ پیدا فرمائے جو اللہ عزوجل کی عبادت کریں اور اس میں وہ کسی کو شریک نہ کریں۔

ابن منکدر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جبرئیل امین علیہ السلام نے حضور ﷺ سے عرض کیا: اللہ عزوجل نے آسمان، زمین اور پہاڑوں کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی اطاعت کریں، آپ ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت (دعوت) کو ڈھیل دیتا ہوں، شاید کہ اللہ عزوجل ان کو توبہ نصیب کرے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱ صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۲۰)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کو جب کبھی بھی دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے ان میں سے آسان کو پسند فرمایا۔

(صحیح بخاری ج ۳ ص ۹۱، صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۴۲۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہماری حالت وطبیعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وعظ فرمایا کرتے تھے بخوف اس بات کے کہ ہم اکتا نہ جائیں۔

(صحیح بخاری کتاب العلم ج ۱ ص ۲۱ صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۱۷۳)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ وہ ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوئیں جو سخت مزاج تھا، اس کو آگے پیچھے کرتیں (تاکہ وہ سدھر جائے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم نرمی اختیار کرو۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۰۰۴)

اٹھارھویں فصل

آپ ﷺ کی وفا، حسن عہد اور صلہ رحمی

حضور ﷺ کے اخلاق کریمہ میں وفا، حسن عہد اور صلہ رحمی یہ ہے کہ:

حدیث: عبداللہ بن حمساء رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ بعثت یعنی اظہار نبوت سے قبل میں نے حضور ﷺ سے ایک معاملہ خرید و فروخت کا کیا تھا، اس کا کچھ روپیہ باقی رہ گیا تھا، میں نے وعدہ کیا کہ میں اس جگہ آکر آپ ﷺ کو روپیے ادا کروں گا، میں بھول گیا، تین دن کے بعد مجھے یاد آیا، میں آیا اور دیکھا کہ حضور ﷺ ہنوز اسی جگہ تشریف فرما ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے جوان! تو نے مجھے تکلیف دی تین دن سے اس جگہ تیرا انتظار کر رہا ہوں۔ (سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۲۶۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جب کوئی ہدیہ لاتا تو آپ ﷺ فرماتے: اس کو فلاں عورت کے گھر لے جاؤ جو ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی ہے وہ عورت ان کو بہت محبوب رکھتی تھی۔ (ابن حبان ج ص ۷۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جس قدر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر غیرت کھائی ہے کسی عورت پر اتنی غیرت نہ کھائی، میں نے حضور ﷺ کو ان کا ذکر کرتے سنا ہے، جب بھی آپ ﷺ بکری ذبح فرماتے تو ان کی سہیلیوں کو ضرور ہدیہ ارسال فرماتے، آپ ﷺ سے ان کی بہن نے اجازت مانگی تو آپ ﷺ ان کے آنے سے خوش ہوئے۔

ایک عورت حضور ﷺ کی خدمت میں آئی، آپ ﷺ نے خوشی کا اظہار فرمایا اور اچھی طرح

خیریت دریافت کی، جب وہ چلی گئی تو فرمایا: یہ عورت حضرت خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے زمانے میں آتی تھی، ایمان کی خوبیوں میں سے حسن سلوک بھی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الفضائل ج۵ ص۳۲، صحیح مسلم ج۴ ص۱۸۸۸)

بعض علمانے آپ ﷺ کی یوں تعریف بیان کی ہے کہ آپ ﷺ اپنے قرابت داروں سے ملتے تھے بغیر اس تخصیص کے کہ کون ان میں افضل ہے۔ (یعنی ہر ایک سے ملتے تھے)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ فلاں کی اولاد میرے ورثاء میں نہیں سوائے اس کے کہ ان سے قرابت ہے، سو اس کی برتری سے ان کو ترجیح دیتا ہوں یعنی ملتا ہوں۔

(صحیح بخاری کتاب الادب ج۸ ص۷ صحیح مسلم ج۱ ص۱۹۸)

بیشک حضور ﷺ نے امامہ بنت زینب (نواسی رسول ﷺ) کو اپنے کندھے پر اٹھا کر نماز پڑھی ہے، پس جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو ان کو نیچے اتار کر سجدہ کرتے پھر جب کھڑے ہوتے تو ان کو اٹھا لیتے۔ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نجاشی (بادشاہ حبش) کی طرف سے ایک وفد بارگاہ میں حاضر ہوا، حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر استقبال کیا اور ان کی تواضع کی، آپ ﷺ کے صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ہم حضور ﷺ کی طرف سے خدمت کے لیے کافی ہیں، فرمایا: یہ ہمارے صحابہ کی (بوقت ہجرت از مکہ تا حبش) خاطر کرتے رہے ہیں، اب میری خواہش ہے کہ میں ہی ان کی خاطر کروں۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ ص۳۰۷)

اور جب آپ ﷺ کی رضاعی بہن شیماء ہوازن کے قیدیوں میں آئی اور اس نے حضور ﷺ کو پہچان لیا تو آپ ﷺ نے اس کے لیے چادر شریف بچھا دی اور فرمایا: اگر تم میرے پاس عزت و محبت سے رہنا چاہو تو رہ سکتی ہو ورنہ میں تمھیں کچھ سامان دے کر تمھاری قوم کی طرف لوٹا دوں، تو انھوں نے

اپنی قوم میں جانا پسند کیا، آپ ﷺ نے سامان دے کر واپس کر دیا۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج۵ ص۱۹۹، البدایۃ والنھایہ ج۴ ص۱۲۳، ۳۴۲)

ابوالطفیل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے بچپن میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ ایک عورت آئی، جب حضور ﷺ کے نزدیک ہوئی تو آپ ﷺ نے اس کے لیے چادر بچھائی، میں نے کہا: یہ عورت کون ہے؟ صحابہ نے کہا کہ یہ حضور ﷺ کی والدہ ہیں جس نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا ہے۔

(سنن ابوداؤد ج۵ ص۳۵۳، دلائل النبوہ للبیہقی ج۵ ص۱۹۹)

عمرو بن السائب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن حضور ﷺ تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والد آ گئے، آپ ﷺ نے ان کے لیے چادر کا تھوڑا حصہ بچھا دیا، وہ اس پر بیٹھ گئے، اتنے میں آپ ﷺ کی (رضاعی) والدہ آ گئیں تو آپ ﷺ نے چادر کا دوسرا حصہ بچھا دیا، وہ اس پر بیٹھ گئیں، پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی آ گئے تو حضور ﷺ کھڑے ہو گئے اور ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ (سنن ابوداؤد ج۵ ص۳۵۴، دلائل النبوہ للبیہقی ج۵ ص۲۰۰)

حضور ﷺ ثویبہ باندیِ ابولہب کو اپنے دودھ پلائی کے صلہ میں کپڑے بھیجا کرتے تھے پھر جب وہ فوت ہو گئی تو آپ ﷺ نے اس کے قرابت داروں کو دریافت کیا: کہا گیا کہ کوئی باقی نہیں ہے۔

(طبقات ابن سعد ج۱ ص۱۰۹، ۱۰۸)

حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ خوش ہیں؟ خدا کی قسم اللہ عزوجل ہرگز آپ (ﷺ) کو رسوا نہ کرے گا کیونکہ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں اور کل کا بوجھ اٹھاتے ہیں، فقیروں کو کھلاتے اور مہمان کی تواضع کرتے ہیں اور مصیبتوں پر حق کی مدد کرتے ہیں۔ (صحیح مسلم ج۱ ص۲۱۴۱، بخاری کتاب التفسیر ج۱ ص۱۴۳)

انیسویں فصل

آپ ﷺ کا تواضع فرمانا

حضور ﷺ کا تواضع کرنا باوجودیکہ آپ ﷺ جلیل المنصب اور رفیع المرتبت ہیں، پس لوگوں میں سب سے بڑھ کر متواضع تھے اور تکبر آپ ﷺ سے معدوم تھا۔

اس خصوص میں تم کو صرف یہ حدیث کافی ہے کہ حضور ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ کیا آپ ﷺ نبی بادشاہ ہونا پسند کرتے ہیں یا نبی بندہ؟ تو آپ ﷺ نے نبی بندہ ہونا پسند فرمایا، اس وقت آپ ﷺ سے حضرت اسرافیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی اسی تواضع کی بنا پر اللہ عزوجل قیامت کے دن آپ ﷺ کو تمام اولاد آدم علیہ السلام کی سرداری مرحمت فرمائے گا اور آپ ﷺ ہی وہ پہلے شخص ہوں گے جو شفاعت کریں گے۔ (مسند امام احمد ج ص ۲۳۱، دلائل النبوہ ج ۲ ص ۳۶۹)

حدیث: ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ عصا مبارک پر ٹیک لگائے جب ہم پر تشریف لائے تو ہم آپ ﷺ کے لیے کھڑے ہو گئے، آپ ﷺ نے فرمایا: عجمیوں کی طرح نہ کھڑے ہو کہ وہ ایک دوسرے کی یونہی تعظیم کرتے ہیں اور فرمایا: میں تو ایک بندہ ہوں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح بندہ کھاتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح بندہ بیٹھتا ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۳۹۸، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۲۶۱)

حضور ﷺ دراز گوش (خچر) پر سوار ہوتے تو کسی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا کرتے تھے اور مسکینوں کی عیادت کرتے اور غریبوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول کرتے اور اپنے صحابہ میں

مل جل کر اس طرح بیٹھ جایا کرتے کہ جہاں جگہ ملتی۔ (شمائل ترمذی ص ۲۶۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: مجھے اتنا نہ بڑھاؤ جتنا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو بڑھایا (کہ انھوں نے خدا کا بیٹا مان لیا معاذ اللہ) میں تو بندہ ہی ہوں تو مجھ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول (علیہ السلام) کہو۔

(بخاری کتاب الانبیاء ج ۴ ص ۱۳۴، ابوداؤد کتاب الرقاق، مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۰-۲۳-۲۴-۳۴-۴۷-۵۵)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت جس کی عقل میں خلل تھا، آئی، اس نے کہا: مجھے آپ ﷺ سے ایک حاجت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ام فلاں! تو مدینہ کے جس راستہ پر چاہے بیٹھ جا وہیں بیٹھ کر تیری ضرورت پوری کروں گا، وہ بیٹھ گئی تو حضور ﷺ بھی بیٹھ گئے، یہاں تک کہ اس کی ضرورت پوری ہوگئی۔ (مسلم ج ۲ ص ۱۸۱۳)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دراز گوش (خچر) پر سوار ہوتے تھے اور غلاموں کی دعوت قبول فرماتے تھے، بنی قریظہ کے دن آپ ﷺ دراز گوش پر سوار تھے، جس کی مہار کھجور سے بٹی ہوئی رسی کی تھی اور اس پر پالان تھا۔

(سنن ترمذی ج ۲، ص ۲۴۱، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۳۹۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جو کی روٹی اور باسی سالن پر بلائے جاتے تو بھی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ (سنن ترمذی ج ۲ ص ۳۴۴، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۸۱۵، شمائل ترمذی ص ۲۶۳) اور کہا کہ حضور ﷺ نے پرانے کجاوہ پر حج فرمایا، اس پر جو صوف کی چادر تھی وہ چار درہم سے زیادہ کی نہ تھی۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الحج ج ۲ ص ۹۲۵، شمائل ترمذی ص ۲۲۴، بیہقی ج ۵ ص ۴۴۴) اسی حال میں آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی: اے اللہ عزوجل اس کو خالص حج بنا جس میں ریا و نمود نہ ہو، حالانکہ یہ حج

آپ ﷺ نے اس وقت کیا تھا جب آپ ﷺ پر زمین کے خزانے کھول دیے گئے تھے اور اس حج میں سواونٹ ہدی (قربانی) کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الحج باب حجۃ النبی ج ۲ ص ۸۸۲)

اور جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور آپ ﷺ مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اللہ عزوجل کے حضور میں عاجزی و تواضع سے سر کو پالان پر جھکا دیا تھا یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کے اگلے لکڑی کے سرے پر آپ ﷺ کا سر لگ جائے۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۵ ص ۲۹-۲۸ مستدرک ج ۳ ص ۴۷، مسند ابی یعلی ج ۲ ص ۱۲۰)

حضور ﷺ کے متواضعانہ حالات میں سے ایک آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ "مجھ کو یونس ابن مَتّٰی علیہ السلام (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج ۴ ص ۱۲۶ صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۸۴۶) پر فضیلت نہ دو اور نہ انبیا علیہم السلام کے درمیان فضیلت دو اور نہ مجھ کو موسی علیہ السلام پر پسند کرو (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج ۴ ص ۱۲۶، صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۴۴) اور ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کے مستحق ہیں، جتنی دیر حضرت یوسف علیہ السلام قید خانہ میں رہے، اتنے دن میں رہتا تو بلانے والے کی پکار کو مان لیتا" (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج ۴ ص ۱۱۷ صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۸۳۹) اور آپ ﷺ نے اس شخص سے فرمایا جس نے آپ ﷺ کو "یا خیر البریہ" کہا تھا، یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۸۳۹)

عنقریب ان احادیث پر اس کے بعد انشاء اللہ عزوجل بحث آئے گی۔

ام المومنین حضرت عائشہ، حسن اور ابی سعید وغیرہ رضی اللہ عنھم سے آپ ﷺ کی تعریف میں مروی ہے اور بعضوں نے کچھ زیادہ بھی کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے گھر میں اپنے اہل خانہ کا کام میں ہاتھ بٹاتے اور اپنے کپڑوں کو صاف فرماتے اور اپنی بکری کا دودھ دوہتے اور اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے، اپنی نعلین گانٹھتے، اپنی خدمت آپ ﷺ کرتے اور گھر کی صفائی کرتے اور اونٹ کے عقال

ڈالتے اور اس کو چارہ دیتے اور خادم کے ساتھ کھانا ملاحظہ فرماتے اور خادمہ کے ساتھ آٹا گندھواتے اور بازار سے اپنا سامان خود لاتے تھے۔

(صحیح بخاری ج۸ ص۱۳، شمائل ترمذی ص۲۷۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج۵ ص۳۲۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کی باندیوں سے کوئی باندی حضور ﷺ کا دست مبارک پکڑ لیتی تو حضور ﷺ کو جہاں چاہتی لے جاتی یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا کام کر دیتے۔

ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا، حضور ﷺ کے رعب سے اس کے بدن پر رعشہ آ گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: خوفزدہ نہ ہو، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں قریش کی ایک عورت کا فرزند ہوں جو خشک گوشت کھاتی تھی۔ (صحیح بخاری ج۸ ص۱۸، ابن ماجہ ج۲ ص۱۳۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ بازار گیا، آپ ﷺ نے قبا خریدی اور تولنے والے سے کہا: اس کو جھکتا تول، پورا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ وزن کرنے والا جی اٹھا اور حضور ﷺ کے دست مبارک کو بوسہ دینے لگا، آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا: ایسا ہی عجمی اپنے بادشاہوں سے کرتے ہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں تو تم میں سے ایک مرد ہوں، پھر آپ ﷺ نے قبا لے لی، میں آگے بڑھا کہ حضور ﷺ سے یہ بوجھ لے لوں، آپ ﷺ نے فرمایا: شے کا مالک اس کا زیادہ حقدار ہے کہ وہ اس کو اٹھائے۔

(طبرانی اوسط فی مناہل الصفا للسیوطی ص۷۶)

بیسویں فصل

آپ ﷺ کا عدل، امانت، عفت اور صدق قال (راست گوئی)

حضور ﷺ کا عدل و انصاف، امانت و پاکبازی اور سچائی کا حال یہ ہے کہ لوگوں میں سب سے زیادہ امانت دار، سب سے بڑھ کر آپ ﷺ کا انصاف اور ان میں سب سے زیادہ پاکباز اور راست گو تھے، جب سے آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، ان اوصاف کا آپ ﷺ کے سخت سے سخت تر دشمن اور مخالف کو بھی اعتراف تھا اور اظہار نبوت سے قبل آپ ﷺ کو امین کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔

ابن اسحاق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کو امین اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ ﷺ میں اللہ عزوجل نے اخلاق صالحہ جمع فرما دیے تھے، اللہ عزوجل کے فرمان "مُطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ" (تکویر:۲۱) کی تفسیر میں اکثر مفسرین یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں۔

جب قریش کا خانہ کعبہ کی تعمیر میں اختلاف ہوا کہ کون حجر اسود کو نصب کرے تو انھوں نے فیصلہ کیا صبح جو سب سے پہلے داخل ہو وہ نصب کرے، چنانچہ حضور ﷺ داخل ہوئے، یہ واقعہ قبل اظہار نبوت کا ہے، قریش نے بیک زبان کہا کہ یہ تو محمد (ﷺ) ہیں، یہ امین ہیں، ہم ان سے راضی ہیں۔

ربیع ابن خثیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنے مقدمات فیصلے کے لیے حضور ﷺ کے پاس لے جاتے تھے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: خدا کی قسم میں آسماں میں بھی امین ہوں اور زمین میں بھی امین۔

حدیث: حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ سے بالا سناد مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے ابوجہل نے کہا: ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے ہیں بلکہ جو آپ لے کر آئے ہیں اس کی تکذیب کرتے ہیں، اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیہ کریمہ "لَا یُکَذِّبُوْنَكَ" (الانعام:۳۳): "وہ تمھیں نہیں جھٹلاتے" نازل فرمائی، اس کے علاوہ دوسروں نے بھی کہا کہ ہم آپ (ﷺ) کی تکذیب نہیں کرتے اور نہ ہم میں آپ (ﷺ) جھوٹے ہیں، ایک روایت میں ہے کہ اخنس بن شریق، ابوجہل سے بدر کے دن ملا۔ اس نے کہا: اے ابوالحکم! اس وقت میرے اور تمھارے سوا کوئی دوسرا نہیں ہے جو ہماری باتوں کو سنے مجھے بتلاؤ کہ کیا محمد ﷺ سچے ہیں یا جھوٹے؟ ابوجہل نے جواب دیا کہ خدا کی قسم بلاشبہ محمد (ﷺ) بالکل سچے ہیں اور انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ (تفسیر ابن جریر ج ۷ ص ۱۱۶، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۲۰۷)

ہرقل (بادشاہ روم) نے حضور ﷺ کے بارے میں ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) سے دریافت کیا کہ کیا تم ان کو اظہار نبوت سے پہلے جھوٹا پاتے تھے؟ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے کہا: نہیں۔
(صحیح بخاری کتاب الایمان ج ۱ ص ۵ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۹۳)

نضر بن حارث نے قریش سے کہا: کیا تم میں حضور ﷺ نے بچپن نہیں گزارا، کیا تم میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور تم سب سے زیادہ راست گو اور تم میں سب سے بڑھ کر امانت دار نہ تھے، یہاں تک کہ جب تم نے ان کی کنپٹی کے بالوں میں سفیدی دیکھی اور تمھارے پاس خدا کا کلام لائے تو تم کہنے لگے کہ وہ ساحر جادوگر ہیں، نہیں خدا کی قسم وہ جادوگر نہیں ہیں۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۲۰۱)

حضور ﷺ کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھوں نے کبھی اس عورت کے ہاتھوں کو نہ چھوا، جو آپ ﷺ کی ملک میں نہ ہو (یعنی بیوی یا باندی نہ ہو)
(صحیح بخاری کتاب الاحکام ج ۹ ص ۶۶)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو حضور ﷺ کی تعریف میں ہے، ذکر ہے کہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے بڑھ کر راست گو تھے اور صحیح حدیث میں ہے کہ تجھ پر افسوس ہے کہ اگر میں ہی عدل نہ کروں تو پھر کون عدل کرے گا، اگر میں عدل نہ کروں تو میں نقصان و خسارہ میں ہوں۔ (شمائل ترمذی ص ۲۱)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، جب بھی حضور ﷺ کو دو کاموں میں سے ایک کے اختیار کرنے کو کہا گیا، تو آپ ﷺ نے جب تک اس میں گناہ نہ ہو آسان کو اختیار کیا اور اگر اس میں گناہ ہو تو اور لوگوں سے زیادہ اس سے بچتے تھے۔

ابوالعباس مبرد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسری (ایران کے بادشاہ نوشیرواں) نے اپنے دنوں کو اس طرح تقسیم کر رکھا تھا اور کہتا کہ ہوا کا دن سونے کے لیے، ابر کا دن شکار کے لیے، بارش کا دن پینے کھیلنے کے لیے اور سورج یعنی روشنی کا دن ضروریات کے لیے مناسب ہے، ابن خَالُوَیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ (نوشیرواں) ان میں دنیاوی سیاست کا بہترین جاننے والا تھا۔ (جیسا کہ قرآن کریم میں ہے)

﴿يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۖ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾

جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں۔

(الروم:۷)

لیکن ہمارے نبی ﷺ نے اپنے دن کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا، ایک حصہ اللہ عزوجل کے لیے اور ایک حصہ اپنے اہل کے لیے اور ایک حصہ اپنے لیے، پھر اپنے حصہ کو بھی اپنے اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کر رکھا تھا، پس آپ ﷺ خاص لوگوں سے عام لوگوں کی مدد لیا کرتے تھے اور فرماتے کہ تم لوگ ان محتاج و غریب لوگوں کی حاجتیں مجھ تک پہنچاؤ، جو میرے پاس تک نہیں آسکتے ہیں کیونکہ جو

شخص ایسے لوگوں کی حاجت پہنچاتا ہے جو خود نہیں پہنچا سکتا، اللہ عزوجل اس کو بڑی گھبراہٹ والے دن (قیامت) میں امن دے گا۔ (شمائل ترمذی ص ۲۶۵)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کسی کو دوسرے شخص کے گناہ کے بدلے میں نہیں پکڑا کرتے تھے اور نہ کسی کی تصدیق دوسرے کے خلاف کرتے تھے۔

(مراسیل لابی داؤد حدیث ۴۶۸)

ابو جعفر طبری رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور وہ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں، "میں نے بھی جاہلیت کے دور میں اہل جاہلیت کے کاموں کے کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا، سوائے دو مرتبہ کے پھر ان دونوں کاموں میں اللہ عزوجل میرے اور میرے ارادے میں حائل ہو گیا، پھر میں نے بھی ارادہ نہیں کیا، حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے مجھ کو رسالت سے مشرف کیا"، مزید فرمایا: "میں نے ایک رات اپنے ساتھی لڑکے سے کہا جو میرے ساتھ بکریاں چرایا کرتا تھا، اگر تو میری بکریاں سنبھال لے تو میں مکہ میں جا کر جوانوں کی طرح وہ باتیں کروں جو وہ کرتے ہیں، پس میں اس ارادہ میں نکلا یہاں تک کہ میں مکہ کے پہلے مکان میں آیا تو میں نے کسی کی شادی کے سلسلہ میں وہاں دف اور باجہ بجنے کی آواز کو سنا، میں وہاں بیٹھ گیا کہ دیکھوں کیا گاتے ہیں؟ میرے کانوں پر غیبی طور پر کسی نے تھپکنا شروع کر دیا اور میں سو گیا، پھر میں دن چڑھے ہی بیدار ہوا اور لوٹ آیا اور میں کچھ نہ کر سکا، پھر ایک دفعہ ایسا ہی ایک اور واقعہ پیش آیا، اس کے بعد پھر کبھی میں نے ایسا ارادہ نہیں کیا"۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ص ۳۳، دلائل النبوہ لابی نعیم ص ۱۴۳، البدایہ ج۲ص ۲۸۷، الخصائص الکبری ج۱ص ۸۹)

اکیسویں فصل

آپ ﷺ کا وقار، خاموشی، مروت اور نیک سیرتی

حدیث: خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ مجلس میں باوقار تھے، آپ ﷺ کے اعضا سے کوئی چیز نہ نکلتی (جو وقار کے خلاف ہو) (مراسیل ابوداؤد باب الادب ص ۲۴۱)

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مجلس میں تشریف رکھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے احتبا کر لیتے تھے۔ (یعنی گھٹنوں کو کھڑا کر کے ان کو ہاتھوں یا کپڑے سے گھیر لینے کو احتبا کہتے ہیں) حضور ﷺ کی اکثر نشست احتبار ہوتی۔

(شمائل ترمذی ص ۱۱۹، ابوداؤد باب الادب ج ۵ ص ۱۷۵)

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ چہار زانو بیٹھتے اور کبھی بغیر احتبا تشریف رکھتے تھے۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد ج ۱ ص ۴۶۴، نسائی ج ۳ ص ۸۰، ابوداؤد ج ۵ ص ۱۷۸) یہ قیلہ کی حدیث میں ہے۔ (شمائل ترمذی ص ۱۱۸)

اور آپ ﷺ خاموش طبیعت تھے کہ بلا ضرورت کلام نہ فرماتے تھے، جو اچھی بات نہ کہے اس سے پہلوتہی فرماتے تھے اور آپ ﷺ کا ضحک (ہنسنا) صرف مسکرانا ہوتا، آپ ﷺ کی مجلس علم وحیا اور خیر وامانت کی مجلس ہوتی، اس میں زور زور سے بولنا نہ ہوتا اور بے پردہ عورتیں نہ بیٹھتیں، جب آپ کلام فرماتے تو آپ ﷺ کے صحابہ سر جھکا دیتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور آپ ﷺ

کی تعریف میں ہے کہ آپ ﷺ آگے کو جھک کر اور نرمی سے چلتے تھے، گویا کہ اوپر سے نیچے کی طرف چل رہے ہیں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ جب آپ ﷺ چلتے تو اپنے تمام اعضا کو سمیٹ کر چلتے، اس شان کے ساتھ کہ نہ اس میں گھبراہٹ ہوتی اور نہ سستی۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بہتر طریقہ حضور ﷺ کا طریقہ ہے۔ (صحیح بخاری باب الادب ج ۸ ص ۲۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں ترتیل و ترسیل تھی یعنی ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے۔ (ابوداؤد کتاب الادب ج ۲ ص ۲۹۳)

ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خاموشی چار صفتوں پر مبنی تھی، علم، قوت، تقدیر، تفکر۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ بجا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح باتیں کرتے کہ اگر شمار کرنے والا شمار کرنا چاہے تو کر سکے، آپ ﷺ عطر اور عمدہ خوشبو کو پسند فرماتے اور ان دونوں کو اکثر استعمال فرماتے اور دوسروں کو ان کی تلقین کرتے تھے۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۹۸)

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے تمھاری دنیا میں سے عطر اور بیوی محبوب ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔ (صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۹۸)

حضور ﷺ کی مروت میں سے یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں میں پھوکنے سے منع فرمایا (مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۰۹، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۸۰، ابوداؤد باب الاشربۃ ج ۲ ص ۱۳۵، ترمذی ج ۳ ص ۲۰۳، ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۰۹۴-۱۳۳۴) اور اپنے سامنے جو قریب ہو اس کے کھانے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری ج ۷ ص ۵۹، مسلم شریف

ج ۳ ص ۱۵۹۹) مسواک کرنے اور انگلیوں کے جوڑوں کوصاف کرنے اور خصال فطرت یعنی ختنہ کرنے، موئے زیرناف لینے، مونچھوں کے کترنے، ناخنوں کے کاٹنے، بغلوں کے بال لینے، کلی کرنے، داڑھی بڑھانے کا حکم دیا۔(صحیح بخاری کتاب اللباس ج ۷ ص ۱۳، صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۲۱)

بائیسویں فصل

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا زہد و تقویٰ

دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زہد و تقویٰ کا حال اخبار و احادیث سے پہلے گزر چکا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت طیبہ کے بیان میں اس کتاب میں آچکی ہیں، وہ تمھارے لیے بہت کافی ہیں، اب یہاں مختصر سا بیان کافی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا میں تھوڑے پر قناعت کرتے اور اس کی نمود و نمائش سے اجتناب فرماتے تھے، حالانکہ تمام دنیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وجہ سے پیدا کی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر فتوحات بکثرت ہوئیں، باوجود اس کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جب وصال فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک زرہ یہودی کے یہاں گھریلو اخراجات کے سلسلہ میں گروی پڑی ہوئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا (صحیح بخاری کتاب الرقاق ج ۸ ص ۸۲، صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۸۸۱)

اے اللہ عزوجل رزق کو اولاد محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے لیے توشہ بنا۔

حدیث: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد مروی ہے، آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی بھی تین دن متواتر شکم سیر ہو کر گیہوں کی روٹی نہ کھائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وصال فرمایا۔ (صحیح بخاری باب الاطعمہ ج ۷ ص ۶۵، صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۸۱، سنن ترمذی ج ص ۹)

دوسری روایت میں ہے کہ جو کی روٹی دو دن متواتر شکم سیر ہو کر نہ کھائی، اگر چاہتے تو یقیناً اتنا ملتا کہ کسی کے دل میں خطرہ ہی نہ رہتا، ایک اور روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کبھی گندم کی روٹی پیٹ بھر کر نہ

کھائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ عزوجل سے وصال فرمایا۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ترکہ میں نہ دینار تھے نہ درہم اور نہ بکری تھی نہ اونٹ۔ (صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۲۵۶)

عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ترکہ میں کچھ نہ چھوڑا، سوائے ہتھیاروں اور ایک خچر اور تھوڑی زمین کہ وہ بھی صدقہ کردی گئی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد ج ۴ ص ۲۶)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے گھر میں اس حال میں انتقال فرمایا کہ کوئی چیز ایسی نہ تھی جو کوئی جگروالا کھاتا صرف ایک طاقچہ میں کچھ جو تھے، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً مجھ سے فرمایا تھا کہ ''مجھ پر یہ پیش کش کی گئی تھی کہ مکہ کے میدان کو میرے لیے سونا کر دیا جائے، میں نے عرض کیا: نہیں اے میرے رب عزوجل! ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن کھاؤں جس دن میں بھوکا رہوں اس دن تیری بارگاہ میں مناجات کروں اور تجھ سے دعا مانگوں اور جس دن کھاؤں اس دن تیری حمد کروں اور تیرا شکر کروں''۔ (صحیح بخاری ج ۸ ص ۸۱، مسلم ج ۴ ص ۸۳-۲۲۸۴)

دوسری حدیث میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہوکر عرض کیا: اللہ عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پسند فرمائیں تو ان پہاڑوں کو سونا کردوں، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تھوڑی دیر سر کو نیچا رکھا پھر فرمایا: ''اے جبرئیل (علیہ السلام)! دنیا تو اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کہیں مال نہ ہو، اس کو وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہ ہو'' جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم اللہ عزوجل اس قول ثابت پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ثابت قدم رکھے۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰، ص ۳۱۵، مسند امام احمد ج ۲ ص ۱۷)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم آل محمد ﷺ کا یہ حال تھا کہ ایک ایک مہینہ گھر میں آگ تک روشن نہ ہوتی تھی صرف کھجور اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق ج ۸ ص ۸۴)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے حال میں وصال فرمایا کہ آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اہل خانہ نے جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہ بھرا تھا، حضرت عائشہ اور ابوامامہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی ایسا ہی منقول ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ مع اہل خانہ متواتر کئی راتیں یونہی گزارتے کہ کوئی چیز کھانے کی نہ پاتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۷ ص ۲۵ صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۸۱، ترمذی ج ۲ ص ۱۰-۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی نہ دسترخوان پر کھایا نہ پیالیوں میں اور نہ پتلی روٹی (چپاتی) اور نہ مسلّم بکری آپ ﷺ کے لیے کبھی تیار ہوتی۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق ج ۸ ص ۸۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ کا بستر جس پر آپ ﷺ آرام فرماتے تھے، چمڑے کا ہوتا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوتے

(صحیح بخاری ج ۸ ص ۸۲، شمائل ترمذی ص ۲۶۱، صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۶۵۰، ابوداؤد کتاب اللباس)

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا بستر اپنے گھر میں کمبل کا ہوتا جس کو دوہرا کر دیا جاتا تھا، آپ ﷺ اس پر آرام فرماتے، ایک رات میں نے اس کی چار تہہ کر دی، جب صبح ہوئی تو فرمایا: تم نے رات میرے لیے کیا بستر بچھایا تھا؟ میں نے اس کو بیان کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو کیونکہ اس پر نیند نے مجھے رات کی نماز سے

روک دیا۔ (شمائل ترمذی ص ۲۶۱) اور آپ ﷺ کبھی کھجور کے چھلکوں سے بنی ہوئی چار پائی پر بھی آرام فرماتے جس سے آپ ﷺ کے پہلو میں نشان پڑ جاتے۔

(بخاری کتاب المغازی ج ۵ ص ۱۲۸، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۳۹۰)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، نبی کریم ﷺ کا شکم مبارک کبھی بھی نہ بھرا اور نہ کبھی کسی سے اس کا شکوہ کیا، آپ ﷺ کو شکم سیر ہونے سے فاقہ زیادہ پسند تھا، بلا شبہ آپ ﷺ ساری ساری رات بھوکے رہے مگر یہ بھوک اگلے دن کے روزہ کو نہ روکتی، اگر آپ ﷺ چاہتے تو روئے زمین کے خزانے، پھل، میوے اور فراخ زندگی اپنے رب عزوجل سے مانگ لیتے اور جب میں آپ ﷺ کے پیٹ پر ہاتھ پھیرتی تو آپ ﷺ کی اس حالت اور بھوک کو دیکھ کر رحم آتا اور رو پڑتی تھی، اور میں عرض کرتی: میں آپ ﷺ پر قربان اگر آپ ﷺ دنیا میں سے اتنی غزا لے لیا کریں جو آپ ﷺ کی بھوک کے لیے کافی ہو (تو کیا مضائقہ) آپ ﷺ فرماتے: "اے عائشہ (رضی اللہ عنہا)! مجھے دنیا سے کیا سروکار! میرے بھائی اولوالعزم رسولوں نے اس سے زیادہ شدائد و مصائب پر صبر کیا ہے، وہ اسی حال میں گزر گئے اور اپنے رب عزوجل کے حضور پہنچ گئے، سو اللہ عزوجل نے ان کو عمدہ ٹھکانہ دیا اور بہترین جزا عطا فرمائی اور میں حیا کرتا ہوں کہ اگر یہاں خوشحالی میں رہوں تو کل ان سے کم درجہ میں رہوں، مجھے اس سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہیں کہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں (رسولوں) کے ساتھ جا ملوں" فرماتی ہیں: اس کے بعد ایک مہینہ بھی قیام نہ فرمایا کہ آپ ﷺ نے اپنی حیاتِ ظاہری پوری کر لی۔

تیئسویں فصل

آپ ﷺ کی خشیت و طاعت اور مشقت و ریاضت

حضور ﷺ کا خوف و طاعت الٰہی کرنا اور اس کے لیے عبادت میں مشقت برداشت کرنا یہ اپنے رب عزوجل کے علم و معرفت کے موافق تھا، اس لیے آپ ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا۔

حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے، حضور ﷺ کو اللہ عزوجل کا علم و عرفان حاصل ہے، اگر تم جانتے تو یقیناً تم ہنستے کم اور روتے زیادہ، ہماری روایت میں ابوعیسی ترمذی نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ زیادہ کیا ہے کہ ”میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے، آسمان چلاتا ہے اس کو چلانا ہی چاہیے اس میں چار انگلی کی بھی ایسی جگہ نہیں جس میں کوئی فرشتہ اللہ عزوجل کے لیے سجدہ نہ کرتا ہو، خدا کی قسم اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو یقیناً تم ہنستے کم اور روتے زیادہ اور بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرتے اور جنگل میں نکل جاتے اور اللہ عزوجل سے پناہ مانگتے اور کہتے کہ کاش میں درخت ہوتا جو کاٹا جاتا“ (سنن ترمذی کتاب الزہد ج۳ ص ۳۸۱، سنن ابن ماجہ کتاب الزہد ج۲ ص ۱۴۰۲) یہ کلام ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور یہ ہی صحیح ہے، مغیرہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری کتاب الرقاق ج ۸ ص ۸۷، صحیح مسلم کتاب المنافقین ج۴ ص ۲۱۷۲) کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اتنی نمازیں پڑھا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم مبارک پھول گئے تھے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اتنی نمازیں پڑھتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدم متورم ہو جاتے تھے، آپ سے کہا گیا: آپ ﷺ کیوں اتنی مشقت برداشت کرتے ہیں حالانکہ اللہ عزوجل نے آپ

ﷺ کے سبب اگلے پچھلوں کے تمام ذنوب معاف فرما دیے ہیں، فرمایا: ”کیا میں اللہ عزوجل کا شکر گزار بندہ نہ بنوں“۔

اسی کے مثل حضرت ابو سلمہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر عمل ہمیشگی کا ہوتا تھا، تم میں سے کون ہے کہ وہ طاقت رکھے جو حضور ﷺ رکھتے تھے، فرماتی ہیں: روزہ رکھتے تھے تو ہم کہتے اب کبھی افطار نہ کریں گے اور افطار کرتے تھے تو ہم کہتے اب روزہ نہیں رکھیں گے۔

(بخاری کتاب الصوم ج ۳ ص ۳۷، صحیح مسلم صلوۃ المسافرین ج ۱ ص ۵۴۱)

اسی کے مثل ابن عباس، ام سلمہ اور انس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، انھوں نے کہا کہ اگر تم یہ چاہو کہ حضور ﷺ کو رات میں نماز پڑھتا دیکھو تو نماز پڑھتے ملتے، اگر تم چاہو کہ حالت خواب میں محو استراحت دیکھو تو آپ ﷺ سوتے ملتے۔

(صحیح بخاری کتاب الصوم ج ۳ ص ۳۴، صحیح مسلم کتاب الصوم ج ۲ ص ۸۱۱، شمائل ترمذی ص ۲۴۴، سنن ابن ماجہ کتاب الصوم ج ۱ ص ۵۴۶، صحیح بخاری کتاب الصوم ج ۱ ص ۳۴)

عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہا، آپ ﷺ نے مسواک کی پھر وضو کیا، کھڑے ہو کر نماز میں مشغول ہو گئے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ شروع کی، جب آپ ﷺ کسی آیت رحمت کی تلاوت فرماتے تو کچھ وقفہ کرتے اور دعا مانگتے اور جب کسی آیت عذاب کو پڑھتے تو آپ ﷺ وقفہ کرتے اور اس سے پناہ مانگتے پھر آپ ﷺ نے قیام کے برابر طویل رکوع کیا، اس میں پڑھا: **سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْعَظَمَةِ**: پاک ہے وہ ذات جو صاحب شوکت و ملک اور عظمت والی ہے،

پھر سجدہ کیا اور یہی پڑھا، دوسری رکعت میں سورہ آل عمران پڑھی پھر سورت پڑھی، اسی طرح آپ ﷺ کرتے رہے۔ (ابوداؤد کتاب الصلوۃ ج ۱ ص ۱۳۹، شمائل ترمذی ص ۲۵۰، نسائی ج ۲ ص ۲۲۲)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور کہا کہ پھر سجدہ کیا قیام کے برابر اور اس کے برابر دو سجدوں کے درمیان جلسہ کیا اور کہا کہ آپ ﷺ نے سورہ بقرہ اور آل عمران اور نساء اور مائدہ پڑھیں۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۳۶)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور ایک ہی آیتِ قرآن کو پڑھتے پڑھتے رات تمام کر دی۔ (شمائل ترمذی ص ۲۳۲)

عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ کے شکم پاک سے ایسی آواز آرہی تھی جیسے ہانڈی پکتی ہے۔ (شمائل ترمذی ص ۲۵۵، ابوداؤد کتاب الصلوۃ ج ۱ ص ۴۲۳، سنن نسائی باب البکاء فی الصلوۃ ج ۳ ص ۱۳)

ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ غمگین و متفکر رہتے تھے، کسی آن آپ ﷺ کو راحت نہ تھی اور حضور ﷺ نے فرمایا: ”میں ہر روز سو مرتبہ استغفار پڑھتا ہوں“، ایک روایت میں ستر مرتبہ آیا ہے۔ (سنن ابوداؤد باب الوتر ج ۱ ص ۲۳۷، مسند امام احمد ج ۲ ص ۴۵۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کی سنت کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”معرفت (الٰہی) میری اصل پونجی ہے اور عقل میرے دین کی جڑ ہے اور محبت میری بنیاد ہے اور شوق میری سواری ہے اور ذکر الٰہی میرا غمخوار ہے اور پاکبازی میرا خزانہ ہے اور غم میرا ساتھی ہے اور علم میرا ہتھیار ہے اور صبر میری چادر ہے اور رضا میری غنیمت ہے اور فقر میرا فخر ہے اور زہد میری حرفت ہے اور یقین میری طاقت ہے اور صدق

میرا مددگار ہے اور طاعت میرا حسب ہے اور جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔

دوسری حدیث میں ہے کہ میرے دل کا محل اس کے ذکر میں ہے اور میرا غم اپنی امت کے لیے ہے اور میرا شوق میرے رب عزوجل کی طرف ہے۔

چوبیسویں فصل

انبیاعلیہم السلام کے کمالِ خلق اور محاسن جمیلہ

آگاہ ہو اور اللہ عزوجل ہمیں تمھیں توفیق خیر مرحمت فرمائے کہ بلاشبہ تمام نبی و رسول علیہم الصلوٰۃ والسلام صفات کے اعلیٰ وجہ الکمال، ولادت، حسن صورت، نسبی شرافت، پاکیزہ اخلاق اور تمام خوبیوں کے حامل تھے، ان صفتوں میں تمام خوبیاں آجاتی ہیں کیونکہ یہ ہی کمال کی صفات ہیں اور انسانی کمال و اکمال اور تمام فضیلتوں کے وہی جامع تھے، اس لیے کہ ان کا رتبہ تمام مرتبوں میں بزرگ اور ان کا درجہ تمام درجات میں اعلیٰ وارفع ہے لیکن اللہ عزوجل نے ان میں بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ فرماتا ہے:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ﴾

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی۔ (البقرہ:۲۵۳)

اور فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾

اور بے شک ہم نے انھیں دانستہ چن لیا اس زمانہ والوں سے۔ (الدخان:۳۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: سب سے پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا وہ چودھویں رات کے چاند کی صورت والے ہوں گے، پھر آخر حدیث میں فرمایا: (وہ گروہ) ایک ہی آدمی کی خلقت پر جوان کے والد حضرت آدم علیہ السلام کی صورت ہوں گے، ان کا طول ستر ہاتھ آسمان میں ہے۔

(صحیح بخاری باب عدہ اعلان ج۳ ص ۹۳، مسلم ج۴ ص ۲۱۷۹، ۲۱۷۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے حضرت موسی علیہ السلام کو (شب معراج) دیکھا، پس وہ ایک ایسے مرد تھے جن کی ناک اونچی باریک اور درمیان میں اٹھی ہوئی تھی، گویا کہ وہ قبیلہ شنوءۃ میں سے تھے۔

میں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو دیکھا تو وہ معتدل جوان اور ان کے چہرہ پر جھریاں، سرخ رنگ تھے گویا کہ وہ حمام میں سے نکلے ہیں، دوسری حدیث میں ہے کہ وہ یعنی عیسی علیہ السلام لاغر بدن مثل تلوار کے تھے اور فرمایا: "میں اولاد حضرت ابراہیم علیہ السلام میں ان (ابراہیم علیہ السلام) سے زیادہ مشابہ ہوں" ایک اور حدیث میں حضرت موسی علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا: گندم گوں مردوں میں جن کو تم دیکھتے ہو وہ سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج۱ ص ۱۵۳ صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج۳ ص ۱۲۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل حضرت لوط علیہ السلام کے بعد نبیوں کو ان کی قوم کی شریف نسلوں میں سے بھیجتا رہا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ وہ صاحب ثروت یعنی مال و منال میں زیادہ ہوتے تھے۔ (مستدرک ج۲ ص ۵۲۱)

ترمذی رحمہ اللہ نے قتادہ سے اور دارقطنی نے قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ عزوجل نے ہر نبی کو خوبصورت اور خوش آواز پیدا فرمایا اور تمھارے نبی ﷺ ان میں سب سے زیادہ خوبصورت اور خوش آواز ہیں۔ (شمائل ترمذی ص ۲۵۴)

حدیث ہرقل (بادشاہ روم) میں ہے، میں نے تم سے ان کے نسب کے بارے میں پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں صاحب نسب (شریف) ہیں اور یونہی ہر رسول علیہ السلام ان کی شریف نسلوں میں تشریف لاتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج۴ ص ۱۳۵)

اللہ عزوجل نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾

بیشک ہم نے اسے صابر پایا، کیا اچھا بندہ بیشک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔(ص:۴۴)

اور اللہ عزوجل نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ﴾ (الی قولہ) ﴿وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا﴾

اے یحییٰ! کتاب مضبوط تھام اور جس دن زندہ اٹھایا جائے۔(مریم:۱۵-۱۲)

اور فرمایا:

﴿اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَیِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ (آل عمران:۳۹)

بیشک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا جو اللہ کی طرف کے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ کے لیے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے۔

اور فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾

بیشک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل اولاد اور عمران کی آل کو سارے جہاں سے۔(آل عمران:۳۳)

اور اللہ عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ بیشک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔(الاسریٰ:۳)

اور فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی

الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ مِنَ الۡمُقَرَّبِیۡنَ(۴۵) وَ یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الۡمَہۡدِ وَ کَہۡلًا وَّ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ(۴۶)

اے مریم! اللہ تجھے بشارت دیتا ہے اپنے پاس سے ایک کلمہ کی جس کا نام ہے مسیح عیسی مریم کا بیٹا رو دار (باعزت) ہو گا دنیا اور آخرت میں اور قرب والا اور لوگوں سے بات کرے گا پالنے میں اور پکی عمر میں اور وہ خاصوں میں ہو گا۔(آل عمران:۴۵-۴۶)

اور فرماتا ہے:

﴿قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ ؕ اٰتٰنِیَ الۡکِتٰبَ وَ جَعَلَنِیۡ نَبِیًّا(۳۰) وَّ جَعَلَنِیۡ مُبٰرَکًا اَیۡنَ مَا کُنۡتُ ۪ وَ اَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوۃِ وَ الزَّکٰوۃِ مَا دُمۡتُ حَیًّا(۳۱)﴾(مریم:۳۰،۳۱)

بچہ نے فرمایا: میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں ہوں اور مجھے نماز اور زکوۃ کی تاکید فرمائی۔

اور فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ اٰذَوۡا مُوۡسٰی﴾

اے ایمان والو! ان جیسے نہ ہونا جنھوں نے موسی کو ستایا۔(الاحزاب:۶۹)

حضور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں: حضرت موسی علیہ السلام مرد باحیا اور انتہائی ستر پوش تھے کہ وہ کسی کو اپنے جسم کا کوئی حصہ حیا کی وجہ سے نہ دکھاتے تھے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿فَوَہَبَ لِیۡ رَبِّیۡ حُکۡمًا﴾

تو میرے رب نے مجھے حکم عطا فرمایا۔(الشعراء:۲۱)

اور ان میں سے ایک جماعت کی تعریف میں فرمایا:

﴿إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ﴾

بیشک میں تمھارے لیے اللہ کا امانت دار رسول ہوں۔ (اشعراء: ۱۴۲)

اور فرمایا:

﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾

بیشک بہتر نوکر وہ جو طاقتور امانت دار ہو۔ (القصص: ۲۶)

اور فرمایا:

﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ﴾

تو تم صبر کرو جیسا ہمت والے رسولوں نے صبر کیا۔ (الاحقاف: ۳۵)

اور فرمایا:

﴿وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا﴾ (إلى) ﴿فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾

اور ہم نے انھیں اسحاق اور یعقوب عطا کیے، ان سب کو ہم نے راہ دکھائی تو تم انھیں کی راہ چلو۔ (الانعام: ۸۴، ۹۰)

اس کے بعد اللہ عزوجل نے انبیا علیھم السلام کی اصلاح، ہدایت، اجتباء (پسندیدگی) حکم اور نبوت کے اوصاف کی بڑی تعریف فرمائی۔ فرمایا:

﴿وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ﴾

اور اسے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دی۔ (الذاریات: ۲۸)

﴿فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ﴾

تو ہم نے اسے خوشخبری سنائی ایک عقلمند لڑکے کی۔ (الصفت: ۱۰۱)

اور فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ (۱۷) اَنْ اَدُّوْۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ (۱۸)﴾

اور بیشک ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو جانچا اور ان کے پاس ایک معزز رسول تشریف لایا کہ اللہ کے بندوں کو مجھے سپرد کر دو بیشک میں تمھارے لیے امانت والا رسول ہوں۔(الدخان:۱۷-۱۸)

اور فرمایا:

﴿سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾

خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔(الصفت:۱۰۲)

اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا﴾ بیشک وہ چنا ہوا تھا۔(مریم:۵۱)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے فرمایا:

﴿نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ کیا اچھا بندہ، بیشک وہ بہت رجوع لانے والا۔(ص:۳۰)

اور فرمایا:

﴿وَ اذْكُرْ عِبٰدَنَاۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ (۴۵) اِنَّاۤ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ (۴۶) وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ (۴۷)﴾

اور یاد کرو ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب قدرت اور علم والوں کو بے شک ہم

نے انھیں ایک کھری بات سے امتیاز بخشا کہ وہ اس گھر کی یاد ہے اور بیشک وہ ہمارے نزدیک چنے ہوئے پسندیدہ ہیں۔(ص:۴۷-۴۵)

حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ﴾ بیشک وہ بڑا رجوع لانے والا۔(ص:30)

پھر فرمایا:

﴿وَ شَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَ اٰتَیْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الْخِطَابِ﴾

اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت اور قول فیصل دیا۔(ص:۲۰)

حضرت یوسف علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا:

﴿قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ (یوسف:۵۵)

(یوسف نے) کہا مجھے زمین کے خزانوں پر کردے بیشک میں حفاظت والا علم والا ہوں۔

حضرت موسی علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا:

﴿سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾

خدا نے چاہا تو قریب ہے کہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔(الصّٰفّٰت:۱۰۲)

حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

﴿سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾

قریب ہے ان شاء اللہ تم مجھے نیکوں میں پاؤ گے۔(قصص:۲۷)

اور فرمایا:

﴿وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰی مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا

﴿اَسْتَطَعْتُ ﴾

اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ جس بات سے تمھیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں میں تو جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں۔ (ھود:۸۸)

حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا﴾

اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم دیا۔ (الانبیاء:۷۴)

اور فرمایا:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ﴾

بیشک وہ بھلے کاموں میں جی کرتے تھے۔ (الانبیاء:۹۰)

حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ دائمی علم تھا جن کا ذکر بہت سی آیتوں میں ان کی عادتوں اور خصلتوں اور اخلاق کی نسبت کیا گیا، جن سے ان کا کمال معلوم ہوتا ہے اور بہت سی احادیث میں ان کا تذکرہ آچکا ہے، جیسے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: "بلاشک وتردد میں کریم ابن کریم ابن کریم ہوں"۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج ۴ ص ۱۱۹، مستدرک ج ۲ ص ۵۷۱-۵۷۰) یوسف بن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم علیہم السلام ہیں جو نبی ابن نبی ابن نبی ابن نبی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اسی طرح تمام انبیا علیہم السلام ہیں جن کی آنکھیں تو سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج ۴ ص ۱۵۲)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام باوجودیکہ ان کو بڑا ملک و سلطنت عطا فرمائی ہوئی تھی مگر اللہ عزوجل کی جناب میں ان کے خشوع و خضوع کا یہ عالم تھا کہ وہ آسمان کی طرف نظر نہ اٹھاتے تھے

اور لوگوں کو توقسم قسم کے لذیذ کھانے کھلاتے اور خود جو کی روٹی کھاتے تھے۔ (الزہدامام احمد بن حنبل ص ۹۱) آپ کی طرف وحی کی گئی کہ اے عابدوں کے سردار! اے زاہدوں کے پیشوا کے فرزند! آپ کا حال یہ تھا کہ ایک بڑھیا اس حالت میں آپ کو روک لیتی تھی کہ آپ ہوا کے دوش پر اپنے لشکر کے ہمراہ پرواز کر رہے ہوں، آپ علیہ السلام ہوا کو حکم دیتے تو ہوا ٹھہر جاتی، پھر اس کی ضرورت پر غور فرماتے پھر روانہ ہو جاتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ آپ علیہ السلام کا کیا حال ہے کہ زمین کے خزانوں کے مالک ہوتے ہوئے پھر بھوکے رہتے ہیں، فرمایا: مجھے یہ خوف دامن گیر ہے کہ میں اگر شکم سیر ہو گیا تو کہیں کسی بھوکے کو بھول نہ جاؤں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور کی قرأت آسان کر دی گئی تھی، آپ حکم دیتے کہ سواری پر زین کسی جائے، قبل زین کسنے کے آپ زبور کی تلاوت کر لیتے تھے، آپ علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی ہی کھاتے تھے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ (۱۰) اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِي السَّرْدِ﴾ (سبا:۱۱-۱۰)

اور ہم نے اس کے لیے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ۔

آپ علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل سے عرض کیا تھا کہ مجھے اپنے ہاتھ کی کمائی کا اتنا رزق دے کہ وہ بیت المال سے مستغنی کر دے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نماز حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز اور سب سے زیادہ محبوب روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ تھا، وہ آدھی رات کو سوتے اور تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سوتے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج ۴ ص ۱۲۸، صحیح مسلم ج ۲ ص ۸۱۶) صوف کا لباس پہنتے اور بالوں کا

بستر ہوتا، جو کی روٹی نمک ور یہ ملی ہوئی کھاتے تھے، اپنے پانی کو آنسوؤں سے ملاتے، بعد لغزش کسی نے ان کو ہنستا ہوا نہ دیکھا، اپنے رب عزوجل کے حیاء کی وجہ سے کسی نے آسمان کی طرف نظر اٹھاتے نہ دیکھا، اپنی ساری عمر روتے ہوئے ہی گزاری، ایک روایت میں ہے کہ آپ علیہ السلام اتنا روئے ہیں کہ آپ علیہ السلام کے آنسوؤں سے گھاس اگ آئی تھی، حتیٰ کہ آپ علیہ السلام کے رخساروں پر انھوں نے لکیریں ڈال دی تھیں۔ (کتاب الزہد ص۱۷) بعض نے کہا کہ آپ علیہ السلام چھپ کر گھر سے نکلتے اور اپنی عادت وخصلت کی معلومات حاصل کرتے تھے، آپ علیہ السلام اپنی تعریف سنتے تو تواضع و انکسار اور زیادہ کرتے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے کہا: اگر آپ گدھا رکھتے تو اچھا تھا، آپ نے فرمایا: میں اللہ عزوجل کے نزدیک اس سے برتر ہوں کہ میں گدھے کے ساتھ وقت گزاروں۔ (مصنف ابی شیب کمافی مناہل الصفا للسیوطی ص۸۷) آپ اون کا لباس پہنتے، درختوں کے پتے کھاتے اور آپ کوئی مکان نہ رکھتے تھے، جہاں بھی نیند آجاتی وہیں سو جاتے، آپ کے نزدیک سب سے پیارا نام یہ تھا کہ کوئی مسکین کہہ کر یاد کرے۔ (کتاب الزہد ص۵۵)

بعض کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کے کنوئیں پر پہنچے تو کمزوری کی وجہ سے آپ علیہ السلام کے پیٹ سے سبزی کے دانے نظر آتے تھے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: مجھ سے پہلے تمام نبیوں کو آزمائش میں ڈالا گیا، کسی کو فقر سے کسی کو جوؤں سے اور یہ ان کے لیے تمھارے تحفے سے زیادہ محبوب تھا۔ (مستدرک کتاب الرقاق ج۴ ص۳۰۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خنزیر (سؤر) سے کہا جب وہ آپ کو ملا۔ "سلامتی کے ساتھ جا" اس بارے میں آپ سے کہا گیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: میں مکروہ جانتا ہوں کہ اپنی زبان کو بری بات سے

آلودہ کروں۔

مجاہد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت یحیٰ علیہ السلام کا کھانا تر گھاس تھی اور خشیت الٰہی سے اتنا روتے تھے کہ آنسوؤں سے ان کے رخساروں پر گڑھے پڑ گئے تھے اور آپ علیہ السلام وحشی جانوروں کے ساتھ کھاتے تاکہ آپ علیہ السلام لوگوں سے نہ ملیں۔(البدایہ والنھایہ ج۱ص۱۴۹)

طبری علیہ الرحمہ نے وہب رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تختوں سے سایہ لیتے اور پتھر کے گڑھے میں کھاتے اور جب پینے کی خواہش ہوتی تو پتھر کے گڑھے سے پانی اس طرح پیتے جس طرح دابۃ (چوپایہ) پیتا ہے، یہ اللہ عزوجل کے حضور میں تواضع تھا، اسی وجہ سے اللہ عزوجل نے اپنے شرفِ ہمکلامی سے نوازا۔

انبیاعلیہم السلام کی یہ سب خبریں لکھی ہوئی ہیں اور ان کے اوصاف کمالیہ، اخلاق جمیلہ، عادات وشمائل حسنہ مشہور و معروف ہیں، ہم ان کے بیان سے کلام کو طویل نہیں کرتے اور ان کی طرف توجہ نہ کرو جو بعض جاہل مورخین و مفسرین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے اور وہ ان کی شان کے مخالف ہے۔

پچیسویں فصل

آپ ﷺ کی مختلف امور میں عادت مبارکہ

اللہ عزوجل تم کو عزت دے ہم نے حضور ﷺ کے چند اخلاق حمیدہ، فضائل جلیلہ اور خصائل جمیلہ بتادیے ہیں اور ان سب کی صحت و تطابق بھی دکھادی ہے، یہ سب کچھ آثار و احادیث سے ہم نے بیان کیا ہے، بروجہ قناعت و کفایت ورنہ حضور ﷺ کا مقام و مرتبہ بڑا وسیع ہے۔

حضور ﷺ کے حقوق کا باب تو اتنا دراز ہے کہ اس کے ختم ہونے سے پہلے ہی دلائل منقطع ہو جاتے ہیں اور آپ ﷺ کی خصوصیات کے علم کا سمندر اتنا وافر ہے کہ کوئی ڈول اسے مکدر کر ہی نہیں سکتا، لیکن ہم نے ان میں سے صرف وہ چیزیں بیان کی ہیں جو معروف ہیں اور اکثر صحاح اور مشہور کتابوں میں مروی ہیں، ہم نے اس کتاب میں کل میں سے قلیل اور بہت میں سے تھوڑے پر اکتفا کیا ہے، اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان فصلوں کو ابن ابي ہالہ رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن پر ختم کر دیں کیونکہ وہ حدیث حضور ﷺ کے شمائل و اوصاف کا وافر مجموعہ ہے اور آپ ﷺ کی سیرت و فضائل پر پورا پورا ذخیرہ ہے، ہم اس کے ساتھ آخر میں ایک ایسی تنبیہ بھی جو الفاظ و معانی کے لطیف نکتوں پر مشتمل ہوگی ملائیں گے۔

حدیث: بروایات متعدّدہ بالاسناد حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابي ہالہ رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کے بارے سوال کیا۔ (شمائل ترمذی ص ۲۶۵، دلائل النبوہ للبیہقی ج اص ۲۸۶) کیونکہ وہ آپ ﷺ کی بہت تعریفیں

کرتے تھے، میں نے خواہش کی کہ مجھے بھی وہ کچھ بیان کر دیں تاکہ میں اس کو حفظ کر لوں، چنانچہ انھوں نے بیان کرنا شروع کیا اور کہا کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم اطہر خوب بھرا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی مانند جگمگاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قد نہ زیادہ لمبا تھا نہ پست، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک بڑا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال متوسط تھے کہ نہ بالکل سیدھے اور نہ خمدار، اگر بالوں کو دو طرفہ کرتے تو مانگ نکل آتی ورنہ نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال کانوں کی لو سے بڑھے ہوتے اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو چھوڑتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ گورا، پیشانی کشادہ، ابرو باریک اور لمبے باہم ملے ہوئے نہ تھے، دونوں ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت بھر جاتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناک باریک اور اونچی، اس میں نور تھا جو بلند تھا، جو شخص بلا تامل دیکھتا وہ گمان کرتا کہ درمیان میں حصہ اونچا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داڑھی گھنی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں سیاہ، رخسار پتلے، فراخ دہن، چمکتے ہوئے کھلے دانت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن شفاف گویا صاف چاندی کی خوبصورت صراحی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعضا معتدل بھرے ہوئے گوشت والے باہم ملے ہوئے، پیٹ اور سینہ ہموار، چوڑا سینہ، دونوں کندھوں کے مابین فاصلہ، فربہ جوڑوں والے، برہنہ بدن (برہنہ سے مراد جب ستر کے علاوہ بدن کے کسی حصے سے کپڑا ہٹا ہوتا) کی حالت میں بدن چمکتا، گلے سے ناف تک بالوں کی لکیر مثل ایک خط کے نظر آتی، پستان بالوں سے خالی، اس کے سوا کلائی، مونڈھے اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے، بازو لمبے، ہتھیلی چوڑی اور گوشت سے بھری ہوئی، دونوں قدم بھی بھرے ہوئے، انگلیاں لمبی، اعصاب لمبے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں قدم درمیان سے قدرے بلند صاف و نرم کہ ان دونوں پر سے پانی فوراً بہہ جائے جب ان پر پانی ڈالا جائے۔

چلنے میں اطمینان سے قدم اٹھاتے، وقار کے ساتھ جھک کر چلتے، قدم لمبا رکھتے، جب آپ چلتے تو گویا آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوپر سے نیچے اتر رہے ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی طرف متوجہ ہوتے تو پورے انہماک سے متوجہ ہوتے، نگاہ نیچی رکھتے، زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر بہ نسبت آسمان کی طرف نظر کرنے سے زیادہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اکثر گوشہ چشم سے ہوتی، اپنے صحابہ کے پیچھے چلتے، جو ملاقات کرتا اس کو اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلام کرتے۔

میں نے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گفتار کی صفت بیان کیجیے۔

کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ غمگین و متفکر رہتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کوئی لمحہ چین و راحت کا نہ تھا، بلا ضرورت کلام نہ کرتے، خاموشی طویل ہوتی، گفتگو کی ابتدا و اختتام جبڑوں کے ساتھ ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جوامع الکلام تھے جس میں وضاحت ہوتی نہ فضول ہوتا نہ کمی، نرمی ہوتی سختی نہ ہوتی، نہ کسی کی تذلیل ہوتی، نعمت کو بڑی سمجھتے خواہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو، کسی چیز کی برائی نہ کرتے، کسی ذائقہ کی مذمت نہ کرتے اور نہ خواہ مخواہ اس کی تعریف کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غضب کے سامنے کوئی کھڑا نہیں رہ سکتا، جبکہ کسی حق کے لیے کوئی مانع ہوتا یہاں تک کہ اس حق کی مدد کرتے اور اپنے نفس کے لیے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غضب نہ کرتے اور نہ اس کی حمایت کرتے۔

جب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ کا اشارہ فرماتے اور جب تعجب کرتے تو اس کو پلٹتے اور جب بات کرتے تو اس کو ہتھیلی سے ملا لیتے اور اپنے داہنے انگوٹھے کو بائیں ہتھیلی پر مارتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خفا ہوتے تو منھ پھیر لیتے اور الگ ہو جاتے اور جب خوش ہوتے تو نگاہیں نیچی کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا مسکرانا ہوتا، اس حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک مثل اولے کے صاف نظر آتے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے بھائی) حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے ایک عرصہ تک اس حدیث کو بیان نہیں کیا، پھر جب میں نے ان کو یہ بیان کی تو وہ مجھ سے

پہلے ہی سبقت لیے ہوئے تھے اور ان کو یاد تھی، پھر اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے حضور ﷺ کے حالات معلوم کیے کہ کس طرح آپ ﷺ کاشانۂ اقدس میں داخل ہوتے، کس طرح اس سے نکلتے، کس طرح بیٹھتے اور کیا حالت تھی؟ تو بیان میں سب کچھ بتلا دیا۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے (اپنے والد) علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے حضور ﷺ کے مکان میں داخل ہونے کی کیفیت دریافت کی، تو فرمایا: آپ ﷺ اپنے کاشانہ میں دخول کے مجاز و ماذون تھے، چنانچہ جب آپ ﷺ مکان میں داخل ہونے کا ارادہ فرماتے تو دخول کے تین حصے کرتے، ایک حصہ اللہ عزوجل کے لیے اور ایک حصہ اپنے اہل کے لیے اور ایک حصہ اپنے لیے، پھر اپنے حصہ کو اپنے اور دوسرے عام لوگوں میں تقسیم فرما دیتے، پس اس کو عام پر خواص کے ذریعہ لوٹا دیتے، غرضیکہ کوئی بات عوام سے پوشیدہ نہیں رہتی، آپ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ امت کے حصہ میں اپنی مرضی سے اہل فضل کو ترجیح دیتے اور ان کا حصہ دین میں ان کے مرتبہ کے مطابق ملتا، ان میں کوئی ایک ضرورت والا، کوئی دو ضرورت والے، کوئی کئی ضرورت والے ہوتے، آپ ﷺ ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور ان کو ان کی اصلاح میں مشغول رکھتے اور امت کی ان کا حال معلوم کر کے اصلاح فرماتے اور ان کو وہ خبریں سناتے جو ان کے لیے مفید ہوتیں اور فرماتے:

تم میں ہر ایک موجود حاضر کو چاہیے کہ وہ تم میں جو غائب ہے اور مجھ تک اپنی حاجت پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتا، اس کی حاجت مجھ تک پہنچائے کیونکہ جو شخص بادشاہ تک اس شخص کی حاجت پہنچا دے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو اللہ عزوجل قیامت کے دن اس کے دونوں قدموں کو ثابت (قائم) رکھے گا، آپ ﷺ کی خدمت میں اس قسم کی باتیں ہوتیں اور نہ آپ ﷺ اس کے سوا کچھ کسی سے قبول فرماتے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سفیان بن وکیع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فرمایا: صحابہ آپ ﷺ کی مجلس میں حاجت مند ہوتے اور شکم سیر ہو کر جدا ہوتے اور فقیہ بن کر نکلتے۔

میں نے کہا: آپ ﷺ کے نکلنے کی مجھ کو حالت بیان فرمائیے آپ ﷺ اور کیا کرتے تھے۔ فرمایا: رسول اللہ ﷺ اپنی زبان مبارک کو قبضہ میں رکھتے، وہی فرماتے جوامت کے لیے نفع بخش ہوتا، ان سے محبت کرتے ان کو جدا نہ کرتے، ہر قوم کے کریم کی عزت فرماتے اور اس کو ان پر حاکم مقرر کرتے، (برے) لوگوں سے حذر (خوف) کرتے اور ان سے بچتے نہ یہ کہ ان سے منھ پھیر لیتے یا بد خلقی کرتے، اپنے صحابہ کی خبر گیری کرتے اور لوگوں سے لوگوں کے حال پوچھتے، اچھی چیز کی تعریف و خوبی بیان کرتے اور بری چیز کی برائی اور اس کی رسوائی بیان کرتے، آپ ﷺ کا حکم متوسط ہوتا نہ کہ مختلف یعنی زیادہ نرم و سخت نہ ہوتا، آپ ﷺ اس خوف سے غافل نہ رہتے کہ لوگ کہیں غافل نہ ہو جائیں یا سست نہ پڑ جائیں، آپ ﷺ ہر حالت کے لیے تیار تھے، آپ ﷺ حق میں کمی نہ کرتے اور غیر حق کی طرف تجاوز نہ کرتے، جو لوگ آپ ﷺ کے قریب ہوتے وہ بہتر لوگوں میں سے ہوتے، آپ ﷺ کے نزدیک ان میں وہ افضل تھا جو خیر خواہی کی باتیں زیادہ کرتا اور آپ ﷺ کے نزدیک وہ بڑے مرتبہ والا ہوتا جو لوگوں کے لیے نفع رساں اور موجب تقویت ہوتا۔ اس کے بعد میں نے مجلسی کیفیت معلوم کی کہ آپ ﷺ اس میں کیا کرتے تھے؟

فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی نشست و برخاست اللہ عزوجل کے ذکر کے لیے ہی ہوتی اور کسی جگہ کو اپنے لیے وطن نہ بناتے اور دوسروں کو وطن بنانے سے منع فرماتے، جب کسی قوم کی مجلس میں تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی بیٹھ جاتے اور اس کا حکم بھی دیتے، ہر مصاحب کو اس کا حصہ دیتے یہاں تک کہ کوئی مصاحب یہ گمان نہیں کرتا تھا کہ کوئی بھی اس سے بڑھ کر آپ ﷺ کے نزدیک مکرم ہے، جو شخص

بھی کسی ضرورت سے آپ ﷺ کے پاس بیٹھتا یا کھڑا ہوتا تو آپ ﷺ رکے رہتے، یہاں تک کہ وہ خود ہی چلا جاتا، جو شخص بھی آپ ﷺ سے اپنی حاجت کے لیے سوال کرتا، آپ ﷺ یا تو اسے کچھ دیتے یا نرم بات کچھ فرما دیتے، آپ ﷺ کا دست مبارک اور آپ ﷺ کا خلق کریم لوگوں کے لیے وسیع تھا گویا آپ ﷺ ان کے لیے بمنزلہ باپ کے تھے، آپ ﷺ کے نزدیک حق میں سب برابر تھے، البتہ تقویٰ ان (لوگوں) کو زیادہ قریب اور بڑھانے والا تھا۔

دوسری روایت میں صرف یہ ہے کہ آپ ﷺ کے نزدیک وہ سب حق میں برابر تھے، آپ ﷺ کی مجلس حلم و حیا اور صبر و امانت کی مجلس تھی، کوئی شخص اس میں آواز اونچی نہ کرتا اور اس میں عورتیں بے پردہ نہ ہوتیں اور نہ اس میں کوئی یاوہ گوئی ہوتی اور یہ فقرہ ان دونوں روایتوں کے علاوہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم باہم تقویٰ کی بنا پر مہربانی اور انکساری کرتے، بڑوں کی عزت کی جاتی اور چھوٹوں پر لطف و کرم، حاجت مندوں کی مدد کرتے اور مسافروں پر مہربانی۔

پھر میں نے مصاحبوں، ہم نشینوں کے ساتھ حضور ﷺ کے سلوک کا حال دریافت کیا۔

فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیشہ خندہ رو، خوش خلق اور متواضع رہے، آپ ﷺ نہ بد خلق، نہ سخت طبیعت، نہ چلانے والے، نہ یاوہ گو اور نہ عیب لگانے والے تھے اور نہ خواہ مخواہ کسی کی تعریف کرنے والے، جس کی حاجت نہ ہوتی اس سے تغافل کرتے اور آپ ﷺ سے کوئی مایوس نہ رہتا، آپ ﷺ نے اپنے اوپر تین چیزیں ترک کر دی تھیں: (۱) ریا، (۲) ذخیرہ اندوزی اور (۳) فضول باتیں، لوگوں پر تین باتیں ترک کر رکھی تھیں (۱) کسی کی برائی نہ کرتے (۲) کسی کو عار نہ دلاتے (۳) اس کے عیوب تلاش نہ کرتے۔

آپ ﷺ وہی بات کہتے جس میں ثواب کی امید ہوتی، جب آپ ﷺ کلام فرماتے ہوتے تو صحابہ

علیھم الرضوان سر جھکا دیتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے ہیں اور جب حضور ﷺ خاموش ہو جاتے تب بات کرتے اور حضور ﷺ کی مجلس میں بھی جھگڑا نہ کرتے، جب آپ ﷺ سے کوئی بات کرتا تو سب خاموش ہو جاتے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جاتا، ان کی باتیں ایسی تھیں گویا وہ پہلا ہی شخص ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی ہنسی پر آپ ﷺ بھی مسکرا دیتے اور ان کے تعجب پر آپ ﷺ بھی متعجّب ہو جاتے، کسی مسافر کی سخت کلامی پر آپ ﷺ صبر فرماتے، اور فرماتے: ”جب تم کسی حاجت مند کو دیکھو کہ وہ طلب کرتا ہے تو اس کی مدد کرو“ اور کسی کی تعریف پسند نہ فرماتے، مگر یہ کہ وہ گرویدہ ہو، کسی کی بات نہ کاٹتے اگر وہ بات لمبی کر دیتا تو یا تو اشارہ سے روک دیتے یا کھڑے ہو جانے سے قطع فرما دیتے، یہاں سفیان بن وکیع رضی اللہ عنہ کی حدیث ختم ہو گئی۔ دوسری حدیث میں اتنا اور ہے کہ میں نے پوچھا کہ حضور ﷺ کے سکوت کی کیا کیفیت تھی؟ فرمایا: آپ ﷺ کا سکوت چار باتوں پر تھا: (۱) علم (۲) حذر یعنی خوف (۳) تقدیر (۴) تفکر۔ لیکن تقدیر کے یہ معنی ہیں کہ آپ ﷺ لوگوں پر نظر کرتے اور ان کے احوال سننے میں برابری کرتے اور تفکر کا یہ مطلب ہے کہ آپ ﷺ ان چیزوں پر غور فرماتے جو باقی رہیں اور فنا ہو جائیں، حضور ﷺ کے لیے آپ ﷺ کے صبر میں علم جمع کر دیا گیا تھا، آپ ﷺ کو کوئی چیز اتنی غضب میں نہ لاتی کہ آپ ﷺ کو ہلکا کر دے اور آپ ﷺ کے لیے حذر میں چار باتیں جمع کر دی گئیں: ۱- اچھی بات کو آپ ﷺ لیتے تاکہ لوگ آپ ﷺ کی پیروی کریں، ۲- بری بات ترک فرما دیتے تاکہ لوگ اس سے باز رہیں، ۳- اصلاح امت کے لیے رائے میں کوشش فرماتے اور آپ ﷺ اس پر قائم رہے، ۴- جو امت کے لیے دنیا و آخرت میں مفید و کارآمد ہو، اِنْتَہَی الْوَصْفُ بِحَمْدِ اللهِ وَعَوْنِہٖ۔

چھبیسویں فصل

احادیث کے مشکل الفاظ کے معنی میں

اس باب کی آخری فصل میں احادیث کے غریب اور مشکل الفاظ کا ترجمہ صاحب کتاب الشفاء نے کیا ہے، چونکہ ترجمہ میں وہ گزر چکی ہیں، اس لیے غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ (مترجم)۔

تیسرا باب

آپ ﷺ کی قدر و منزلت احادیث کی روشنی میں

یہ باب ان احادیث صحیحہ مشہورہ کے بیان میں ہے جن میں حضور ﷺ کی خدا کی بارگاہ میں عظیم قدر و منزلت ہے اور آپ ﷺ کی ان مکرم خصوصیات کا ذکر ہے جو دونوں جہان میں آپ ﷺ کو حاصل ہیں۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ نوع بشر میں سب سے زیادہ بزرگ، اولاد آدم علیہ السلام کے سردار اور اللہ عزوجل کے نزدیک مرتبہ میں تمام لوگوں سے افضل اور آپ ﷺ کا درجہ سب سے اعلی اور قرب میں سب سے بلند ہے۔

اس امر کو ملحوظ رکھنا کہ احادیث کریمہ جو آپ ﷺ کے مرتبہ و مقام کے اظہار میں ہیں، بہت زیادہ ہیں، ہم نے صرف ان میں سے صحیح و مشہور پر اکتفا کیا ہے اور ہم نے ان کے معانی و مفہوم کو بارہ فصلوں پر منحصر کر دیا ہے۔

پہلی فصل

آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت اور اسم مبارک کی برکت کے بیان میں

اس بارے میں کہ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں جو آپ ﷺ کی منزلت و برگزیدگی اور آپ ﷺ کے ذکر کی رفعت و بزرگی اور اولاد آدم علیہ السلام میں آپ ﷺ کی سرداری ہے اور ان خصوصیات کے ذکر میں جو دنیا میں آپ ﷺ کے مرتبہ کی زیادتی اور آپ ﷺ کے اسم مبارک کی برکت ہے۔

حدیث: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ص ۱۷۰) سے بالاسناد مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”بیشک اللہ عزوجل نے مخلوق کو دو قسموں میں تقسیم کر کے ان میں سے مجھے بہتر قسم میں کیا۔ یہ اللہ عزوجل کے اس فرمان میں ہے کہ اَصۡحَابُ الۡیَمِیۡنِ، أَصۡحَابُ الۡشِمَالِ (الواقعہ:۴۱)

”یعنی داہنے ہاتھ والے اور بائیں ہاتھ والے پس میں اصحاب یمین میں سے ہوں اور میں ان میں سب سے بہتر“

پھر اللہ عزوجل نے ان دو قسموں کو تین کیا اور مجھے تینوں میں سب سے بہتر میں رکھا، یہ اللہ عزوجل کے اس فرمان میں ہے:

﴿وَ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ (۹) وَ السّٰبِقُوۡنَ السّٰبِقُوۡنَ (۱۰)﴾

تو داہنی طرف والے کیسے داہنی طرف والے اور بائیں طرف والے کیسے بائیں طرف والے اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے۔ (الواقعہ: ۸ تا ۱۰)

پھر اللہ عزوجل نے تینوں کے قبائل بنائے، پس مجھے ان میں سے بہتر قبیلہ میں کیا اور یہ اللہ عزوجل کے اس فرمان میں ہے:

﴿وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ﴾

اور تمھیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو۔ (الحجرات: ۱۳)

تو اللہ عزوجل کے نزدیک اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے بڑھ کر متقی و مکرم ہوں یہ فخر نہیں اظہار حال ہے، پھر ان قبیلوں کے گھر بنائے تو مجھے ان میں سے بہتر گھر میں کیا، یہ اللہ عزوجل کے اس فرمان میں ہے:

﴿اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا(۳۳)﴾

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرمادے۔ (الاحزاب: ۳۳)

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے لیے نبوت کب ضروری قرار دی گئی؟ فرمایا: اس حالت میں کہ آدم علیہ السلام ابھی روح و جسد کے مابین تھے۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۲۴۵)

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو برگزیدہ فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل کے نزدیک میں اولاد آدم علیہ السلام میں

سب سے زیادہ مکرم ہوں اور یہ فخر نہیں۔

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا کہ میں نے زمین کے تمام مشارق و مغارب روند ڈالے، میں نے محمد ﷺ سے بڑھ کر کسی مرد کو افضل نہیں پایا اور کسی باپ کے بیٹوں کو بنی ہاشم سے افضل نہ دیکھا۔“

(دلائل النبوۃ لابی نعیم طبرانی اوسط کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۹۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شب معراج حضور ﷺ کی خدمت میں براق لایا گیا، تو اس نے شوخی کی، جبرئیل علیہ السلام نے اس سے کہا: کیا حضور ﷺ کے ساتھ ایسا کرتا ہے؟ حالانکہ تجھ پر آپ ﷺ سے زیادہ خدا کا مکرم کوئی سوار نہ ہوا، تو وہ شرم سے پسینہ پسینہ ہو گیا۔

(ترمذی تفسیر سورۃ بنی اسرائیل ج۴ ص ۳۶۳، صحیح مسلم کتاب الایمان ج۱ ص ۱۴۵)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں، جب اللہ عزوجل نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کے صلب میں رکھ کر زمین پر اتارا اور مجھ کو حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں رکھ کر کشتی کو پار کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صلب میں مجھ کو رکھ کر آگ میں اتارا۔ پھر ہمیشہ یونہی اصلاب مکرمہ سے ارحامِ طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا، یہاں تک کہ مجھ کو اپنے والدین سے پیدا فرمایا جو کبھی برائی (زنا) کے قریب تک نہ گئے۔

(الحدیث ابن ابی عمر العدنی مسندہ کمافی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۹۰)

اسی طرح حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما نے اپنے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے:

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِي الظِّلَالِ وَفِي مُسْتَوْدِعٍ حَيْثُ يُخْصَفُ الْوَرَقُ

حضور ﷺ ولادت سے پہلے (صلب آدم میں) سائیوں میں تھے اور استحقام (آدم و حوا علیہما

السلام) میں تھے، جہاں ورق بدن پر لپیٹے جاتے ہیں۔ (یعنی جنت میں)

ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ لَا بَشَرٌ أَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَلَا عَلَق

پھر آپ شہروں کی طرف اترے درانحالیکہ نہ آپ بشر تھے، نہ مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) اور نہ خون بستہ تھے۔

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِيْنَ وَقَدْ أَلْجَمَ نَسْرًا وَّأَهْلَهُ الْغَرَق

بلکہ ایک نطفہ تھے جو کشتی میں سوار ہوئے اور نسر کو لگام دی درانحالیکہ کشتی کے باہر قوم نوح علیہ السلام یا غرق تھی۔

تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ إِلىٰ رَحِمٍ إِذَامَضَى عَالَمٌ بَدَاطَبَق

آپ اصلاب (پشت پدر) رحم (مادر) کی طرف منتقل ہوئے، جب ایک زمانہ گزر گیا اور دوسرا زمانہ آیا۔

بعض نسخوں میں ان شعروں کا بھی اضافہ ہے:

ثُمَّ احْتَوٰى بَيْتُكَ الْمُهَيْمِنُ مِنْ خِنْدَفَ عَلْيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُق

پھر آپ کے گھر کو شاہد نسب خندف (ابن مفر کی بیوی کا نام ہے) نے بلندی کو گھیر لیا جس کے پٹکے تھے۔

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدتَ أَشْرَقَتِ الْاَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُق

اور آپ جب پیدا ہوئے تو تمام زمین روشن ہوگئی اور آپ کے نور سے آفاق جگمگائے۔ ﷺ

نَحْنُ فِيْ ذٰالِكَ الضِّيَاءِ وَفِيْ النُّوْرِ وَسُبْلِ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

اب ہم اس روشنی اور نور وہدایت کے راستہ میں داخل ہوگئے ہیں۔

يَابَرْدَنَارِ الْخَلِيْلِ يَاسَبَبًا لِعِصْمَةِ النَّارِ وَهِيَ تَحْتَرِق

اے حضرت خلیل علیہ السلام کی آگ ٹھنڈی کرنے والے اور آگ سے بچنے کا سبب بحال ہے کہ وہ آگ

جل رہی تھی۔ حضور ﷺ سے حضرت ابوذر اور حضرت ابن عباس اور حضرت ابوہریرہ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”مجھ کو پانچ اور ایک روایت میں ہے چھ چیزیں دی گئیں، جو کسی نبی ﷺ کو مجھ سے پہلے نہیں ملیں:

۱) ایک مہینہ کی مسافت تک رعب و دبدبہ کے ساتھ میری مدد کی گئی۔

۲) میرے لیے تمام روئے زمین مسجد اور پاک بنادی گئی، اب میری امت کا ہر شخص جہاں بھی ہو نماز کا وقت آجائے تو نماز پڑھ سکتا ہے۔

۳) مال غنیمت میرے لیے حلال کردیا جو مجھ سے پہلے کسی نبی پر حلال نہ تھا۔

۴) مجھے تمام لوگوں کی طرف بھیجا گیا۔

۵) مجھے منصب شفاعت مرحمت فرمایا گیا،

اور ایک روایت میں اس عبارت کی جگہ یہ ہے کہ مجھ سے کہا گیا سوال کیجیے دیا جائے گا (صحیح بخاری باب التمیم ج ۱ ص ۶۲) مزید حوالاجات کے لیے مناھل الصفا للسیوطی (ص ۹۱) اور دوسری روایت میں ہے کہ میری امت مجھ پر پیش کی گئی اب مجھ پر تابع و متبوع کوئی مخفی نہیں اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے احمر و اسود (عرب و عجم) کی طرف بھیجا گیا۔ (صحیح مسلم کتاب المساجد حدیث جابر ج ۱ ص ۱۷۳) بعض کہتے ہیں کہ ”اسود“ سے مراد عرب ہے، اس لیے کہ ان کے رنگوں پر گندمی رنگ غالب ہوتا تھا جو سیاسی کی قسم کا ہے اور احمر سے مراد عجم ہے، بعض نے کہا کہ اس سے امتوں کی سفیدی و سیاہی مراد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ احمر سے مراد انسان اور اسود سے مراد جن ہے۔

دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رعب کے ساتھ میری نصرت کی گئی اور جوامع الکلم مجھے دیا گیا اور میں سو رہا تھا کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں اور میرے

دونوں ہاتھوں میں رکھ دی گئیں اور ایک روایت میں ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھ پر نبوت ختم کی گئی۔ (صحیح مسلم کتاب المساعد ج ا ص ۱۷۱ ۳)

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "میں تمھارے آگے جانے والا (فرط) ہوں اور میں تمھارا گواہ ہوں" اور بیشک میں خدا کی قسم یقیناً اس وقت اپنے حوض کی طرف دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور بیشک مجھے خدا کی قسم تم سے اس بات کا خوف نہیں کہ میرے بعد شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے لیکن تم سے اس کا خوف ہے کہ کہیں تم دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق ج ص ۱۰۱ صحیح مسلم کتاب الطھارۃ ج اص ۲۱۸، سنن نسائی کتاب الطھارۃ ج اص ۱۹۴، مسند امام احمد ج ص ۲۵۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "میں محمد نبی امی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں، مجھ کو جوامع الکلم اور اس کی مہریں دی گئیں اور مجھ کو دوزخ کے خزانچی اور حاملین عرش بتائے گئے" (مسند احمد ج ۲ ص ۱۷۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: "مجھے قیامت کے سامنے بھیجا گیا"۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۹۲، ۵۰)

ابن وہب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: سوال کیجیے اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! میں نے عرض کی: اے رب عزوجل میں کیا سوال کروں، تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے نوازا، حضرت نوح علیہ السلام کو برگزیدہ کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو وہ ملک عطا فرمایا جو ان کے بعد کسی کو لائق نہیں، اللہ عزوجل نے فرمایا: جو چیز اے محبوب تم کو دی ہے وہ ان سے بہتر ہے، آپ کو میں نے کوثر عطا فرمائی، آپ

کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا کہ اس کے ساتھ آسمان کے درمیان پکارا جاتا ہے اور آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے زمین کو پاک بنایا اور آپ کے سبب آپ کے اگلوں اور پہلوں کے گناہ معاف کیے، آپ تو لوگوں میں مغفور چلتے ہیں، یہ باتیں میں نے آپ سے پہلوں کے لیے نہیں کی ہیں، آپ کی امت کے دلوں کو مصاحف بنایا (کہ وہ قرآن کو حفظ کرتے ہیں) اور آپ کے لیے آپ کی شفاعت کو پردہ میں رکھا ہے، آپ کے سوا کسی نبی علیہ السلام کے لیے میں نے نہیں چھپایا۔ (دلائل النبوۃ ج۲ ص ۴۰۲)

دوسری حدیث میں ہے جس کو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے: مجھ کو رب العزت عزوجل نے بشارت دی ہے کہ میرے ساتھ جنت میں میری امت میں سے سب سے پہلے جو داخل ہوں گے وہ ستر ہزار ہیں اور ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے جن کا کوئی حساب کتاب نہ ہوگا اور مجھے یہ عنایت کیا کہ میری امت نہ بھوکی رہے گی اور نہ مغلوب ہوگی اور مجھ کو عطا فرمائی نصرت، عزت، رعب جو کہ میری امت کے سامنے ایک مہینہ کی مسافت تک جاری ہے، میرے لیے اور میری امت کے لیے مال غنیمت حلال کیا، ہم پر بہت سی وہ چیزیں حلال کیں جو ہم سے پہلوں کے لیے حلال نہ تھیں اور ہم پر دین میں تنگی نہ رکھی گئی۔ (تاریخ ابن عساکر کمافی مناہل الصفا للسیوطی ص ۹۲)

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: نبیوں میں کوئی نبی ایسا نہیں جس کو ایسی نشانیاں نہ دی گئی ہوں جن کو دیکھ کر ایمان لائے لیکن مجھے جو چیز دی گئی ہے وہ وحی قرآن ہے کہ اللہ عزوجل نے مجھ پر وحی فرمائی، پس میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری اتباع کرنے والے ان سے زیادہ ہوں گے۔ (بخاری باب الاعتصام ج۹ ص ۷۵ مسلم ج۱ ص ۱۳۴، مسند احمد ج۲ ص ۴۵۱، ۳۴۱)

محققین اس حدیث کے معنی میں کہتے ہیں، جب تک دنیا باقی ہے آپ ﷺ کے معجزات باقی رہیں گے اور انبیائے سابقین علیہم السلام کے تمام معجزات اسی وقت جاتے رہے، حاضرین کے سوا

کسی نے ان کو نہ دیکھا اور قرآن ایسا معجزہ ہے کہ اس پر قیامت تک زمانہ کے بعد زمانہ گزرتا جائے، لوگ کھلے طور پر واقف رہیں گے نہ کہ خبر کے طور پر، اس سلسلہ میں بہت طویل بحث ہے، یہ صرف خلاصہ ذکر کیا ہے، علاوہ ازیں آخر میں کتاب کے باب معجزات میں کچھ مزید بیان کریں گے۔

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر نبی کو سات نجبا یعنی صاحب شرافت وزیر دیے گئے لیکن تمھارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چودہ نجیب (شرفا) دیے گئے، ان میں سے ابوبکر، عمر، ابن مسعود اور عمار رضی اللہ عنھم ہیں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۲۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے مکہ سے ہاتھیوں کو تو روک لیا مگر اہل مکہ پر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا اور یہ بات میرے بعد کسی کے لیے حلال نہیں اور میرے لیے بھی صرف دن کی ایک گھڑی کے لیے حلال کیا گیا تھا۔ (بخاری کتاب العلم ج ۱ ص ۲۸ صحیح مسلم کتاب الحج ج ۲ ص ۹۸۸)

عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا فرماتے ہیں کہ میں اللہ عزوجل کا بندہ اور نبیوں کا آخر (خاتم) اس وقت سے ہوں جبکہ آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے، میں اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وعدہ ہوں اور حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام کی بشارت۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷، ابن حبان ج ۸ ص ۱۰۷، مستدرک ج ۸ ص ۴۱۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ عزوجل نے تمام آسمان والوں اور انبیا علیھم السلام پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فضیلت دی۔ (دارمی، ابو نعیم کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۹۳) صحابہ رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: آسمان والوں پر کیا فضیلت ہے؟ فرمایا: یہ کہ اللہ عزوجل آسمان والوں سے فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّیْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ ﴾ (الانبیاء: ۲۹)

اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں اللہ کے سوا معبود ہوں، تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے۔

اللہ عزوجل نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا﴾

بیشک ہم نے تمھارے لیے روشن فتح فرمادی۔ (فتح:۱)

صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: انبیاعلیہم السلام پر کیسے فضیلت ہے؟ فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ

اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا۔ (ابراہیم:۴)

اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے فرماتا ہے:

﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾

(اور اے محبوب!) ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ (سبا:۲۸)

حضرت خالد بن معدان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نام کی ایک جماعت نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہم کو اب آپ اپنے بارے میں خبر دیجیے۔ اس کے مثل ابوذر اور شداد بن اوس اور انس بن مالک سے مروی ہے۔ (داری، ابونعیم کمافی منائل الصفاء ص ۹۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ہاں میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں کہ انھوں نے کہا ہے:

﴿رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ﴾

اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے۔ (البقرہ:۱۲۹)

اور میری بشارت حضرت عیسی علیہ السلام نے دی، میری پیدائش کے وقت میری والدہ ماجدہ نے دیکھا کہ ان سے ایک نور نکلا ہے جس کی روشنی سے بصرہ کے محل اور شام کی زمین روشن ہوگئی اور سعد بن بکر کی اولاد میں مجھے دودھ پلایا گیا۔

انہی ایام میں، میں اپنے (رضاعی) بھائی کے ساتھ اپنے گھروں کے پیچھے بکریاں چرا رہا تھا کہ اچانک دو مرد سفید لباس میں میرے قریب آئے، دوسری حدیث میں ہے تین مرد آئے، ایک سونے کا طشت برف سے بھرا ہوا لائے اور مجھ کو پکڑ کر میرے پیٹ کو چاک کیا، اس حدیث کے علاوہ دوسری حدیث میں ہے کہ گردن سے لے کر پیٹ کے نرم حصہ تک چاک کیا، پھر میرا دل نکال کر اس کو چیرا اور اس سے سیاہ خون جما ہوا (علقہ) نکال کر دور کیا، اس کے بعد میرے دل اور میرے پیٹ کو اسی سرد پانی (برف) سے دھویا اور صاف کیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ پھر ان دونوں مردوں نے کوئی چیز لی، دیکھا تو وہ نور کی انگوٹھی ان کے ہاتھ میں تھی کہ دیکھنے والا حیرت زدہ ہو جائے، انھوں نے اس سے میرے دل پر مہر لگائی اور اسے ایمان وحکمت سے پر کیا، اس کے بعد اپنی جگہ پر رکھ دیا، دوسرے مرد نے شق شدہ جگہ پر اپنا ہاتھ پھیرا، پس وہ درست ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ دل سخت ہے، اس میں دو آنکھیں ہیں جو دیکھتی ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں۔ (سنن دارمی ج ۱ ص ۲۹) پھر ان دونوں میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: امت کے دس مردوں کے ساتھ وزن کرو، اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بڑھ گیا، پھر کہا کہ امت کے سو مردوں کے ساتھ وزن کرو، اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بھی وزنی تھا، پھر کہا کہ امت کے ہزار مردوں سے وزن کرو، اس نے مجھے وزن کیا تو میں ان سے بھی وزنی تھا، پھر کہا کہ آپ کو چھوڑ دو اگر تم

ان کو ساری امت کے ساتھ بھی وزن کرو گے تب بھی بھاری ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ پھر انھوں نے مجھے سینہ سے لگا کر میرے سر اور آنکھوں کو بوسہ دیا اور کہا: اے حبیب اللہ ﷺ آپ ڈریے نہیں، اگر آپ ﷺ کو معلوم ہوتا کہ آپ ﷺ کے ساتھ کیسی بھلائی کی گئی تو آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتیں۔

اس حدیث کے بقیہ میں ہے کہ انھوں نے کہا: اللہ عزوجل کے نزدیک آپ ﷺ کا بڑا اعزاز و اکرام ہے، بیشک اللہ عزوجل اور اس کے فرشتہ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے بعد وہ چلے گئے، اب میں اس امر کو بخوبی دیکھ رہا ہوں۔

ابو محمد کی اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہما اللہ علیہم اور دیگر علما رحمہم اللہ نے بیان کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی لغزش کے وقت بارگاہ الٰہی میں عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْلِيْ خَطِيْئَتِيْ وَيُرْوٰى وَتَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ: اے خدا حضور ﷺ کے طفیل مجھ کو خطا سے معاف فرما۔ (طبرانی صغیر ج۲ ص ۳۵۵، دلائل النبوہ للبیہقی ج۵ ص ۴۸۹)

اور ایک روایت میں کہ میری توبہ قبول فرما، اللہ عزوجل نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کہاں سے محمد ﷺ کو جانا؟ عرض کیا: میں نے جنت کے ہر مقام پر ”لا إله إلا الله محمد رسول الله“ لکھا ہوا دیکھا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ محمد ﷺ میرے بندے اور میرے رسول ہیں، اس سے میں نے جانا کہ تیرے نزدیک تیری تمام مخلوق میں آپ ﷺ ہی سب سے برتر عزت والے ہیں، پس اللہ عزوجل نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا، اسی قائل کے نزدیک یہ تفسیر اس آیہ کریمہ کی ہے:

﴿فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ﴾

پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے۔ (البقرہ: ۳۷)

دوسری روایت میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: جب تو نے مجھے پیدا فرمایا تو میں نے اپنے سر کو تیرے عرش کی طرف اٹھایا، تب میں نے اس میں لکھا دیکھا "لا إله إلا الله محمد رسول الله" اس وقت میں نے جان لیا کہ تیرے نزدیک آپ ﷺ کے سوا (ان جیسا) کوئی عظیم المرتبت نہیں ہے جبھی تو تو نے اپنے نام کے ساتھ آپ ﷺ کا اسم مبارک ملایا۔ پس اللہ عزوجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو وحی فرمائی قسم ہے مجھے اپنے عزت و جلال کی بیشک آپ ﷺ تمھاری اولاد میں سب سے آخری نبی ہیں، وَلَوْلَاهُ مَا خَلَقْتُكَ اگر آپ نہ ہوتے تو اے آدم (علیہ السلام) میں تم کو پیدا نہ فرماتا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد (ﷺ) تھی اور ایک روایت میں ابوالبشر تھی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۹)

سریج بن یونس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ عزوجل کے چند فرشتے گشت کرتے ہیں، ان کی عبادت یہ ہے کہ جس گھر میں احمد یا محمد نام کا کوئی مرد ہو تو اسی مناسبت کی بنا پر (اس کا) اعزاز واکرام کریں۔

ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ قاضی ابی الحمراء رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب معراج جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو عرش پر لکھا دیکھا "لا إله إلا الله محمد رسول الله" اس مرتبہ کے ساتھ میری رفعت سے تائید فرمائی گئی۔

(معجم الصحابہ وطبرانی کما فی مناہل الصفا للسیوطی)

تفسیر میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے آیہ کریمہ ﴿وَ كَانَ تَحۡتَهٗ كَنۡزٌ لَّهُمَا﴾ اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا۔ (الکہف: ۸۲) (شعب الایمان کمافی منال الصفاء للسیوطی علی ص ۹۴) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ سونے کی تختیاں تھیں جس پر لکھا تھا:

"اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے وہ کیونکر رنج اٹھاتا ہے اور اس شخص پر جو جہنم کا یقین رکھتا ہے وہ کیونکر ہنستا ہے، اس شخص پر تعجب ہے جو دنیا اور اہل دنیا کے انقلابات کو دیکھتا ہے وہ کیونکر دنیا میں مطمئن ہے"۔

أَنَا اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا مُحَمَّدٌ عَبۡدِی: میں اللہ عزوجل ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، محمد ﷺ میرے بندے اور میرے رسول ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جنت کے دروازے پر مکتوب ہے: اِنِّیۡ اَنَا اللهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ: میں ہی اللہ عزوجل ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد ﷺ اللہ عزوجل کے رسول ہیں میں اس کو عذاب نہ دوں گا جو اس کا قائل ہو۔

منقول ہے کہ ایک پرانے پتھر پر یہ مکتوب پایا گیا: مُحَمَّدٌ تَقِیٌّ مُصۡلِحٌ وَّ سَیِّدٌ اَمِیۡنٌ: محمد ﷺ پرہیزگار اصلاح کرنے والے اور سردار دامین ہیں۔

سمنطاری رحمۃ اللہ علیہ ذکر کرتے ہیں کہ خراسان کے ایک شہر میں ایک بچے کو دیکھا کہ اس کے پہلو میں "لا الہ الا اللہ" اور دوسرے پہلو میں "محمد رسول اللہ" مکتوب تھا۔

مؤرخین نے ذکر کیا ہے، ہندستان کے کسی شہر میں ایک سرخ گلاب کا پھول ہے، اس پر سفید خط سے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" مکتوب ہے۔

جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ نے اپنے والد سے روایت کی کہ قیامت کے دن ایک پکارنے والا کہے گا جس کا

نام ''محمد'' ہے وہ کھڑا ہو جائے تا کہ حضور ﷺ کے نام کی برکت سے جنت میں داخل ہو جائے۔

ابن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سماع" میں اور ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "جامع" میں مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی ہے کہ میں نے اہل مکہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جس گھر میں ''محمد'' نام کا کوئی شخص ہو وہ ضرور بڑھے گا اور ان کو رزق (وافر) دیا جائے گا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں ''محمد'' نام کے ایک یا دو یا تین شخص ہوں، ان کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔ (طبقات ابن سعد کمافی مناہل الصفا للسیوطی ص۹۵)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ عزوجل نے بندوں کے دلوں پر نظر ڈالی تو ان میں سے دل مصطفی ﷺ کو پسند فرمایا اور اپنی بارگاہ میں برگزیدہ کیا، اب آپ ﷺ کو اپنی رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ (مجمع الزوائد ج۸ ص۲۵۳)

نقاش رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی کہ:

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا﴾

اور تمھیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو اور نہ یہ کہ ان کے بعد بھی ان کی بیبیوں سے نکاح کرو۔ (الاحزاب:۵۳)

تو حضور نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور خطبہ دیا، فرمایا: اے گروہ مومنین! بیشک اللہ عزوجل نے مجھ کو تم پر بہت فضیلت دی اور میری بیویوں کو تمھاری بیویوں پر بہت فضیلت دی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان ج۱ ص۱۴۵)

دوسری فصل

آپ ﷺ کے وہ فضائل جو شب معراج عطا فرمائے گئے

حضور ﷺ کے ان فضائل میں جو شب معراج بزرگیاں عطا فرمائی گئیں اور مناجات، رویت الٰہی، امامت انبیا علیھم السلام سدرۃ المنتہیٰ تک عروج اور اپنے رب عزوجل کی بڑی نشانیوں کے ملاحظہ فرمانے میں مرتبہ دیا گیا۔

حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے واقعہ معراج ہے، جس میں آپ ﷺ کی رفعت درجات اور ترقی منازل مضمر ہیں، جن کی قرآن کریم نے خبر دی اور احادیث صحیحہ نے ان کی تشریح کی۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾ (بنی اسرائیل:۱)

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔

اور فرمایا:

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی (الی) لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی

اس چمکتے تارے (محمد) کی قسم جب یہ معراج سے اترے بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (النجم:۱-۱۸)

صحت واقعہ معراج میں مسلمانوں میں اصلاً اختلاف نہیں ہے، اس لیے کہ یہ نص قرآنی سے ثابت

ہے، جو حضور ﷺ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے اور اس کے کیا عجائبات اور ہمارے نبی ﷺ کی خصوصیات کی تشریح احادیث کثیرہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان میں جو کامل تر ہیں ان کو پہلے بیان کریں، اسی ضمن میں اشارتاً ان احادیث کا بھی ذکر کر جائیں جن کا ذکر کرنا محلاً ضروری ہو۔

حدیث: حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: میرے پاس براق لایا گیا، جو ایک چوپایہ، سفید رنگ، نسبتاً گدھے سے اونچا خچر سے پست تھا، وہ اپنے قدم وہاں رکھتا جہاں نظر کی انتہا ہے، فرمایا: میں اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آیا اور اس کو اس حلقہ سے باندھ دیا جہاں انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھتے تھے، پھر مسجد میں داخل ہو کر اس میں دو رکعت نماز پڑھی، جب باہر نکلا تو جبرئیل علیہ السلام نے ایک پیالہ میں شراب اور دوسرے میں دودھ پیش کیا، میں نے دودھ کو پسند فرمایا، جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: آپ ﷺ نے فطرت کو اختیار فرمایا، پھر مجھے آسمان پر لے جایا گیا، جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا، پوچھا گیا: تم کون ہو؟ جواب دیا۔ جبرئیل (علیہ السلام)، پھر پوچھا گیا: کون تمھارے ساتھ ہے؟ کہا: محمد، پوچھا گیا کیا ان کو حکم ہوا ہے؟ کہا: انھیں حکم ہوا ہے، تو ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا، میں نے دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، انھوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لیے دعائے خیر کی، پھر مجھے دوسرے آسمان پر لے جایا گیا، وہاں بھی جبرئیل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا، سوال ہوا کہ کون؟ کہا: جبرئیل (علیہ السلام)، سوال ہوا: کون تمھارے ساتھ ہے؟ جواب دیا: محمد (ﷺ) پھر پوچھا: ان کو حکم ملا ہے؟ جواب دیا: انھیں حکم دیا گیا ہے، پس دروازہ کھل گیا، اس وقت کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عیسی علیہ السلام اور حضرت یحیی علیہ السلام ہیں، انھوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی، پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا، وہاں بھی جبرئیل علیہ السلام

سے اسی طرح سوال و جواب ہوئے، دروازہ کھلا تو دیکھا کہ میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ ہوں، جن کو ساری دنیا کا نصف حسن دیا گیا ہے، انھوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی، پھر چوتھے آسمان پر بھی یونہی سوال و جواب کے بعد دروازہ کھلوایا، دیکھا تو وہاں حضرت ادریس علیہ السلام ہیں، انھوں نے مرحبا کہا اور دعائے خیر دی۔، انہی کی نسبت اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَّ رَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا

اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا۔ (مریم: ۵۷)

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا اور وہی سوال و جواب ہوئے، دروازہ کھلا تو دیکھا وہاں ہارون علیہ السلام ہیں، انھوں نے بھی مرحبا کہا اور دعائے خیر دی، پھر چھٹے آسمان پر بھی یہی ہوا، تو وہاں حضرت موسی علیہ السلام کو دیکھا، انھوں نے بھی مرحبا کہا اور دعائے خیر دی، پھر ساتویں آسمان پر لے جایا گیا، وہاں بھی وہی کچھ ہوا، دیکھا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور سے کمر لگائے بیٹھے ہیں، اس جگہ کا حال یہ ہے کہ ستر ہزار ایسے فرشتے روزانہ آتے ہیں جن کی دوبارہ آنے کی باری نہیں آتی، پھر مجھے سدرۃ المنتہی پر لے جایا گیا، سدرۃ المنتہی (ایک بیری کا درخت اس) کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر تھے اور اس کے پھل (بیر) مٹکوں کے برابر۔

آپ ﷺ نے فرمایا: جب اس کو اللہ عزوجل نے ڈھانپ لیا تو وہ بدل گیا، تو مخلوق میں کسی کی طاقت نہیں کہ اس کے حسن و خوبی کی تعریف کر سکے، پس اللہ عزوجل نے میری طرف وحی فرمائی اور دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں، اس کے بعد جب میں موسی علیہ السلام کی طرف اترا تو انھوں نے پوچھا: اللہ عزوجل نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ فرمایا: پچاس نمازیں۔ عرض کیا: آپ اپنے رب کی طرف واپس ہو کر تخفیف (کمی) کی درخواست کیجئے کیونکہ آپ کی امت اس کی طاقت نہیں رکھتی، اس

لیے کہ میں نے اپنی امت بنی اسرائیل کو آزمالیا ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب عزوجل کی طرف واپس آیا اور عرض کیا: اے رب عزوجل میری امت پر کمی کیجئے، تو اللہ عزوجل نے پانچ کم کر دیں، پھر جب موسی علیہ السلام کی طرف آیا اور ان سے کہا کہ پانچ کی کمی ہو گئی، تو عرض کیا: آپ کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی، پھر واپس جا کر کمی کی درخواست کیجیے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اسی طرح اللہ عزوجل اور حضرت موسی علیہ السلام کے مابین آنا جانا ہوتا رہا، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے محمد (ﷺ) دن رات میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ہر ایک نماز دس کے برابر ہے، گویا وہ پچاس نمازیں ہی محسوب ہوں گی اور جو شخص کسی نیکی کا ارادہ کرے اور اس کو عمل میں نہ لائے تو ایک نیکی لکھی جائے گی اور اگر عمل کرے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے اور اس کو عمل میں نہ لائے تو کچھ نہ لکھا جائے گا اور اگر وہ اس کا مرتکب ہو ہی گیا تو صرف ایک ہی بدی لکھی جائے گی، فرمایا: جب میں نے اتر کر حضرت موسی علیہ السلام کو اس کی خبر دی۔ تو انھوں نے کہا: اپنے رب عزوجل کی طرف جائیے اور کمی کی درخواست پھر کیجیے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے موسی (علیہ السلام)، میں رب عزوجل کی طرف بار بار جاتا رہا ہوں اب حیا معلوم ہوتی ہے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ، اللہ عزوجل ان کو توفیق خیر دے، فرماتے ہیں کہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نہایت عمدہ صحیح بیان کیا ہے اور کوئی دوسرا اس سے بہتر بیان نہیں کر سکا، دوسروں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بہت کچھ خلط ملط کیا ہے، خصوصًا شریک ابن نمیر کی روایت کہ انھوں نے اس کے شروع میں حضور ﷺ کی خدمت میں فرشتے کا آنا اور آپ کے بطن مبارک کا شق کرنا اور آب زم زم سے اس کا دھونا ذکر کیا ہے، حالانکہ یہ واقعہ تو وحی سے قبل آپ ﷺ کے عہد طفولیت کا ہے، بلاشبہ شریک ابن

نمیر نے اپنی حدیث میں اس کو مانا ہے کہ یہ واقعہ نزول وحی سے پہلے کا ہے اور واقعہ معراج کا تذکرہ کیا ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ نزول وحی کا واقعہ ہے اور بہت سوں نے کہا ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے کا ہے، بعض نے کہا کہ نزول وحی سے پہلے کا ہے۔

ثابت نے ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے، بیان کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس وقت آئے جبکہ آپ دائی حلیمہ سعدیہ کے یہاں ایام رضاعت میں بچوں کے ساتھ تھے تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کو شق کیا۔

یہ واقعہ معراج کی حدیث سے بالکل علاحدہ ہے، جیسا کہ لوگوں نے روایت کیا ہے اور دونوں قصوں کی تصحیح کی ہے اور واقعہ معراج میں بیت المقدس تک اور سدرۃ المنتہی تک جانا یہ علیحدہ واقعہ بیان کیا ہے، بلاشبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیت المقدس تک گئے اور وہاں سے سدرۃ المنتہی تک چڑھے ہیں، اس نے ان تمام اشکال کو دور کر دیا جن کا اوروں نے وہم ڈالا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۲ ص ۱۵۲، کتاب توحید ج و ص ۱۲۰ صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۴۸)

یونس رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب اور شریک بن انس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمای،: میرے گھر کی چھت پھاڑی گئی، جبرئیل علیہ السلام اترے، میرے سینے کو چاک کیا، پھر آپ زم زم سے اس کو دھویا پھر ایمان وحکمت سے پر ایک سونے کا طشت لائے، اس سے میرے سینے کو بھرا، پھر میرا ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف لے گئے، اس کے بعد پورا واقعہ بیان کیا، قتادہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ ج ۱ ص ۶۶ صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت کی ہے، اس میں تقدیم و تاخیر ہے اور کچھ زیادتی و کمی ہے اور آسمانوں میں انبیا علیہم السلام کی ترتیب میں اختلاف ہے۔

(سنن نسائی کتاب الصلوۃ ج ا ص ۱۸-۲۱۷)

حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ زیادہ عمدہ اور صحیح ہے۔

واقعات معراج کی احادیث میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن سے مفید نکتے پیدا ہوتے ہیں، ان کو ہم اپنے مقاصد و مطالب میں بیان کریں گے۔

منجملہ ان میں سے حدیث ابن شہاب رضی اللہ عنہ ہے کہ اس میں ہر نبی کا یہ قول ہے کہ مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالْأَخِ الصَّالِحِ یعنی مرحبا اے نبی صالح اور صالح بھائی سوائے آدم و ابراہیم علیہما السلام کے کہ انھوں نے کہا: وَالْاِبْنِ الصَّالِحِ یعنی اے صالح فرزند!

اور اس میں طریق ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ پھر مجھے اوپر لے گئے، یہاں تک کہ ایک کشادہ ہموار مقام پر پہنچا کہ اس میں قلموں کے چرچرانے کی آواز سنتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ لے جایا گیا، اس کو ایسے رنگوں نے ڈھانپ لیا کہ میں نہیں جانتا وہ کیا ہیں، فرمایا: پھر جنت میں داخل کیا گیا۔

مالک بن صعصعہ کی حدیث میں ہے، جب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آگے بڑھا تو وہ روئے، ندا کی گئی: کیوں روتے ہو؟ عرض کیا کہ اے میرے رب عزوجل یہ وہ شخص ہے جس کو میرے بعد تو نے بھیجا اور ان کی امت میری امت سے زیادہ جنت میں داخل ہوگی۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ا ص ۱۴۸ صحیح بخاری کتاب الصلوۃ ج ا ص ۲۱ صحیح بخاری کتاب الانبیاء ج ۴ ص ۱۰۱، مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۴۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو جماعت انبیا میں دیکھا کہ نماز کی تیاری کی جارہی ہے، تو میں نے ان کی امامت کی، ایک کہنے والے نے کہا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم یہ داروغہ دوزخ مالک علیہ السلام ہیں ان کو سلام سے نوازئے، میں ان کی طرف متوجہ ہوا، اس نے مجھے سلام پیش کیا۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج۵ ص۱۹۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ پھر چلے یہاں تک کہ بیت المقدس آئے، براق سے اتر کر اس کو ایک پتھر سے باندھ دیا، فرشتوں کے ساتھ نماز پڑھی، جب نماز ختم ہوچکی تو کہنے لگے: اے جبریل (علیہ السلام) یہ تمھارے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا کہ یہ محمد ﷺ اللہ عزوجل کے رسول خاتم النبیین ہیں۔

انھوں نے کہا: کیا تم ان کی طرف بھیجے گئے ہو؟ کہا: ہاں، سب نے کہا: اللہ عزوجل آپ کو حیات دے یہ بھائی اور خلیفہ ہیں، کتنے اچھے بھائی اور کتنے اچھے خلیفہ ہیں، پھر انھوں نے ارواح انبیا علیہم السلام سے ملاقات کی اور اپنے رب عزوجل کی حمد بجالائے، ان میں سے ہر ایک کی گفتگو کا ذکر کیا، وہ حضرت ابراہیم، حضرت موسی، حضرت عیسی، حضرت داؤد، حضرت سلیمان علیہم السلام ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ کے کلام کا ذکر کیا کہ بلاشبہ محمد ﷺ اپنے رب عزوجل کی حمد بجالائے۔

فرمایا: تم سب نے اپنے رب عزوجل کی تعریف کی اور میں اپنے رب عزوجل کی تعریف کرتا ہوں کہ پاکی ہے اس اللہ عزوجل کی جس نے مجھے رحمۃ للعالمین اور تمام لوگوں کی طرف بشیر ونذیر کرکے بھیجا اور اس نے مجھ پر وہ قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو بہتر امت کیا اور میری امت کو درمیانی امت بنایا اور میری امت کو ایسا بنایا کہ وہی اول اور آخر ہے اور میرے سینہ کو کھول دیا اور ہر برائی کو مجھ سے دور کیا اور میرے ذکر کو بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا، تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

فرمایا: اسی وجہ سے تم پر محمد ﷺ فضیلت پا گئے، پھر ذکر کیا کہ حضور ﷺ کو آسمان دنیا کی طرف لے جایا گیا اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف جیسا کہ گذرا۔

(صحیح مسلم، نسائی، ترمذی، بحوالہ تفسیر در منثور ج ۵ ص ۲۲۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ مجھ کو سدرۃ المنتہی تک لے گئے، وہ مجھے آسمان پر ہے، جو کچھ زمین سے اوپر چڑھتا ہے، وہاں اس کی انتہا ہو جاتی ہے اور وہاں روک لیے جاتے ہیں اور جو چیز اوپر سے اترتی ہے وہ بھی وہیں منتہی ہوتی ہے، وہاں سے قبض کر لی جاتی ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى﴾

جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ (النجم: ۱۶)

فرمایا کہ وہ سونے کے پتنگے ہیں۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۵۷، مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۸۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ہے، مروی ہے کہ مجھ سے کہا گیا کہ یہی سدرۃ المنتہی ہے، جہاں آپ ﷺ کی امت کے ہر ایک عمل جو آپ ﷺ کے راستہ پر فوت ہوتا ہے پہنچتے ہیں۔

یہ سدرۃ المنتہی ہے جس کی جڑ میں سے چار نہریں جاری ہیں، ایک نہر صاف پانی کی، دوسری نہر دودھ کی جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا، تیسری نہر شراب کی جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہے، چوتھی نہر صاف شہد کی۔ سدرۃ المنتہی ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار ستر سال تک چل سکتا ہے، اس کا ایک پتا مخلوق کو ڈھانکنے والا ہے، اس کو نور اور فرشتوں نے ڈھانک لیا ہے، خدا کے فرمان اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى (النجم: ۱۶) کا یہی مفہوم ہے۔

اللہ عزوجل نے حضور ﷺ سے فرمایا: مانگیے؟ آپ ﷺ نے عرض کیا: تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنا کر ان کو بڑا ملک دیا، حضرت موسی علیہ السلام سے تو نے کلام فرمایا، حضرت داؤد علیہ السلام کو بڑا ملک دیا، لوہے کو ان کے لیے نرم کیا اور پہاڑوں کو ان کے لیے تابع فرمان کیا، حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عظیم دے کر جن وانس، شیاطین اور ہوا کو ان کا تابع فرمان بنایا اور ان کو ایسا ملک دیا جو ان کے بعد کسی کو لائق نہیں حضرت عیسی علیہ السلام کو توریت وانجیل سکھائی اور ان کو مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو تندرست بنانے والا کیا، ان کو اور ان کی والدہ کو شیطان مردود سے پناہ دی اور وہ مردود ان دونوں پر کوئی راہ نہیں پاتا۔

تب اللہ عزوجل نے حضور ﷺ سے فرمایا: میں نے تم کو خلیل اور حبیب بنایا اور یہ توریت میں مکتوب ہے کہ محمد ﷺ رحمن کے حبیب ہیں اور میں نے تم کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور تمھاری امت کو ایسا کیا کہ وہی اول اور وہی آخر ہیں اور میں نے تمھاری امت کو ایسا کیا کہ ان کے لیے خطبہ جائز نہیں، جب تک کہ وہ یہ گواہی نہ دیں، تم میرے بندے اور میرے رسول ہو اور اے محبوب میں نے تم کو خلقت کے اعتبار سے تو پہلے اور بعثت کے لحاظ سے آخر بنایا اور میں نے تم کو سبع مثانی دیا جو کہ میں نے کسی نبی کو تم سے پہلے نہیں دیا اور میں نے تم کو سورہ بقرہ کی آخری آیتیں (خاص طور پر) دیں، وہ میرے عرش کے نیچے کا خزانہ ہے جو تم سے پہلے کسی نبی کو نہ دیا اور میں نے تم کو شروع کرنے والا اور ختم کرنے والا بنایا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں (خاص طور) پر دی گئیں، یعنی پانچ نمازیں، سورہ بقرہ کی آخری آیتیں اور آپ ﷺ کی امت کے ان لوگوں کو ہلاک کرانے والے گناہ کبیرہ سے بخشش جنھوں نے کبھی خدا کا شریک نہ ٹھہرایا اور فرمایا:

﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا (النجم:۱۱)

جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر ہیں۔

شریک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ساتویں آسمان میں دیکھا فرمایا: ان کو یہ مرتبہ ان کے کلیم ہونے کی وجہ سے ملا۔

فرمایا: پھر مجھے اس سے اوپر لے گئے، اس مقام کو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میرا یہ گمان تھا کہ کوئی مجھ سے بڑھ کر نہ ہوگا۔ (یہ راوی کا تصرف معلوم ہوتا ہے حالانکہ توریت میں اس کی فضیلت مذکور ہے) (نسیم الریاض کمافی مناہل الصفاللسیوطی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے انبیاعلیہم السلام کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: میں ایک دن بیٹھا ہوا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور میرے دونوں کندھوں کو ہلایا پس میں کھڑا ہوا اور اس درخت کی طرف جو وہاں تھا بڑھا اور اس میں پرندوں کے دو گھونسلے کی مانند ایک میں، میں بیٹھا اور دوسرے میں وہ (جبرئیل علیہ السلام) پھر وہ بڑھ گیا، حتیٰ کہ اس نے مشرق اور مغرب کو ڈھانپ لیا اور اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا، میں ادھر ادھر دیکھتا رہا اور میں نے جبرئیل (علیہ السلام) کو دیکھا کہ وہ گویا ایک باریک کپڑا ہے جو زمین سے ملا ہوا ہے، میں نے ان کے مرتبہ علم کو جان لیا جو اللہ عزوجل نے مجھ پر دیا ہے، (یہ ان کی جزوی فضیلت ہے ورنہ کلی فضیلت حضور ﷺ ہی کو حاصل ہے۔ مترجم) میرے لیے آسمان کے دروازے کھلوائے گئے اور میں نے نورِ اعظم کو دیکھا اور میرے پیچھے پردہ ڈالا گیا کہ اس کی دراڑیں موتی اور یاقوت کی تھیں، پھر اللہ عزوجل نے جو چاہا مجھے وحی فرمائی۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۵)

بزار رضی اللہ عنہ نے حضرت علی مرتضیٰ بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کی کہ جب اللہ

عزوجل نے ارادہ فرمایا کہ اپنے رسول ﷺ کو اذان سکھائے تو جبرئیل علیہ السلام ایک جانور لائے، جس کو براق کہا جاتا ہے، آپ ﷺ اس پر سوار ہونے لگے تو اس نے شوخی کی، جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ٹھہر جا، خدا کی قسم تیرے اوپر حضور ﷺ سے بڑھ کر خدا کی بارگاہ میں کوئی مکرم بندہ سوار نہیں ہوا، پھر آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے یہاں تک کہ اس پردے کے قریب تک لے گیا جو اللہ عزوجل کے قریب تھا، آپ ﷺ اس حالت میں تھے کہ پردے یعنی حجاب کے پیچھے سے ایک فرشتہ نکلا، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: اے جبرئیل (علیہ السلام) یہ کون ہے؟ کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا، خدا کی بارگاہ میں، میں بہت مقرب ہوں لیکن اس فرشتہ کو جب سے میں پیدا ہوا ہوں اس سے پہلے نہ دیکھا، فرشتے نے کہا: اللہ اکبر اللہ اکبر اس کو پردے کے پیچھے سے کہا گیا کہ میرے بندے نے سچ کہا، میں اکبر ہوں، میں اکبر ہوں، پھر فرشتے نے کہا: أشهد أن لا إله إلا الله اس سے پردے کے پیچھے سے کہا گیا: میرے بندے نے سچ کہا، میں خدا ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بقیہ کلمات اذان کو اسی طرح ذکر کیا گیا مگر حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح کے جواب کا ذکر نہیں کیا اور کہا پھر فرشتے نے حضور ﷺ کا دست مبارک پکڑا اور آپ ﷺ کو آگے لے گیا تب آپ ﷺ نے آسمان والوں کی امامت فرمائی جس میں آدم و نوح علیہما السلام بھی تھے۔

(مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۲۹ تفسیر در منثور ج ۵ ص ۲۱۹)

ابو جعفر محمد بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم اس کے راوی نے کہا کہ اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کی شرافت کو تمام آسمان و زمین والوں پر کامل کر دیا۔

قاضی ابو الفضل (عیاض) رحمۃ اللہ علیہ اللہ عزوجل ان کو توفیق خیر دے، فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حجاب (پردے) کا جو ذکر ہے وہ پردہ مخلوق کے حق میں ہے نہ کہ خالق کے حق میں، وہ لوگ محجوب

ہیں اور اللہ عزوجل جل اسمہ، اس سے پاک ہے کہ کوئی اس کو چھپائے، اس لیے کہ پردہ میں وہ چیز ہو سکتی ہے جو اندازہ میں آئے اور وہ ہمارے حواس خمسہ میں آنے والی ہو لیکن اس کے پردے مخلوق کی آنکھوں، عقلوں اور فہموں پر ہیں، جس کے ساتھ وہ چاہے، جیسا چاہے اور جب چاہے جیسا کہ اللہ عزوجل خود فرماتا ہے:

﴿كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾

ہاں ہاں بیشک وہ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہیں (المطففین:۱۵)

اس پردہ والی حدیث کے، کہ فرشتہ پردے میں سے نکلا واجب ہے کہ یہ معنی کیے جائیں کہ وہ ایک پردہ تھا کہ دوسرے فرشتے اس فرشتہ کے سوا اللہ عزوجل کی عظمت و سلطنت، عجائب ملکوت و جبروت پر آگاہ نہ تھے، حدیث کے اس معنی پر جبرئیل علیہ السلام کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ فرشتہ جو پردے کے پیچھے سے نکلا ہے وہ ہے جس کو اپنی خلقت سے لے کر اس وقت تک اس سے پہلے نہ دیکھا، یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ پردہ ذات الٰہی کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

اس پر کعب احبار رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی دلیل لائی جا سکتی ہے، جو انھوں نے سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر میں بیان کی ہے، کہا کہ اس کی طرف فرشتوں کا علم منتہی ہوتا ہے اور اس کے نزدیک سے خدا کا حکم پاتے ہیں، اس سے آگے ان کا علم بڑھتا نہیں، لیکن اس حدیث میں یہ قول کہ رحمن (اللہ عزوجل) سے متّصل ہے تو یہ حذف مضاف اللہ عزوجل پر محمول کیا جائے گا یعنی عرش رحمان سے متّصل ہے یا اس کی بڑی آیات کے کسی امر سے یا اس کے معارف کے حقائق کے مبادی سے جس کو وہی زیادہ جانتا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ: اور اس بستی سے پوچھ دیکھیے۔ (یوسف:۸۲)

اور حدیث میں یہ قول کہ پردے کے پیچھے سے کہا گیا کہ میرے بندے نے سچ کہا میں اکبر ہوں، اس کے

ظاہری معنی یہ ہیں کہ اس جگہ سے حضور ﷺ نے کلام الٰہی کو سنا لیکن پردے کے پیچھے سے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ﴾

اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے ادھر ہو۔ (الشوریٰ:۵۱)

یعنی وہ اس کو نہیں دیکھ سکتا، اس کی رویت سے بشر کی آنکھوں پر پردے ڈال دیے جاتے ہیں، اگر یہ بات بالکل درست ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو (بے حجاب) دیکھا تو ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ اس مقام کے علاوہ کسی اور وقت میں دیکھا ہو یا اس سے پہلے دیکھا ہو اور آپ ﷺ کی آنکھوں سے پردے اٹھا دیے گئے ہوں، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے رویت الٰہی کی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسری فصل

آپ ﷺ کی معراج جسمانی تھی یا روحانی؟

علماے سلف کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور ﷺ کی معراج روحانی تھی یا جسمانی، اس میں تین قسم کی روایتیں ہیں، ایک گروہ اس طرف ہے کہ یہ معراج روحانی تھی اور یہ نیند میں دیکھنا ہے، باوجودیکہ اس بات میں تمام علما کا اتفاق ہے کہ انبیا علیہم السلام کی خواب حق اور وہ وحی ہے، اس طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گئے ہیں اور حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی ہے اور انھیں سے اس کے خلاف بھی مشہور ہے، اس کی طرف محمد بن اسحاق رضی اللہ عنہ نے اشارہ کیا ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾

اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمھیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو۔ (الاسرا:۶۰)

اور وہ حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے جسم اقدس کو گم نہیں کیا اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ ایک دن میں سو رہا تھا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے بموجب کہ حضور ﷺ مسجد حرام میں سو رہے تھے اور قصہ معراج بیان کیا، پھر اس کے آخر میں کہا جب بیدار ہوا تو میں مسجد حرام میں تھا (یہ دلائل معراج منامی کے قائلین کے لیے ہیں)۔

اکابر علما و سلف اور تمام مسلمان اس طرف گئے ہیں کہ حضور ﷺ کی معراج بیداری میں جسمانی تھی

اور یہی قول حق ہے اور حضرت ابن عباس، حضرت جابر، حضرت انس، حضرت حذیفہ، حضرت عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابو حبہ بدری، حضرت ابن مسعود، حضرت ضحاک، حضرت سعید بن جبیر، قتادہ، ابن مسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مسروق، مجاہد عکرمہ، ابن جریج رضی اللہ عنھم کا یہی مذہب ہے اور یہی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول پر حجت ہے اور یہی مذہب طبری، امام ابن حنبل رحمہما اللہ اور مسلمانوں کی بہت بڑی جماعت کا ہے اور یہی مذہب اکثر فقہائے متاخرین، محدثین، متکلّمین اور مفسرین رحمھم اللہ کا ہے۔

اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ حضور ﷺ کو بیداری کی حالت میں جسمانی معراج بیت المقدس تک ہوئی اور آسمانوں تک روحانی ہوئی، وہ اللہ عزوجل کے اس قول سے حجت پکڑتے ہیں۔

﴿سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا﴾

پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک۔ (الاسریٰ:۱)

پس وہ مسجد اقصیٰ تک اس معراج کی انتہا کو مانتے ہیں جس میں تعجب و حیرت واقع ہے اور اس میں آپ ﷺ کی بڑی قدر و مدح، وہاں تک تشریف لے جانے اور معراج ہونے کی کرامت نکلتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر معراج جسمانی مسجد اقصیٰ سے آگے تک بھی ہوتی تو اس کو اللہ عزوجل ذکر فرماتا، اس کا ذکر حضور ﷺ کی مدح میں اور اضافہ کرنا، پھر یہ دونوں گروہ اس میں مختلف ہیں کہ کیا حضور ﷺ نے بیت المقدس میں نماز پڑھی یا نہیں، مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا دوسروں کی حدیث پہلے ذکر کی جا چکی ہے، حذیفہ بن یمان

رضی اللہ عنہ اس کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا کی قسم آپ اور جبرئیل علیہ السلام براق کی پشت پر سوار تھے یہاں تک کہ آپ اور وہ واپس آ گئے۔(تفسیر در منثور ج۵ ص۲۱۶، سورۃ الاسری)

قاضی ابوالفضل (عیاض) رحمہ اللہ، اللہ عزوجل ان کو توفیق دے کہتے ہیں کہ حق وصحیح بات ان شاء اللہ عزوجل اس میں یہی ہے کہ حضور ﷺ کو معراج جسم و روح دونوں کے ساتھ شب معراج میں ہوئی اور اس پر آیہ کریمہ اور معتبر اخبار صحیحہ دلالت کرتی ہیں، ظاہر اور حقیقت سے تاویل کی طرف عدول نہیں کرنا چاہیے۔

سوائے امر محال کے اور حضور ﷺ کی معراج جسمانی اور حالت بیداری میں کوئی استحالہ نہیں، اس لیے کہ اگر منامی (خواب میں) ہوتی تو اللہ عزوجل ''رُوحُ عَبْدُہٗ'' فرماتا ''بِعَبْدِہٖ'' نہ فرماتا اور یہ کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَاطَغٰی: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔(النجم:۱۷)

اگر خواب میں ہوتی تو یہ نہ نشانی ہے اور نہ معجزہ اور نہ کفار اس سے تعجب کرتے اور نہ اس کو جھٹلاتے اور نہ ضعیف الاعتقاد مسلمان مرتد ہوتے اور نہ فتنے میں پڑتے، اس لیے کہ ایسی خوابوں کا کوئی انکار نہیں کرتا بلکہ یہ انکار اسی وجہ سے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے جسم و بیداری کی حالت میں معراج کی خبر دی ہے کیونکہ بیت المقدس میں انبیا علیہم السلام کے ساتھ نماز پڑھنے کا حدیث میں ذکر ہے، بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دوسروں کی روایت کے بموجب آسمانوں میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

پھر جبرئیل علیہ السلام کا براق لانا، معراج کی خوشخبری دینا، آسمانوں کے دروازے کھلوانا اور یہ کہا جانا کہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ اور یہ کہنا کہ محمد ﷺ اور انبیا علیہم السلام سے ملاقات کرنا ان کی ساری باتیں، ان کا مرحبا کہنا، نمازوں کا فرض ہونا اور اس میں موسی علیہ السلام کے پاس آنا جانا اور بعض

حدیثوں کے مطابق جبرئیل علیہ السلام کا میرا ہاتھ پکڑنا، آسمان پر لے جانا، پھر اتنا اونچا لے جانا کہ ہموار میدان آجائے وہاں قلموں کے چرچرانے کی آواز سننا، سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا اور جنت میں داخل ہونا، وہاں کی سیر کرنا، یہ سب احادیث میں مذکور ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ معراج آنکھوں دیکھا حال ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھوں سے دیکھا خواب نہ تھا۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۷، مسند امام احمد ج ۱ ص ۳۷۴)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حجر اسود کے پاس سو رہا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور پیچھے سے مجھے بلایا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا، مجھے نظر نہ آیا پھر لیٹ گیا، تین دفعہ یوں ہی ہوا، تیسری مرتبہ میرے کندھوں کو پکڑ کر اس نے بلایا اور مجھے مسجد کے دروازے تک لے گیا تو وہاں ایک جانور تھا اور براق کی خبر دی۔ (تفسیر در منثور ج ۵ ص ۲۷۲)

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرے گھر سے ہی معراج کرائی گئی، اس وقت عشاء کی نماز پڑھ کر ہمارے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سو گئے، جب صبح فجر سے کچھ قبل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم کو جگایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہم صبح کی نماز پڑھ چکے تو فرمایا: ”اے ام ہانی! میں نے تمھارے ساتھ عشاء کی نماز جیسا کہ تم نے دیکھا اس وادی میں پڑھی، پھر بیت المقدس میں جا کر اس میں نماز پڑھی، پھر صبح کی نماز اب تمھارے ساتھ جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو پڑھی ہے“، یہ حجت ہے اس بات پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج جسمانی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بن شداد بن اوس ایک روایت میں ان سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ شب معراج کی صبح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے رات کو کاشانہ اقدس میں تلاش کیا، آپ کو نہ پایا؟ ان کو جواب میں ارشاد فرمایا کہ ”مجھے جبرئیل علیہ السلام اٹھا کر بیت

المقدس لے گئے تھے"۔ (تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں نے شب معراج مسجد اقصی کے اندر نماز پڑھی، پھر میں صحرہ میں داخل ہوا تو ایک فرشتے کو تین برتن لیے کھڑا پایا" (الی آخر الحدیث) (تفسیر در منثور ج ۵ ص ۲۰۶)، یہ تصریحات بالکل ظاہر ہیں، ان میں کوئی احتمال نہیں اور اپنے ظاہری معنی میں ہی محمول ہیں۔

حضرت ابوذر حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: "میرے مکان کی چھت پھاڑی گئی، اس وقت میں مکہ میں تھا، پس جبرئیل علیہ السلام اترے اور میرا شرح صدر کیا، پھر آب زمزم سے غسل دیا، آخر قصہ تک، پھر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اوپر لے گئے"۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۱۰۸ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "میرے پاس (آنے والے) آئے اور مجھ کو زم زم تک لے گئے اور میرا شرح صدر کیا"۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "میں نے رکاوٹ محسوس کی جب قریش مجھ سے معراج کے بارے میں پوچھ رہے تھے، وہ مجھ سے ان چیزوں کا سوال کرتے تھے جن کو میں نے محفوظ نہ کیا تھا، تو میں نے سخت ہچکچاہٹ محسوس کی جو کہ اس سے پہلے بھی مجھے محسوس نہ ہوئی تھی تو اللہ عزوجل نے اس کو اٹھا کر میرے پیش نظر کر دیا،" اس کے مثل حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(صحیح بخاری ج ۵ ص ۴۴، مسلم ج ۱ ص ۱۵۷، ۱۵۶)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں: "پھر میں خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کی طرف واپس آیا، بحالیکہ انھوں نے اپنا پہلو بھی بدلا نہ تھا۔"

چوتھی فصل

معراج روحانی کے دلائل کارد

یہ فصل ان دلائل کے ابطال میں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ معراج (نومی) خواب میں تھی، وہ اللہ عزوجل کے اس قول کو حجت میں لاتے ہیں۔

﴿وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾

اور ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمھیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش کو۔ (اسریٰ:۶۰)

اس کو اللہ عزوجل نے رویا قرار دیا، ہم کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل کا فرمان سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ (اسریٰ) اس کو رد کرتا ہے، اس لیے کہ اسریٰ کی حالت نوم کے لیے بولا ہی نہیں جاتا اور فِتْنَةً لِّلنَّاسِ اس کی تائید کرتا ہے کہ وہ رویا عینی مشاہدہ تھا۔

اور معراج جسمانی (شخصی) تھی، اس لیے کہ خواب میں دیکھنا تو فتنہ ہے ہی نہیں اور نہ اس کی تکذیب کرتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنے خواب میں اس کی مثل کائنات میں ایک گھڑی کے اندر مختلف اطراف میں چلا جاتا ہے، علاوہ بریں اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت قصہ حدیبیہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی اور جو کچھ لوگوں کے دلوں میں اس سے واقع ہوا، اس کو بیان کر دیا، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔

لیکن ان کی یہ دلیل کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں مَنَامًا (خواب) کہا ہے اور دوسری حدیث میں بَيْنَ النَّائِمِ وَ الْيَقْظَانِ (میں نینداور بیداری کے درمیان تھا) آیا ہے اور یہ قول کہ وَهُوَ نَائِمٌ (درآنحالیکہ سو

رہا تھا) اور یہ قول کہ ثُمَّ اسْتَيْقَظْتُ (پھر میں بیدار ہوا) اس کو حجت میں نہیں لایا جا سکتا۔

اس لیے کہ حضور ﷺ کی خدمت میں سب سے پہلے فرشتہ اس حالت میں پہنچا ہو کہ آپ ﷺ سوتے ہوں یا شروع اٹھانے کے وقت آپ ﷺ سوتے ہوں، حدیث میں یہ کہیں نہیں ہے کہ معراج کے سارے واقعات میں آپ ﷺ سوتے رہے ہوں، البتہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ پھر ''میں بیدار ہوا تو مسجد حرام میں تھا'' شاید کہ استیقظت بمعنی اصبحت (یعنی صبح کی میں نے) مراد ہو یا واپسی کے بعد آ کر سو گیا، پھر جاگا تو مسجد حرام میں تھا۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ معراج لمبی رات تک نہ تھی بلکہ وہ تورات کے کچھ حصہ میں تھی اور کبھی یوں کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں بیدار ہوا، تو مسجد حرام میں تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت کے عجائبات کے مطالعہ نے ڈھاک لیا تھا اور آپ ﷺ کے باطن کو ملاء اعلیٰ کے مشاہدہ نے اور اپنے رب کی بڑی نشانیوں کے ملاحظہ نے وارفتہ کر دیا۔

اور تیسری وجہ یہ کہ آپ ﷺ کی نیند اور بیداری حقیقی معنی میں ہو جو الفاظ کا ظاہری اقتضا ہے لیکن معراج جسمانی ہوئی اس حال میں کہ آپ ﷺ کا قلب حاضر تھا۔

اور انبیا علیہم السلام کی نیند (خواب) حق ہوتی ہے، ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے قلوب بیدار ہوتے ہیں، بعض اصحاب کے اشارات اس طرف مائل ہوئے ہیں، ان میں سے بعض کہتے ہیں آپ ﷺ کا آنکھوں کو بند کرنا اس لیے تھا کہ کوئی محسوس چیز آپ ﷺ کو اللہ عزوجل سے نہ روک سکے، یہ بات انبیا علیہم السلام کے لیے نماز کے وقت میں نہیں ہو سکتی، ممکن ہے کہ اس معراج میں آپ ﷺ کی یہ حالت ہو۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ نیند سے مطلب یہ ہو کہ سونے والوں کی طرح سیدھے لیٹے ہوں اور اس تاویل کو

آپ ﷺ کا یہ فرمان قوی بناتا ہے جو عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہمام رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں سوتا تھا اور بعض دفعہ فرمایا کہ لیٹا تھا۔

ہدبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں آپ ﷺ سے منقول ہے کہ میں حطیم میں سورہا تھا اور بعض دفعہ فرمایا، حجر اسود کے پاس لیٹا تھا، دوسری روایت میں ہے کہ میں نیند اور بیداری کے درمیان تھا، پس اس حالت کو نیند کہہ دیا کیونکہ سونے والی حالت غالب تھی۔

بعض اس طرف گئے ہیں کہ یہ اضافات یعنی سونا، شکم کا چاک کرنا، اللہ عزوجل سے قریب و بعید ہونا صرف شریک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن یہ روایت منکر ہے، اس لیے کہ شکم کا چاک ہونا احادیث صحیحہ میں اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ ﷺ عہد طفولیت میں تھے جو نبوت سے پہلے کا وقت کا ہے اور اس لیے بھی کہ حدیث میں قبل بعثت کا ذکر ہے اور معراج باتفاق بعثت کے بعد ہوئی ہے، پس یہ سب دلائل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو کمزور کرتے ہیں, باوجودیکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے متعدّد طریقوں سے بیان کیا ہے کہ یہ روایت دوسروں سے منقول ہے، حضور ﷺ سے اس کو نہیں سنا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ تو مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا اور کتاب مسلم میں کہا کہ شاید یہ مالک ابن صعصعہ سے ہے، یعنی شک کا لفظ روایت کیا اور ایک دفعہ کہا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔

لیکن ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول کہ میں نے حضور ﷺ کے جسد اقدس کو گم نہیں کیا، اس کو حضرت عائشہ ﷺ اپنے مشاہدہ سے نہیں بیان کرتی ہیں، اس لیے کہ وہ اس وقت تک آپ ﷺ کی بیوی نہیں ہوئی تھیں اور نہ آپ رضی اللہ عنہا کی ایسی عمر تھی کہ اس میں کوئی یاد رہ

سکے اور شاید کہ وہ اس وقت تک پیدا بھی نہ ہوئی تھیں کیونکہ وقوع معراج کے تعین میں اختلاف ہے، پس جبکہ وقوع معراج اگر اول اسلام میں ہو جیسا کہ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور جو اس کی موافقت کرتے ہیں کہ بعثت کے ڈیڑھ سال بعد ہوئی، حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہجرت کے وقت آٹھ سال کی بچی تھیں۔

بعض کہتے ہیں کہ وقوع معراج ہجرت سے پانچ سال قبل اور بعض کہتے ہیں کہ ہجرت سے ایک سال قبل ہوئی، قرین صحت پانچ سال ہی معلوم ہوتی ہے، اس کی دلیل طویل ہے جو ہماری غرض سے متعلق نہیں، پھر جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود مشاہدہ نہیں کیا تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ انھوں نے دوسروں سے سن کر بیان کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ دوسروں کی خبر پر ان کی روایت کو ترجیح دی جائے، حالانکہ ان کے سوا دوسرے اس کے خلاف کہتے ہیں جیسا کہ حدیث ام ہانی رضی اللہ عنہا میں صاف طور پر بیان ہو چکا ہے، ان کے علاوہ اوروں نے بھی روایت کیا ہے۔

اب نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ثابت نہیں اور دوسری احادیث زیادہ ثابت اور صحیح ہیں۔ ہماری اس سے مراد ام ہانی کی حدیث ہے اور نہ وہ جو کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، نیز اس وجہ سے بھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ میں نے جسم اقدس کو گم نہیں کیا حالانکہ حضور ﷺ ان سے مدینہ میں ملے ہیں، یہ تمام دلیلیں ان کی روایت کو کمزور کر رہی ہیں، بلکہ آپ کا جسم کے ساتھ تشریف لے جانے پر انھیں کا صحیح قول دلالت کرتا ہے۔

وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کے آنکھ سے دیدار الٰہی کی روایت کا انکار کرتی ہیں، اگر ان کے نزدیک یہ خواب میں ہوتا ہے تو اس کا انکار نہ کرتیں، اگر کوئی یہ کہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ جو دیکھا دل نے نہ جھٹلایا۔ (النجم:۱۱)

اس سے دل کا دیکھنا مراد ہے اور یہ اس پر دلیل ہے کہ یہ خواب کا دیکھنا اور وحی تھی نہ کہ آنکھ اور حواس سے مشاہدہ کرنا، تو ہم اس کے جواب اور مقابلہ میں یہ آیت پیش کریں گے: **مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی**: آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی۔ (النجم:۱۷)

اس میں دیکھنے کی نسبت آنکھ کی طرف ہے اور مفسرین آیت کریمہ **مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی** کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ دل نے آنکھ کو حقیقت کے سوا وہم میں نہ ڈالا بلکہ اس کی رویت کی دل نے تصدیق کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کے دل نے انکار نہ کیا جو آپ ﷺ کی آنکھ نے دیکھا۔

پانچویں فصل

آپ ﷺ کا اللہ عزوجل کو دیکھنا

علماے سلف نے حضور ﷺ کا رب تبارک وتعالی کی رویت (دیکھنے) میں اختلاف کیا ہے، اس کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کیا۔

حدیث: حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ا ص ۱۶۰، صحیح بخاری کتاب بدء الخلق ج ۲ ص ۹۱) کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: یا ام المومنین! کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو فرمایا: تمھارے اس سوال سے میرے بال کھڑے ہوگئے، تین باتیں ایسی ہیں جو تم سے کہے وہ جھوٹا ہے، ایک یہ کہ جو تم سے کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا وہ جھوٹا ہے، پھر یہ آیت تلاوت کی:

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں (الانعام: ۱۰۳) آخر حدیث تک بیان کیا اور ایک جماعت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کی قائل ہے اور یہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مشہور ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ا ص ۱۶۱، صحیح بخاری کتاب بدو خلق ج ۳ ص ۹۱)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان سے مروی ہے (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ا ص ۱۵۸) وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور اس کے خلاف بھی ان سے منقول ہے کہ انھوں نے اس کے انکار کے ساتھ دنیا میں رویت الہی ناممکن فرمایا ہے، اس کی محدثین، فقہا اور متکلّمین کی ایک جماعت قائل ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آنکھ سے رویت الٰہی کی، انھیں سے عطا رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دل سے اس کو دیکھا، ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا۔

ابن اسحاق ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف ایک شخص کو بھیجا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھے کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کا دیدار کیا، فرمایا: ہاں اور ان سے یہی زیادہ مشہور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھ سے دیکھا، ان سے متعدّد طریقوں سے مروی ہے۔ (تفسیر در منثور ج ۷ ص ۲۴۸، سورۃ النجم) اور فرمایا: بیشک اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت سے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رویت سے خاص فرمایا، ان کی دلیل یہ فرمان الٰہی عزوجل ہے:

﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى (۱۱) اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى (۱۲)﴾

دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو اور انھوں نے تو وہ جلوہ دو بار دیکھا۔ (النجم: ۱۱-۱۲)

(سنن نسائی، مستدرک بحوال تفسیر در منثور ج ۷ ص ۶۴۷)

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے کلام اور اپنی رویت کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مابین تقسیم فرمایا ہے، پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ اپنے رب عزوجل کو دیکھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ اپنے رب عزوجل سے کلام فرمایا۔

ابوالفتح رازی اور ابواللیث سمرقندی رحمہما اللہ کعب احبار رضی اللہ عنہ سے حکایت نقل کرتے ہیں جو عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس اور کعب رضی اللہ عنہما

ایک دفعہ جمع ہوئے، تب ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم بنو ہاشم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دو مرتبہ اپنے رب کا دیدار کیا۔

کعب رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہی، یہاں تک کہ پہاڑوں نے اس کا جواب دیا اور کہا: بیشک اللہ عزوجل نے اپنی رویت اور اپنے کلام کو حضور ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مابین تقسیم کر دیا، پس موسیٰ علیہ السلام سے تو کلام کیا اور حضور ﷺ کو آپ ﷺ کے قلب کے ساتھ دیدار کرا دیا۔

(تفسیر در منثور ج ۷ ص ۲۴۷)

شریک رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے آیہ کریمہ کی تفسیر میں روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ محمد بن کعب قرظی اور ربیع بن انس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا: کیا آپ ﷺ نے اپنے رب عزوجل کا دیدار کیا؟ فرمایا: میں نے اس کو دل سے دیکھا، آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ (جامع البیان ج ۲۷ ص ۲۷ تفسیر در منثور ج ۷ ص ۲۴۸)

مالک بن یخامر رحمۃ اللہ علیہ نے معاذ رضی اللہ عنہ سے، انھوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا اور اس نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیک وسلم ملاء اعلیٰ (فرشتے) کس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔ (مسند امام احمد ج ا ص ۲۹۰-۲۸۵)

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری رضی اللہ عنہ اللہ عزوجل کی قسم کھاتے تھے کہ یقیناً حضور ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

ابو عمر طلمنکی رضی اللہ عنہ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے اس کو روایت کیا اور بعض متکلّمین نے اس مذہب کو ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منسوب کیا۔

ابن اسحاق رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مروان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ فرمایا: ہاں۔

نقاش رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کا قائل ہوں کہ آپ ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو اپنی آنکھ سے دیکھا، دیکھا، دیکھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے گئے یہاں تک کہ آپ کا سانس ختم ہوگیا۔ یعنی امام رحمۃ اللہ علیہ کا۔ ابوعمر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حمبل رحمۃ اللہ علیہ اس کے قائل ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دل سے دیکھا اور دنیا میں آنکھوں سے دیکھنے کی روایت کو ضعیف کہا ہے۔

سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نہ تو یہ کہتا ہوں کہ دیکھا اور نہ یہ کہتا ہوں کہ نہ دیکھا، حضرت ابن عباس اور عکرمہ، حسن اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کا آیت کی تاویل میں اختلاف ہے، حضرت ابن عباس اور عکرمہ رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ اللہ عزوجل کو اپنے دل سے دیکھا اور حضرت حسن اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی کہ جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا اور عبداللہ بن احمد بن حنبل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ حضور ﷺ نے دیدار الٰہی کیا، ابن عطا رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل کے ارشاد "اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ": کیا ہم نے تمھارا سینہ کشادہ نہ کیا۔ (الم نشرح:۱) کی تفسیر میں مروی ہے کہ کہا کہ حضور ﷺ کا شرح صدر رویت الٰہی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شرح صدر کلام ہے۔

ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رضی اللہ عنہ کے اصحاب کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ اللہ عزوجل کو اپنی آنکھ سے دیکھا اور اپنے سر کی دونوں آنکھوں سے دیکھا اور فرمایا: ہر نشانی جو انبیاے سابقین علیہم السلام میں سے کسی نبی کو دی گئی، بلاشبہ اس کی مثل ہمارے نبی ﷺ کو دیا گیا اور انھیں رویت

الٰہی سے فضیلت دے کر خاص کیا۔

اور بعض ہمارے مشائخ نے اس میں توقف کیا ہے اور کہا ہے کہ اس پر کوئی واضح دلیل نہیں ہے لیکن جائز ہے کہ یہ ہو۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) اللہ عزوجل ان کو توفیق خیر دے، فرماتے ہیں کہ حق الامر جس میں کوئی شک وشبہ نہیں یہ ہے کہ دنیا میں اللہ عزوجل کی رویت عقلاً جائز ہے اور عقلاً اس میں کوئی استعمال نہیں، دنیا میں دیدار الٰہی جائز ہونے کی دلیل یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دنیا میں دیدار الٰہی کی خواہش وطلب کی اور امر محال سے بے خبری نبی کی شان سے بعید ہے اور اس کا سوال وطلب کرنا اللہ عزوجل کے نبی کے لیے جائز نہیں، نبی علیہ السلام اس کا سوال کرتا ہے جو جائز و غیر تخیل ہو لیکن اس کا وقوع و مشاہدہ ان امور غیبیہ میں سے ہے جس کو اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

جب ہی تو اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: لَنْ تَرَانِیْ: مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے (اعراف:۱۴۳) یعنی تم میں اتنی طاقت نہیں ہے اور نہ اتنا حمل کہ میری رویت برداشت کر سکو پھر اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے ان کا مثل، جو ان سے زیادہ قوی و ثابت ہو کر دیا، وہ کوہ طور ہے۔

ان تمام باتوں میں ایسی کوئی بات نہیں کہ دنیا میں اس کی رویت کو محال بنائے، بلکہ فی الجملہ اس کا جواز ہی نکلتا ہے اور شریعت میں بھی کوئی دلیل قاطع ایسی نہیں جو رویت الٰہی کے محال و ممتنع پر ہو، اس لیے ہر موجود کی رویت جائز ہے، مستحیل و متعذر نہیں، یہ کوئی دلیل نہیں ہے جو لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ: آنکھیں اسے احاطا نہیں کرتیں۔ (الانعام:۱۰۳)

کیونکہ اس آیت کریمہ کی مختلف تاویلیں ہیں اور یہ بھی کہ جو اس کی رویت کو دنیا میں ممتنع کہتا ہے، مطابقاً محال کا مقتضی نہیں (بلکہ دنیا کی تخصیص ہی اس کا پتا دے رہی ہے کہ آخرت میں انشاء اللہ عزوجل ضرور

رویت ہوگی، شرح شفا) بلاشبہ اس آیت سے بعض علما رویت الہی کے جواز و عدم محال پر فی الجملہ استدلال کرتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں اللہ عزوجل کو کفار کی آنکھیں نہیں پاسکتیں، بعض نے کہا کہ اس کا احاطہ (گھیر) نہیں کر سکتیں، یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے، بعض نے کہا کہ آنکھیں تو اس کا ادراک نہیں کر سکتیں مگر دیکھنے والے اس کو پاسکتے ہیں (تفسیر ابن جریر سورۃ الانعام ج ۷ ص ۱۹۹) یہ تمام تاویلیں نہ تو منع رویت کی مقتضی ہیں اور نہ عدم محال کی۔

اسی طرح ان کی دلیل یہ بھی نہیں ہو سکتی جو اللہ عزوجل نے فرمایا: لَنۡ تَرَانِيۡ: مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے (الاعراف: ۱۴۳) اور نہ یہ کہ تُبۡتُ اِلَيۡكَ (تیری طرف رجوع کیا) جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور اس وجہ سے بھی کہ یہ عموم پر دلالت نہیں کرتی اور یہ کہ جو اس کے معنی یہ بتاتا ہے کہ تم دنیا میں نہیں دیکھ سکتے، یہ بھی تو ایک تاویل ہے، نیز اس میں ممانعت کی کوئی صراحت نہیں اور یہ کہ یہ صرف حضرت موسی علیہ السلام کے حق میں وارد ہے۔

جب کسی کلام میں بہت سی تاویلیں اور بکثرت احتمالات پیدا ہو جائیں تو اس سے کوئی قطعی اور حتمی فیصلہ نہیں ہوتا، (خواہ وہ جواز کا ہو یا امتناع کا) اور ان کی دلیل میں حضرت موسی علیہ السلام کا قول کہ تُبۡتُ اِلَيۡكَ (تیری طرف رجوع ہوتا ہوں) کے معنی یہ ہیں کہ میں اپنے سوال سے رجوع کرتا ہوں، جب تک تو اس کی قدرت و طاقت نہ دے۔

ابوبکر ہذلی رحمہ اللہ، اللہ عزوجل کے فرمان لَنۡ تَرَانِيۡ کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ کسی بشر کو یہ طاقت نہیں کہ دنیا میں میری طرف نظر کر سکے اور جو بھی میری طرف نظر کرے گا مر جائے گا۔

میں نے بعض علمائے سلف اور متاخرین کو اس کے معنی بیان کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ اللہ عزوجل

کی رویت دنیا میں اس لیے ممتنع ہے کہ دنیا والوں کی ترکیب اور ان کے قوی (اعضاء) کمزور ہیں، آفتوں اور فنا کے عوارض سے وہ متغیّر ہوتے رہتے ہیں پس وہ دیکھنے کی طاقت رکھتے ہی نہیں لیکن آخرت، تو ان کی وہاں ترکیب دوسری طرح پر ہوگی اور ان کو ایسا رزق دیا جائے گا جو قوی، ثابت اور باقی رکھنے والا ہوگا، ان کی آنکھوں اور دلوں کے نور پورے ہوں گے تو ان کو رویت کی طاقت دے دی جائے گی۔

اس طرح میں نے مالک ابن انس رضی اللہ عنہ کا قول دیکھا ہے، کہا کہ دنیا میں اللہ عزوجل کو دیکھا نہیں جاسکتا، اس لیے کہ وہ باقی ہے اور باقی کو فانی کے ساتھ نہیں دیکھا جاتا اور جب آخرت ہوگی اور آنکھیں باقی رہنے والی دی جائیں گی تو باقی کو باقی کے ساتھ دیکھ لیں گے۔ یہ کلام عمدہ اور نفیس ہے، اس میں کوئی دلیل استحالہ نہیں البتہ ضعف قدرت کی وجہ سے اس کا دیدار نہیں کرسکتے، جب اللہ عزوجل اپنے بندوں سے جس کو چاہے قوی کردے گا اور رویت الٰہی کو برداشت کرنے کی جب وہ طاقت دے گا تو اس کے حق میں وہ محال نہ رہے گا۔

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام اور حضور اکرم ﷺ کے بصر کی قوت و طاقت کتنی تھی اور قوت الٰہیہ سے ان دونوں کی کیسی قوت درا کہ تھی جس کو انھوں نے جانا اس طرح جانا اور جو دیکھا کیسے دیکھا۔ واللہ اعلم

قاضی ابوبکر رحمہ اللہ نے ان دونوں آیتوں کے جواب اور اس کے معنی بیان کرنے کے دوران میں فرمایا موسی علیہ السلام نے اللہ عزوجل کو دیکھا اس وجہ سے وہ تو بے ہوش ہوکر زمین پر آگئے اور پہاڑ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، اس کے ادراک کے ساتھ اللہ عزوجل نے اس کو پیدا کیا تھا۔ اللہ عزوجل کے اس قول سے انھوں نے احتیاط کیا ہے کہ:

﴿ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ﴾

ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ یہ اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا۔

(الاعراف:۱۴۳)

پھر فرمایا:

﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾

پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسی گرا بے ہوش۔(الاعراف:۱۴۳)

پہاڑ پر تجلی کے یہ معنی ہیں کہ اس پر اس کا ظہور ہوا حتی کہ اس کو دیکھا، میں اس قول (ابوبکر رحمہ اللہ) کے موافق ہے۔

جعفر بن محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے حضرت موسی علیہ السلام کو پہاڑ کی طرف متوجہ کر کے تجلی فرمائی، اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناوہ فوت ہو کر زمین پر آجاتے، پھر ہوش میں نہ آتے، یہ قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ موسی علیہ السلام نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بیشک پہاڑ نے رب عزوجل کو دیکھا ہے اور پہاڑ کے دیکھنے سے قائل استدلال کرتا ہے کہ ہمارے نبی ﷺ نے اپنے رب عزوجل کو دیکھا کیونکہ اس نے اس کو جواز کی دلیل ٹھہرایا ہے اور جواز میں کوئی شک و شبہ نہیں، اس لیے کہ آیات میں منع پر کوئی نص نہیں۔

لیکن ہمارے نبی ﷺ کے لیے دیدار الہی عزوجل کا واجب ہونا اور یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس میں بھی کوئی دلیل قطعی اور نص نہیں ہے کیونکہ اس بارے میں معتبر تو سورہ النجم کی دو آیتیں ہیں اور ان دونوں میں اختلاف منقول ہے اور دونوں کا احتمال ممکن ہے اور نہ کوئی قطعی متواتر حدیث حضور ﷺ سے اس بارے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث وہ ان کے اعتقاد کی خبر ہے، انھوں نے اس کی اسناد نبی کریم ﷺ کی طرف نہیں کی تا کہ ان کے ضمنی اعتقاد پر (عمل) واجب ہے، اسی طرح آیت کی تفسیر میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے اور حدیث معاذ رضی اللہ عنہ محتمل تاویل ہے اور اس کی سند اور متن دونوں مضطرب ہیں اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث بھی مختلف محتمل اور مشکل ہے، کیونکہ مروی ہے کہ وہ نور ہے میں اس کو کیونکر دیکھ سکتا ہوں (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۶۱) اور ہمارے بعض بزرگوں نے کہا کہ وہ نورانی ہے جو مجھے دکھائی دیا، دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا تو فرمایا: میں نے نور دیکھا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۶۱) لہذا صحت رویت الٰہی پر ان میں سے کسی ایک سے بھی حجت پکڑنا ممکن نہیں کیونکہ اگر صحیح ہو کہ میں نے نور دیکھا تو بلاشبہ آپ ﷺ نے اس کی خبر دی کہ آپ ﷺ نے اللہ عزوجل کو نہ دیکھا، آپ ﷺ نے تو نور دیکھا اس نے اس سے روک دیا اور رویت الٰہی میں حجاب بن گیا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۶۲) اور اسی طرف یہ قول بھی لوٹتا ہے کہ وہ نور ہے کیونکر دیکھ سکتا ہوں یعنی میں اس کو کیسے دیکھ سکتا ہوں، آنکھوں کے سامنے تو نور کے پردے ڈھکے ہوئے تھے، اس کی مثل وہ دوسری حدیث بھی ہے کہ "اس کا حجاب نور ہے۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کو نہ دیکھا، لیکن اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۲۷، ص ۲۷) اور آیہ کریمہ پڑھی: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى﴾ پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا پھر خوب اترا۔ (النجم: ۸) اور اللہ عزوجل اس پر قادر ہے کہ جو ادراک آنکھ میں ہے وہ دل میں پیدا فرما دے یا وہ جیسا کیا ہے، اس کے سوا کوئی اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی صریح حدیث اس بارے میں وارد ہو تو اس پر اعتقاد رکھا جائے گا اور اس کی طرف رجوع کرنا واجب ہوگا، اس لیے کہ اس میں کوئی امر محال نہیں ہے اور نہ کوئی مانع قطعی ہے جو کہ اس کو رد کیا جائے۔ واللہ الموفق للصواب

چھٹی فصل

واقعہ معراج میں حضور ﷺ کا اللہ عزوجل سے مناجات کرنا اور کلام کرنا

﴿فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی﴾

اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی۔(النجم:۱۰)

اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل جبرئیل علیہ السلام کو وحی فرماتا اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں لاتے، سوائے شاذ حالتوں کے، اس کے ساتھ جو احادیث شامل ہیں۔

حضرت جعفر بن محمد صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں، اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی طرف بلاواسطہ وحی فرمائی اور یہی واسطی رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے اور اس طرف بعض متکلّمین گئے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنے رب عزوجل سے شب معراج کلام کیا، اشعری رحمہ اللہ سے یہ منقول ہے، اور حضرت ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لوگوں نے نقل کیا ہے اور دوسرے اس کا انکار کرتے ہیں، نقاش، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے واقعہ شب معراج میں حضور ﷺ سے اللہ عزوجل کے اس قول دَنٰی فَتَدَلّٰی (قریب ہوئے اور قریب ہوئے) کی تفسیر میں بیان کیا ہے، فرمایا کہ مجھ کو جبرئیل علیہ السلام نے چھوڑ دیا، تب مجھے تمام آوازیں (آنا) ختم ہوگئیں۔

اس وقت اپنے رب عزوجل کا کلام سنا وہ فرماتا تھا، اے محمد صلی اللہ علیک وسلم! تمھارا خوف جاتا رہے قریب آؤ قریب آؤ، اسی کے مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، اس میں انھوں نے اس آیت سے دلیل لی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے:

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ

اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے ادھر ہو۔ (الشوریٰ:۵۱)

علما فرماتے ہیں کہ اس کی یہی تین قسمیں ہیں، یا تو پردے کے پیچھے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا یا فرشتہ کو بھیج کر ہو، جیسے تمام انبیا علیہم السلام پر ہوا اور اکثر حالتوں میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہوتا رہا، اب رہی تیسری قسم، وحی کے طور پر باتیں کرنا، سو کلام کی تقسیم میں اس کے سوا کوئی صورت نہیں باقی رہی کہ وہ مشاہدہ کے ساتھ بالمشافہ کلام ہو اور ایک قول یہ بھی ہے کہ وحی یہاں پر یہ ہے کہ نبی کے دل میں کلام کا القا کر دیا جائے بغیر کسی واسطہ اور ذریعہ کے۔

ابوبکر بزار رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے واقعہ شب معراج میں ذکر کیا ہے جو کہ کلام الٰہی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سننے میں آیت سے زیادہ واضح ہے، اس میں ذکر کیا ہے کہ فرشتے نے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہا، پردے کے پیچھے سے مجھ سے کہا گیا: میرے بندے نے صحیح کہا میں اکبر ہوں، میں اکبر ہوں اور اذان کے تمام کلمات کا اس طرح ذکر کیا، ان دونوں حدیثوں کے مشکلات، بعد کی فصل میں اور جو اس کے مشابہ ہیں اگلے باب کی فصل اول میں کلام آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ عزوجل کا کلام فرمانا اور ان مخصوص نبیوں سے کلام کرنا جس کو وہ خاص کرے جائز ہے، عقلاً محال و ممتنع نہیں اور نہ شریعت میں مخالفت پر کوئی دلیل ہے، پھر اگر اس میں کوئی حدیث صحیح ثابت ہے تو اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ عزوجل کا کلام فرمانا یقیناً حق ہے اور کتاب مجید میں اس کی صراحت کی گئی ہے اور اس کو مصدر سے ذکر کیا ہے تا کہ حقیقت پر

دلالت کرے اور آپ ﷺ کا مرتبہ بڑھایا گیا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ ساتویں آسمان پر بسبب کلام الٰہی عزوجل کے ہیں اور حضور ﷺ کو ان سب میں اوپر لے جایا گیا، یہاں تک کہ مقام استوی تک پہنچے اور قلموں کے چلنے کی آواز سنی، یہ کیونکر آپ ﷺ کے حق میں محال ہوگا یا کلام الٰہی کا سننا بعید ہوگا، پس پاکی ہے جس کو بھی جیسا چاہے نوازے اور اس نے ایک کو ایک پر درجات دیے۔

ساتویں فصل

شب معراج آپ ﷺ کا قرب

لیکن وہ جو حدیث معراج اور ظاہر آیت میں قرب و نزدیکی کا ذکر اللہ عزوجل کے فرمان:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى (٨) فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (٩) (النجم ۹-۸) میں ہے۔

اس میں اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ قرب و نزدیکی منقسم ہے حضور ﷺ اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے مابین یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص ہے یا سدرۃ المنتہی مراد ہے، اس کو رازی رحمہ اللہ نے کہا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے حضور ﷺ کا اللہ عزوجل سے قرب و نزدیکی مراد ہے، اس کے معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ "دَنٰی" یعنی قریب ہوئے اور "تَدَلّٰی" بہت قریب ہوئے، یہ روایت ہے کہ قرب کے معنی میں دونوں لفظ واحد ہیں، اس کو مکی رحمہ اللہ عنہ نے نقل کیا۔

ماوردی رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ وہ اللہ عزوجل ہے جو حضور ﷺ سے قریب ہوا، "فَتَدَلّٰی" اور حضور ﷺ اس سے قریب ہوئے یعنی اس کے امر (حکم) سے قریب ہوئے۔

نقاش نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ "دَنٰی" قریب ہوا اپنے بندہ محمد ﷺ سے "فَتَدَلّٰی" (تفسیر ابن جریر ج ۲۷ ص ۲۶) پس حضور ﷺ اس سے قریب ہوئے تو دیکھا جو

چاہا اور اپنی قدرت و عظمت حضور ﷺ کو دکھائی۔

حسن رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیم و تاخیر ہے، شب معراج حضوسر ﷺ کے قریب رف رف ہوا، اس پر آپ ﷺ نے تشریف رکھی پھر وہ بلند ہوا، پس حضور ﷺ اپنے رب عزوجل کے قریب ہوگئے، آپ ﷺ نے فرمایا: جب جبرئیل علیہ السلام جدا ہوگئے اور آوازیں منقطع ہوگئیں، جب اپنے رب عزوجل کے کلام کو میں نے سنا۔

صحیح حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے جبرئیل علیہ السلام سدرۃ المنتہی تک لے گئے اور اللہ رب العزت قریب ہوا اور بہت قریب ہوا، یہاں تک کہ دو کمان کا یا اس سے کم فاصلہ رہ گیا، آپ ﷺ کی طرف اللہ عزوجل نے جو چاہا وحی فرمائی، منجملہ ان کے پچاس نمازوں کی وحی ہے اور حدیث اسرا کا ذکر کیا۔ محمد بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور ﷺ ہیں جو اپنے رب عزوجل سے قریب ہوئے کہ دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا، جعفر بن محمد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اللہ عز وجل کے قرب کی کوئی حد نہیں اور بندوں کے قرب کی حد ہوتی ہے۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ قرب سے ”کیفیت“ منقطع ہوگئی تھی، (یعنی وہاں کیف و کم کا گزر ہی نہیں) کیا تم نے غور نہیں کیا کہ کس طرح جبرئیل علیہ السلام قریب سے حجاب میں رہے اور حضور ﷺ معرفت و ایمان سے کتنے قریب ہوئے، پھر سکون قلب کے ساتھ وہاں تک اترے جہاں تک کہ آپ ﷺ کو قریب کیا گیا اور آپ ﷺ کے دل سے تمام شک و شبہات دور ہوگئے۔

قاضی ابوالفضل (عیاض) اللہ عزوجل ان کو توفیق خیر دے، فرماتے ہیں کہ جانو! وہ جو قریب و نزدیک کی نسبت اللہ عزوجل کی جانب سے ہے یا اللہ عزوجل کی طرف ہے وہ قرب مکانی نہیں اور نہ قرب اس کی انتہا ہے بلکہ جیسا کہ ہم نے جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے کہ ”قرب کی کوئی حد

نہیں" اس سے یہی مطلب ہے کہ حضور ﷺ کا اپنے رب عزوجل سے قریب ہونا اور اس کا آپ ﷺ سے قریب ہونا، اس سے آپ ﷺ کی بڑی منزلت، آپ ﷺ کے رتبہ کی شرافت، انوار معرفت کی نورانیت، اسرار غیبیہ کا مشاہدہ اور آپ ﷺ کی قدر و منزلت کا اظہار ہے اور اللہ عزوجل کی جانب سے آپ ﷺ کے لیے نیکی، محبت، خوشی اور اکرام ہے اور اس میں وہ تاویل کی جاتی ہے جو اس فرمان نبوی میں تاویل کی جاتی ہے کہ **يَنْزِلُ رَبُّنَا إِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَاءِ**: ہمارا رب آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے۔ (اس کی) وجوہات میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ یہ اترنا فضیلت و خوبصورتی اور قبول و احسان کے لیے ہے۔

واسطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جو شخص یہ وہم کرتا ہے کہ اللہ عزوجل بنفسہ قریب ہوا تو وہ مسافت کو مانتا ہے۔ (حالانکہ بعد و قرب مسافت کے لحاظ سے ممتنع ہے) بلکہ جو چیز بنفسہ خدا سے قریب ہوگی، اتنا ہی وہ بعد کے قریب ہوگی، یعنی اس کی حقیقت کے ادراک سے، اس لیے اللہ عزوجل کے لیے نہ قرب ہے اور نہ بعد۔ اور اللہ عزوجل کا یہ فرمان "**قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى**" (النجم) اس میں جو شخص ضمیر کو اللہ عزوجل کی طرف لوٹاتا ہے اور جبرئیل علیہ السلام کی طرف نہیں کرتا، تو اس وقت اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ حضور ﷺ سے نہایت قرب، مہربانی کا مقام، ظہور معرفت اور حقیقی شرافت کے ساتھ ہے اور یہ بھی مقصود ہو سکتا ہے کہ وہ قرب آپ ﷺ کی رغبت و مطلب کو پورا کرنا، اظہار، نیکی اور رفعت منزلت و مرتبت اللہ عزوجل کی جانب سے آپ پر ہو۔

اس میں بھی یہی تاویل ہے جو حضور ﷺ کے اس فرمان میں ہے جو شخص مجھ سے ایک بالشت قریب ہوگا میں اس سے ایک گز قریب ہوں گا اور جو میرے پاس چل کر آئے گا تو میں اس کے پاس دوڑ کر آؤں گا۔ (صحیح بخاری کتاب التوحید ج۹ ص۱۲۶)، سو یہ قرب، اجابت، قبول دعا، احسان اور مقصد کا پورا کرتا ہے۔

آٹھویں فصل

حضور ﷺ بروز قیامت خصوصی فضیلت سے مکرم ہوں گے

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں، جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے باہر آؤں گا اور میں ان کا خطیب ہوں گا جب وہ جمع ہو کر آئیں گے اور میں ان کو خوشخبری دینے والا ہوں گا، جب وہ مایوس ہو جائیں گے، میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا اور میں اپنے رب عزوجل کے حضور تمام اولاد آدم علیہ السلام میں سب سے زیادہ مکرم ہوں گا اور یہ فخر نہیں۔ (اظہار واقعہ ہے) (سنن ترمذی ج۵ ص۲۴۵ کتاب المناقب)

ابن زفر رحمہ اللہ کی روایت میں جو ربیع بن انس رضی اللہ عنہ سے ہے، اس کے الفاظ حدیث یہ ہیں کہ میں لوگوں سے سب سے پہلے باہر آؤں گا جب وہ اٹھائے جائیں گے اور ان کا سردار ہوں گا، جب وہ آئیں گے اور میں ان کا خطیب بنوں گا جب وہ خاموش ہو جائیں گے اور میں ان کا شفیع ہوں گا جب وہ روک لیے جائیں گے اور میں ان کا خوشخبری دینے والا ہوں گے جب کا وہ حیران ہوں گے، بزرگی کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہو گا اور میں اولاد آدم میں سب سے بڑھ کر اللہ عزوجل کے حضور مکرم ہوں اور یہ فخر نہیں، میرے گرداگرد ایک ہزار خدمتی ہوں گے گویا وہ چمکتے موتی ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنتی لباس میں سے مجھے ایک جوڑا پہنایا جائے گا پھر عرش کے داہنی جانب کھڑا ہوں گا، میرے سوا کوئی مخلوق میں سے اس جگہ بھی کھڑا نہ ہوا۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ علیہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں قیامت

کے دن اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا، میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہو گا اور فخر نہیں اور آدم علیہ السلام اور ان کے سوا تمام نبی علیہم السلام میرے جھنڈے ہی کے نیچے ہوں گے، میں پہلا شخص ہوں گا جو زمین سے باہر آئے گا اور فخر نہیں۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۲۴۶ سنن ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ فرمایا: بروز قیامت میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں گا، میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جو قبر سے نکلے گا اور میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں ہی بروز قیامت لواء الحمد کا اٹھانے والا ہوں گا، اس میں فخر نہیں اور میں ہی پہلا شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں گا۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۲۴۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ فخر نہیں اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جو قیامت میں شفاعت کرے گا اور میرے امتی سب سے زیادہ ہوں گے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۸۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں بروز قیامت سید الناس ہوں گا، تم جانتے ہو یہ کیوں ہو گا؟ اللہ عزوجل اولین و آخرین کو جمع کرے گا اور حدیث شفاعت کا ذکر کیا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ حدیث ۱۸۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میں خواہش رکھتا ہوں کہ بروز قیامت میرا اجر تمام انبیا علیہم السلام سے زیادہ ہو۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۲۰۱)

دوسری حدیث میں ہے کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ بروز قیامت تم میں حضرت ابراہیم اور حضرت عیسی علیہ السلام ہوں، پھر فرمایا: میں دونوں بروز قیامت میری امت میں ہوں گے لیکن حضرت

ابراہیم علیہ السلام وہ فرماتے ہوں گے آپ تو میری دعا اور میری اولاد ہیں مجھ کو اپنی امت میں شمار فرمائے اور عیسی علیہ السلام اس لیے امتی ہیں کہ انبیاے کرام علیہم السلام باہم علاتی بھائی ہیں کہ ان کی مائیں تو مختلف ہیں اور عیسی علیہ السلام میرے بھائی ہیں کہ ان کے اور میرے مابین کوئی نبی نہیں ہے اور میں لوگوں کی نسبت ان کے ساتھ زیادہ حقدار ہوں۔

اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں بروز قیامت لوگوں کا سردار ہوں گا، آپ ﷺ دنیا میں بھی ان کے سردار ہیں اور قیامت میں بھی لیکن (قیامت کے ساتھ) آپ ﷺ کا ارشاد فرمانا اس لیے ہے کہ آپ ﷺ کی سیادت و شفاعت منفرد ہے، کوئی اس میں دوسرا مزاحم نہیں، جب لوگ آپ ﷺ کی طرف التجائیں کریں گے اور آپ ﷺ کے سوا کسی کو نہ پائیں گے اور آپ ﷺ ایسے سردار ہوں گے کہ آپ ﷺ کی طرف لوگ اپنی ضروریات میں پناہ لیں گے، تو آپ ﷺ اس وقت لوگوں میں تنہا سردار ہوں گے، اس میں کوئی آپ ﷺ کا دعویدار اور مزاحم نہ ہوگا، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ: آج کس کی بادشاہی ہے۔ (المومن:۱۶) (پھر خود ہی فرمائے گا) لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ: ایک اللہ سب پر غالب کی۔ (المؤمن:۱۲) حالانکہ دنیا اور آخرت اس کا ملک ہے لیکن آخرت میں چونکہ دنیا میں جو دعوے کرتے تھے ان کے دعوے ختم ہو جائیں گے۔ (اس لیے اس نے یہ فرمایا)۔

اسی طرح تمام لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت کی التجا کریں گے تو آخرت میں بغیر کسی دعویدار کے ان کے سردار ہوں گے۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان جا حدیث ۱۸۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بروز قیامت جنت کے دروازہ پر آکر دروازہ کھلواؤں گا، خازن جنت (داروغہ) کہے گا تم کون ہو؟ میں کہوں گا: محمد (ﷺ)

کہے گا مجھے آپ ﷺ ہی کے لیے حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت کا (لمبا) ہے اور اس کے کونے برابر کے ہیں، اس کا پانی چاندی سے زیادہ سفید ہے، اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ پیاری، اس کے پیالے آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں جو اس کو بنے گا کبھی وہ پیاسا نہ ہو گا۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق ج ۸ ص ۱۰۱، مسلم کتاب الفضائل ج ۴ ص ۱۷۹۳)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل مروی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الفصائل ج ۴ ص ۱۷۹۸) اس کی لمبائی اتنی ہے جتنی عمان سے ایلہ تک ہے، اس میں جنن سے دو پرنالے گرتے ہیں۔

ثوبان رضی اللہ عنہ سے اس کے مثل مروی ہے ان میں سے ایک نے کہا: سونے کا، دوسرے نے کہا: چاندی کا۔ اور حارثہ بن رہب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اس کی مابین مدینہ اور صنعا کے برابر ہے اور انس رضی اللہ عنہ نے کہا: مریلہ اور صنعا کے برابر ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: کوفہ اور حجر اسود کے مابین لمبائی ہے اور حوض کی حدیث کو حضرت انس (صحیح مسلم کتاب المصائل ج ۳ ص ۱۷۹۷- مزید حوالہ جات کے لیے مناہل الصفاء ص ۱۰۲) جابر، سمرہ، ابن عمر، عقبہ ابن ارقم، ابن مسعود، عبداللہ بن زید، سہل بن سعد، سوید بن جبلہ، ابوبکر، عمر بن خطاب، ابن بریدہ، ابوسعید خدری، عبداللہ صالحی، ابو ہریرہ، براء، جندب، عائشہ، اسماء ابوبکر کی صاحبزادیاں، ابوبکرہ، خولہ بن قیس، وغیر ہم میں نے بھی روایت کیا ہے۔

نویں فصل

آپ ﷺ کی محبت وخلت کا بیان

ان احادیث صحیحہ کا ذکر جن میں محبت وخلت کی وجہ سے حضور ﷺ کو فضیلت حاصل ہے اور مسلمانوں کی زبان پر آپ "حبیب اللہ ﷺ" کے ساتھ مخصوص ہیں۔

حدیث: حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے بالا سناد مروی ہے اور وہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں اللہ عزوجل کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بناتا اور دوسری حدیث میں ہے کہ تمھارا صاحب اللہ عزوجل کا دوست ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے ہے کہ بیشک اللہ عزوجل نے تمھارے صاحب کو خلیل بنالیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی آپ ﷺ کا انتظار کر رہی تھی کہ آپ ﷺ نکلے یہاں تک کہ جب ان کے نزدیک ہوئے، تو آپ ﷺ نے ان کی باتیں سنیں جو وہ کر رہے تھے، آپ ﷺ نے سنا کہ ایک ان میں کہہ رہا تھ، تعجب ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا، دوسرے نے کہا: کیا یہ زیادہ عجیب بات نہیں؟ کہ موسیٰ علیہ السلام سے اللہ عزوجل نے کلام فرمایا، ان میں سے دوسرے نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ عزوجل کے کلمہ اور اس کی روح ہیں، ایک نے کہا کہ آدم علیہ السلام اللہ عزوجل کے صفی اور برگزیدہ ہیں۔

تب حضور ﷺ ان کے سامنے آئے اور سلام کیا اور فرمایا: میں نے تمھاری باتیں اور کلمات تعجب

سنے، بیشک اللہ عزوجل نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا وہ اس کے لائق تھے اور موسی علیہ السلام کو نجی اللہ کیا وہ اس کے لائق تھے اور عیسی علیہ السلام کو روح اللہ بنایا وہ اس کے لائق تھے اور آدم علیہ السلام کو اپنا برگزیدہ نبی بنایا وہ اس کے لائق تھے، خبردار! میں حبیب اللہ ہوں، یہ فخر سے نہیں کہتا اور میں ہی بروز قیامت حامل لواء الحمد ہوں میں فخر سے نہیں کہتا، میں پہلا شفاعت کرنے والا اور مقبول شفاعت ہوں اس میں فخر نہیں اور میں پہلا شخص ہوں گا جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائے گا، اللہ عزوجل میرے لیے کھولے گا پھر وہ مجھے داخل کرے گا درانحالیکہ میرے ساتھ فقرا مومنین ہوں گے، یہ فخر نہیں، میں اکرم الاولین والآخرین ہوں، فخر نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: میں نے آپ کو خلیل بنایا پس آپ کا اسم مبارک توریت میں حبیب الرحمن مکتوب ہے۔ (وفی حدیث الاسراہ مزہ)

قاضی ابوالفضل عیاض (رحمہ اللہ) اللہ عزوجل ان کو توفیق خیر دے، فرماتے ہیں کہ علت کی تفسیر و اشتقاق میں اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں خلیل وہ ہے جو یکسو ہو کر ایسا اللہ عزوجل کی طرف ہو جائے کہ اس کے انقاع و محبت میں کوئی خلل واقع نہ ہو، بعض کہتے ہیں خلیل وہ جو خاص ہو جائے، اس قول کو بہت سوں نے اختیار کیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ ملت کی اصل استصفاء یعنی پاکیزگی محبت میں اختیار کرنا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام خلیل اللہ اس لیے رکھا گیا کہ وہ اس کی راہ میں دوستی کرتے اور اس کی ہی راہ میں دشمنی کرتے تھے، ان کے لیے اللہ عزوجل کی خلت ان کی مدد نصرت ہے اور بعد والوں کے لیے ان کو امام بنایا۔

بعض کہتے ہیں کہ دراصل خلیل وہ ہے جو فقیر محتاج اور یکسو ہو، یہ خلت سے ماخوذ ہے، جس کے معنی حاجت و ضرورت کے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس کے ساتھ یوں نام رکھا گیا کہ انھوں نے اپنی تمام حاجتیں اللہ عزوجل پر موقوف رکھی ہوئی تھیں اور اس کی طرف اپنے تمام ارادے کیے ہوئے تھے اس کے غیر سے ان کا علاقہ تھا ہی نہیں، جس وقت آپ اعلیہ السلام منجنیق (گوپھن) میں تھے کہ آپ علیہ السلام کو آگ میں پھینکا جائے تو جبرئیل علیہ السلام حاضر آئے اور کہا: مَالَكَ حَاجَةٌ (کیا کوئی حاجت ہے) فرمایا: اِنَّمَا اِلَيْكَ فَلَا (بندہ سراپا حاجت ہے مگر تجھ سے نہیں) (الحلیہ لابی نیم ج ۱ ص ۲۰)

ابوبکر بن خورک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خلت یہ ہے، محبت میں ایسی پاکیزگی ہو کہ اسرار کے درمیان اختصاص کو واجب کردے۔

بعض کہتے ہیں کہ دراصل خلت محبت ہے اور اس کے معنی ہمدردی، مہربانی، رفع درجات اور شفاعت کرنا ہے، اللہ عزوجل نے اس کو اپنی کتاب مجید میں بیان فرمادیا ہے:

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ﴾

یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تم فرماؤ: پھر تمھیں کیوں تمھارے گناہوں پر عذاب فرماتا ہے۔ (المائدہ:۱۸)

لہٰذا محبوب کے لیے یہ واجب و ضروری ہے کہ اس کے گناہوں سے مواخذہ نہ کیا جائے۔ کہا کہ اس کو یاد رکھ! خلت نبوت سے اقوی ہے کیونکہ نبوت میں بھی عداوت بھی ہوتی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ﴾

تمھاری کچھ بیبیاں اور بچے تمھارے دشمن ہیں تو ان سے احتیاط رکھو۔ (التغابن:۱۴)

اور صحیح نہیں کہ خلت کے ساتھ عداوت ہو، پس اب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضور ﷺ کو خلت کے ساتھ نام رکھنا یا تو اللہ عزوجل کی طرف پورے پورے یکسو ہو جائے اور اپنی حاجتوں کو اس کی طرف موقوف رکھنے اور اس کے غیر سے علاحدگی اختیار کر لینے اور وسائط و اسباب سے اعراض کر لینے کی وجہ سے ہے یا یہ اختصاص میں زیادتی ہے، ان دونوں کے لیے اللہ عزوجل کی جانب سے اور پوشیدہ مہربانیاں ہیں، ان دونوں پر اور ان دونوں کے دلوں پر اسرار الٰہیہ اور خفی غیوبات ربانیہ اور معرفت حقانیہ کے سوا کسی اور کی آمیزش نہ کی، یا اللہ عزوجل نے ان دونوں کو اپنا برگزیدہ کر لیا یا ان کے دلوں کو اپنے غیر سے ایسا پاک و صاف کر دیا کہ اس میں کسی غیر کی محبت کی گنجائش ہی نہیں رہی، اسی وجہ سے بعضوں نے کہا ہے کہ خلیل وہ ہے کہ اس کا دل ماسوا اللہ عزوجل کے لیے گنجائش نہ رکھے۔

ان کے نزدیک اس فرمان نبوی ﷺ کے بھی معنی یہ ہیں کہ فرمایا: اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا، لیکن وہ میرے اسلامی بھائی ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ ج ا ص ۸۳، صحیح مسلم فضائل صحابہ ج ۳ ص ۱۸۵۳)

علمائے کرام اور ارباب قلوب صوفیائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ ان میں سے کس کا درجہ بڑا ہے؟ آیا خلت کا درجہ یا محبت کا درجہ؟ پس بعضوں نے تو ان دونوں کو برابر کہا، ان کے نزدیک حبیب ہی خلیل ہے اور خلیل ہی حبیب ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلت کے ساتھ اور حضور ﷺ کو محبت کے ساتھ خاص کیا اور بعضوں نے کہا کہ خلت کا درجہ اور ہے اور انھوں نے اس فرمان نبوی ﷺ سے دلیل پکڑی "اگر میں کسی کو خلیل بناتا، اپنے رب عزوجل کے سوا پس آپ نے نہیں بنایا، آپ نے محبت کا اطلاق (اپنی صاحبزادی) (سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۲۲) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں صاحبزادے (سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۲۲) (حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ

عنہما) اور اسامہ رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری ج۵ ص۲۱، صحیح مسلم فضائل صحابہ ج۴ ص۱۸۸) وغیرہم پر کیا ہے۔

اکثر علما کرام کہتے ہیں کہ خلت سے بڑھ کر محبت کا درجہ ہے، اس لیے کہ ہمارے نبی ﷺ کا درجہ حبیب حضرت خلیل علیہ السلام کے درجہ خلیل سے بلند ہے۔

محبت دراصل ایک ایسا میلان ہے جو محبت کرنے والا کسی کی طرف موافقت کرے لیکن اس کا اطلاق اس کے حق میں ہے کہ اس سے میلان صحیح ہو سکے اور موافقت سے نفع حاصل ہو، یہ درجہ مخلوق کا ہے لیکن خالق عزوجل ان اغراض سے منزہ ہے، اس کا اپنے بندے سے محبت کرنا ہی ہے کہ اس کو سعادت، عصمت، توفیق، اسباب قرب مہیا کرنا اور ان پر اپنی رحمت کے فیضان سے عزت دینا ہے، اس کی غایت یہ ہے کہ اس کے قلب سے حجابات کھول دے یہاں تک وہ اپنے قلب کو دیکھ لے اور اپنی بصیرت کے ساتھ اس کی طرف نظر کرے، پس وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا۔

جب اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں (صحیح بخاری کتاب الرقاق ج۳ ص۸۹) جس سے وہ بولے اور اس سے سوا اس کے اور کچھ نہیں سمجھا جاتا کہ وہ محض اللہ عزوجل کے لیے مجرد ہو جاتا ہے اور اس کی طرف یکسو ہو جاتا ہے، غیر اللہ سے اس کو اعراض ہو جاتا ہے اور اللہ عزوجل کے لیے دل مصفی ہو جاتا ہے اور تمام حرکات خالص اللہ عزوجل کے لیے ہو جاتے ہیں۔

جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، حضور ﷺ کا خلق قرآن تھا، اس کی رضا پر راضی، اس کی ناراضگی پر ناراض، اسی وجہ سے بعضوں نے ملت کی تعبیر کی ہے۔

قَدْ تَخَلَّلْتَ مَسْلَكَ الرُّوْحِ مِنِّيْ   وَبِذَا سُمِّيَ الْخَلِيْلُ خَلِيْلًا

بیشک تم مجھ میں اس طرح سرایت کر گئے ہو جیسے روح نے سرایت کی ہے، اس لیے خلیل کو خلیل کہتے ہیں۔

فَإِذَا مَا نَطَقْتُ كُنْتَ حَدِيثِي وَإِذَا مَا سَكَتُّ كُنْتَ الْقَلِيلَا

پس جب میں بات کرتا ہوں تو تم میری بات ہوتے ہو اور جب میں خاموش ہوتا ہوں تو تم دل میں ہوتے ہو۔

پس جب خلت کی زیادتی اور محبت کی خصوصیت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حاصل ہے، جس پر آثار صحیحہ مشہور مقبولہ امت دلالت کرتی ہیں اور اللہ عزوجل کا یہ فرمان کافی ہے۔

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ﴾

اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو۔ (آل عمران: ۳۱)

مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار نے کہا تھا کہ محمد (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) چاہتے ہیں کہ ہم ان کو معبود بنالیں جیسا کہ نصاری نے حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام کو بنالیا ہے تو اللہ عزوجل نے ان پر اظہار غضب اور ان کی بکواس کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا:

﴿قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ﴾

تم فرمادو کہ حکم مانو اللہ اور رسول کا۔ (آل عمران: ۳۲)

پس اللہ عزوجل نے آپ کی شرافت کو زیادہ فرمایا ان کو یہ حکم دے کر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کریں اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت کے ساتھ پیوستہ کیا، پھر ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی پر ڈرایا۔ فرمایا:

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر۔ (آل عمران: ۳۲)

بیشک امام ابوبکر بن فورک رحمہ اللہ عنہ نے ایسا کلام بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ محبت اور خلت

میں فرق ہے،ان کے تمام ارشادات علت پر مقام محبت کی زبان میں طویل ہیں،لیکن ہم ان میں صرف اتنا بیان کریں گے جو مابعد کی طرف ہدایت کرے،منجملہ ان کے اقوال میں سے یہ ہے کہ خلیل بالواسطہ پہنچتا ہے، اللہ عزوجل کے اس فرمان سے دلیل لی ہے کہ ﴿وَ كَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾اوراسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور زمین کی(الانعام:۷۵)اور حبیب اس کی طرف بلاواسطہ راہ راست پہنچتا ہے،ان کا ماخذ یہ ہے کہ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى﴾ تو اس جلوے اور اس محبوب میں دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔(النجم:۹)،ایک روایت یہ بھی ہے کہ خلیل وہ ہے کہ اس کی مغفرت حد طمع میں رہتی ہے۔ان کا ماخذ یہ ہے:﴿وَ الَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ﴾اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔(الشعراء:۸۲)

اور حبیب وہ ہے کہ اس کی مغفرت حد یقین میں ہوتی ہے،ان کا ماخذ یہ ہے کہ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾تاکہ اللہ تمھارے سبب سے گناہ بخشے تمھارے اگلوں کے اور تمھارے پچھلوں کے۔(الفتح:۲)

اور خلیل نے کہا کہ﴿وَ لَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ﴾(الشعراء:۸۷) اور مجھے رسوانہ کرنا جس دن سب اٹھائے جائیں گے﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ﴾جس دن اللہ رسوانہ کرے گا نبی کو۔(التحریم:۸) آپ کو سوال سے پہلے ہی بشارت دے دی گئی اور خلیل نے امتحان کے وقت کہا:حَسْبِيَ اللّٰهُ مجھے اللہ کافی ہے۔(التوبہ:۱۲۹)اور حبیب کے لیے کہا گیا:حَسْبُكَ اللّٰهُ:اللہ تمھیں کافی ہے۔(الانفال:۶۴) خلیل نے کہا﴿وَ اجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ﴾اور میری سچی نام وری رکھ۔(الشعراء:۸۴)اور حبیب سے کہا گیا﴿وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ﴾اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کر دیا۔(الم نشرح:۴) یہ چیز میں

بغیر سوال مرحمت فرمائی گئیں۔

خلیل نے کہا ﴿وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾ اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا۔ (ابراہیم: ۳۵) اور حبیب سے کہا گیا:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ﴾

اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دور ہر فرما دے۔ (الاحزاب: ۳۳)

یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اصحاب مقال کے مقصد یعنی مقامات و احوال کی فضیلت پر ایک تہیہ ہے اور ہر ایک اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے، پس تمھارا رب عزوجل ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون سیدھے راستے پر ہے۔

دسویں فصل

حضور ﷺ کی فضیلت و شفاعت اور مقام محمود کا ذکر

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ (اسریٰ:۷۹)

قریب ہے کہ تمھیں تمھارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمھاری حمد کریں۔

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالاسناد مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ بروز قیامت لوگ گروہ در گروہ ہو جائیں گے، ہر امت اپنے نبی علیہ السلام کے تابع ہوگی اور عرض کرے گی: اے فلاں نبی ہماری شفاعت کیجیے، اے ہمارے نبی ہماری شفاعت کیجیے، یہاں تک کہ وہ سب مجتمع ہو کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شفاعت چاہیں گے، یہ وہ دن ہوگا جس میں اللہ عزوجل آپ ﷺ کو مقام محمود عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری تفسیر سورہ الاسراء ج ۱ ص ۷۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا، فرمایا: یہ شفاعت ہے۔

کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بروز قیامت لوگ اٹھائے جائیں گے، پس میں اور میری امت ایک ٹیلہ پر ہوں گے، اللہ عزوجل مجھ کو سبز جوڑا پہنائے گا پھر مجھے اذن شفاعت دے گا، جو خدا چاہے گا کہوں گا، یہی مقام محمود ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۶)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے حدیث شفاعت بیان کرتے ہوئے

فرمایا، حضور ﷺ چلیں گے یہاں تک جنت کے دروازہ کا حلقہ (زنجیر) پکڑیں گے، پس اس دن اللہ عزوجل آپ ﷺ کو وہ مقام عطا فرمائے گا جس کا آپ ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ عرش کی داہنی جانب ایسے مقام پر کھڑے ہوں گے کہ آپ ﷺ کے سوا کوئی وہاں کھڑا نہ ہو سکے گا، اس وقت آپ ﷺ پر اگلے پچھلے سب رشک کریں گے، اس کی مثل کعب اور حسن رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۸) ایک روایت میں ہے کہ وہ مقام ایسا ہے جس میں اپنی امت کے لیے شفاعت کروں گا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں مقام محمود پر کھڑا ہونے والا ہوں گا، عرض کیا گیا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: یہ وہ دن ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی کرسی (عدالت) پر جلوہ گر ہوگا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۹۸)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے اختیار دیا گیا کہ یا تو میں اپنی آدھی امت (بلا حساب و کتاب) جنت میں داخل کروالوں یا شفاعت کو قبول کروں، تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا کیونکہ وہ عام سود مند ہے، کیا تم اس کو متقیوں کے لیے خیال کرتے ہو؟ نہیں، بلکہ یہ گناہگاروں اور خطا کاروں کے لیے ہے۔ (ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۴۳۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ ﷺ پر شفاعت کے بارے میں کیا حکم ملا؟ فرمایا: میری شفاعت ہر اس شخص کے لیے ہے جو کہ اخلاص کے ساتھ گواہی دے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں لا الہ الا اللہ اور اس کی زبان اور دل اس کی تصدیق کرے۔ (حاکم کتاب الایمان ج ۱ ص ۷)

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے میری امت کا حال دکھایا گیا جو میرے بعد کرے گی اور ایک دوسرے کا خون بہائے گی اور گزشتہ امتوں کا عذاب دکھایا گیا جو ان سے پہلے ان پر سبقت کر چکا ہے، تو میں نے اللہ عزوجل سے سوال کیا کہ مجھے ان کی شفاعت بروز قیامت دے، سو اللہ عزوجل نے عطا فرمایا۔ (حاکم، جلد ۱ ص ۲۸)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل تمام لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرے گا جہاں ان کو منادی سنائی دے گی، ان کی آنکھ دیکھتی ہوگی درآنحالیکہ وہ ننگے پاؤں اور ننگے بدن ہوں گے، جیسے کہ وہ پیدا ہوئے تھے، خاموشی کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی جان بغیر اذن بات تک نہ کر سکے گا، اس وقت حضور ﷺ کو ندا دی جائے گی، حضور ﷺ عرض کریں گے لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِيْ يَدَيْكَ (حاضر ہوں نیک بختی اور بھلائی تیرے آگے ہے) اور برائی کی نسبت تیری طرف نہیں ہے، تو ہی ہدایت دینے والا ہے جو تجھ سے ہدایت چاہے اور تیرا بندہ تیرے سامنے ہے، ہر امر تیرا ہے اور تیری طرف سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا، کوئی بچا نہیں سکتا، سوائے تیرے تو بابرکت اور بلند ہے، تیری پاکی ہے اے رب کعبہ۔ (سنن نسائی ج ۳ ص ۴۳) حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا اللہ عزوجل نے ذکر فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور جنتی جنت میں اور ایک گروہ جنتیوں کا اور ایک گروہ دوزخیوں کا باقی رہ جائے گا تو اس وقت دوزخی گروہ جنتی گروہ سے کہے گا، تمھارے ایمان نے تم کو کیا نفع دیا، پس وہ اپنے رب عزوجل کو پکاریں گے اور چلائیں گے، جنتی ان کی آواز سنیں گے، پس وہ آدم علیہ السلام اور دیگر انبیا علیہم السلام سے ان کی شفاعت کے لیے عرض کریں گے، ہر ایک عذر کرے گا یہاں تک کہ حضور ﷺ کے پاس آئیں

گے، سو آپ ﷺ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہی مقام محمود ہے۔ (مسند امام احمد ج ص ۳۳)

اس کے مثل حضرت ابن مسعود نیز مجاہد رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اسی کا ذکر کیا علی بن حسین رضی اللہ عنہما نے حضور نبی کریم ﷺ سے اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یزید فقیر رضی اللہ عنہ سے کہا۔

تم نے سنا حضور ﷺ کے اس مقام کو جس میں آپ کو اللہ عزوجل مبعوث فرمائے گا، انھوں نے کہا: ہاں، کہا: یہ آپ کا وہ مقام محمود ہے کہ اللہ عزوجل آپ کے ذریعے جہنمیوں کو نکالے گا، جہنمیوں کے اخراج کے سلسلے میں انھوں نے حدیث شفاعت بیان کی۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۷۹)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہی وہ مقام محمود ہے جس کا آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے۔ (مسند احمد ج ۳ ص ۱۴۴)

اور حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے سوا دوسروں کی حدیث ایک دوسرے میں داخل ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: بروز قیامت اللہ عزوجل اولین و آخرین کو جمع فرمائے گا، پھر وہ گھبرائیں گے یا فرمایا: انھیں الہام ہوگا، پس وہ کہیں گے، کاش ہم اپنے رب عزوجل کی طرف شناخت لے جاتے، دوسرے طریق سے حضور ﷺ سے مروی ہے کہ لوگ ایک دوسرے میں گھستے پھریں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورج ان کے بہت قریب ہوگا اور ان کو ایسا غم لاحق ہوگا جس کی وہ طاقت نہیں رکھتے ہوں گے اور نہ اس کو برداشت کر سکیں گے، پس وہ کہیں گے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کیوں اپنے لیے کسی شفیع کی تلاش نہیں کرتے؟

پھر وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے، بعضوں نے اتنا زیادہ کیا ہے کہ آپ آدم

علیہ السلام انسانوں کے باپ ہیں، آپ کو اللہ عزوجل نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور آپ میں اپنی روح پھونکی اور آپ کو جنت میں ٹھہرایا اور آپ کے لیے فرشتوں سے سجدہ کرایا اور ہر چیز کے نام آپ کو سکھائے، آپ اپنے رب عزوجل کے حضور ہماری شفاعت کیجیے، یہاں تک کہ وہ ہم کو یہاں راحت دے، کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں فرمارہے ہیں کہ ہم کس حال میں ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے: بیشک میرے رب عزوجل نے آج کے دن وہ غضب فرمایا ہے جو اس سے پہلے نہ کیا اور نہ آئندہ کرے گا، مجھ کو درخت سے منع کیا میں نے اس کی نافرمانی کی، نفسی نفسی (آج مجھے اپنی ہی فکر ہے، اپنی ہی فکر ہے) تم میرے سوا کسی دوسرے کے پاس جاؤ، تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔

وہ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس حاضر آکر کہیں گے، آپ علیہ السلام زمین میں پہلے رسول ہیں اور آپ علیہ السلام کا نام اللہ عزوجل نے عَبْدًا شَكُوْرًا (شکر گزار بندہ) رکھا، کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں فرماتے ہم کس حال میں ہیں؟ اور کیا نہیں دیکھتے کہ ہمیں کیا پہنچ رہا ہے؟ کیوں اپنے رب عزوجل کی جناب میں ہماری شفاعت نہیں کرتے؟

تو حضرت نوح علیہا السلام فرمائیں گے: بیشک میرے رب عزوجل نے آج وہ غضب فرمایا ہے جو نہ اس سے پہلے ہوا اور نہ ایسا بعد میں ہوگا، نفسی نفیسی (آج مجھے اپنی ہی فکر ہے) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں کہا کہ اس وقت آپ علیہ السلام اپنی اس خطا کا ذکر فرمائیں گے جو بغیر علم (الٰہی) کے آپ نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ (آپ فرمائیں گے) میرے لیے صرف ایک دعا تھی جو میں نے اپنی قوم کے لیے مانگ لی، اب تم دوسرے کے پاس جاؤ۔ اب تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے خلیل ہیں، پس وہ آپ علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے: آپ علیہ السلام اللہ عزوجل کے نبی علیہ السلام اور اس

کے خلیل ہیں، زمین والوں کے لیے اپنے رب عزوجل کے حضور ہماری شفاعت کیجیے؟ کیا آپ علیہ السلام ملاحظہ نہیں فرمارہے کہ ہم کس حال میں ہیں؟ وہ فرمائیں گے: بے شک میرے رب عزوجل نے آج بڑا اظہار غضب کیا ہے اور مثل سابق فرمایا اور تین کذب کا ذکر کیا، نفسی نفسی (مجھے اپنی ہی فکر ہے) لیکن تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ کہ کلیم اللہ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ایسے بندے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان کو توریت دی اور ان سے کلام فرمایا اور قرب بخشا۔

راوی نے کہا کہ پس وہ سب موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ فرمائیں گے: میں اس قابل نہیں اور اپنی اس خطا کو یاد کریں گے جو ان سے ایک نفس قتل ہوا تھا، نفسی نفسی (مجھے اپنی ہی فکر ہے) لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، بے شک وہ اللہ عزوجل کے روح اور کلمہ ہیں، پس وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر آئیں گے، وہ بھی یہی فرمائیں گے: میں اس قابل نہیں، لیکن تم حضور ﷺ کی بارگاہ میں جاؤ، وہی ایک ایسے بندے ہیں جن کے سبب اللہ عزوجل آپ ﷺ کے اگلوں اور پچھلوں کے گناہ معاف فرمائے گا۔

پس وہ میرے پاس حاضر ہوں گے، میں فرماؤں گا: ہاں، ہاں میں ہی اس قابل ہوں، پھر میں جاؤں گا اور اپنے رب عزوجل سے اذن حاضری چاہوں گا، وہ مجھے اجازت مرحمت فرمائے گا، جب میں اس کو دیکھوں گا تو سجدہ میں چلا جاؤں گا، اور ایک روایت میں ہے کہ جب میں عرش کے نیچے آؤں گا تو سجدے میں گر پڑوں گا اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس کی حمد کروں گا ایسے الفاظ کے ساتھ کہ اس وقت میں اس پر قادر نہیں ہوں، اللہ عزوجل وہ مجھے الہام فرمائے گا اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ عزوجل مجھ پر اپنی تعریفوں اور حمد و ثنا کا وہ دروازہ کھولے گا کہ مجھ سے پہلے وہ کسی پر نہ کھلا ہو گا۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ کہا جائے گا، "اے محمد صلی اللہ علیک وسلم اپنے سر کو

اٹھائے، سوال کیجئے وہ عطا فرمایا جائے گا، شفاعت کیجئے آپ ﷺ کی شفاعت قبول کی جائے گی"، پس میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا، اے میرے رب عزوجل میری امت، اے رب عزوجل میری امت، وہ فرمائے گا: اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جنت کے دروازہ میں داہنے دروازے سے داخل فرماؤ جن پر کوئی حساب نہیں ہے اور وہ اور لوگوں کے دوسرے دروازوں میں شریک ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس ٹکڑے کا ذکر نہیں ہے، اس کی جگہ انھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ پھر میں سجدہ کروں گا، مجھ سے فرمایا جائے گا "اے محمد صلی اللہ علیک وسلم اپنا سر مبارک اٹھائے اور کہے آپ ﷺ کی سنی جائے گی، شفاعت کیجیے قبول کی جائے اور سوال کیجیے آپ ﷺ کو دیا جائے گا"، پھر میں عرض کروں گا، اے میرے رب عزوجل! امتی امتی۔ فرمائے گا: جائیے جس کے دل میں گندم کے دانے یا جو کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو اس کو نکال لیجئے، پھر میں جاؤں گا اور یہ کروں گا، اس کے بعد اپنے رب عزوجل سے رجوع کروں گا اور اس کی ان تعریفوں سے حمد کروں گا جیسے پہلے کیا تھا۔

اللہ عزوجل فرمائے گا: جس کے دل میں رائی کے دانے سے کم اور کم اور بہت کم ایمان ہو اس کو بھی نجات دے دیجیے، پس میں یہ کروں گا، چوتھی مرتبہ مجھ سے فرمایا جائے گا، "اپنے سر مبارک کو اٹھائیے اور کہیے، سنا جائے گا، شفاعت کیجیے قبول کی جائے گی، سوال کیجیے دیا جائے گا"، میں عرض کروں گا: اے میرے رب عزوجل! مجھے ہر اس شخص کی اجازت دیجیے جس نے "لا اله الا الله" کہا ہو، اللہ عزوجل فرمائے گا: اے محبوب یہ بات تمھارے متعلق نہیں لیکن قسم ہے مجھے اپنی عزت اور بڑائی اور اپنی عزت وجبروت کی یقیناً میں اس کو جہنم سے نکال دوں گا، جس نے کہا: لا إله إلا الله

(صحیح بخاری ج ۵، ص ۷ صحیح مسلم کتاب الایمان ج ا ص ۱۲۴، ۱۹۴)

قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور ﷺ سے مروی ہے، راوی کہتے ہیں کہ پس میں نہیں جانتا، تیسری مرتبہ یا چوتھی مرتبہ میں فرمایا کہ میں عرض کروں گا: اے میرے رب عزوجل! وہ جو جہنم میں باقی رہ گئے ہیں جنھوں نے قرآن کریم حفظ کیا ہے یعنی ان پر خلود جہنم واجب ہے، حضرت ابوبکر (مسند امام احمد) وعقبہ بن عامر، ابوسعید و حذیفہ رضی اللہ عنہم سے اس کے مثل مروی ہے، کہا کہ حضور ﷺ کے پاس آئیں گے، ان کو اجازت دی جائے گی اور آپ ﷺ کی امانت اور رحم اور وہ دونوں پل صراط کے دونوں طرف کھڑی ہو جائیں گی۔

ایک روایت میں ہے کہ مالک رضی اللہ عنہ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ حضور ﷺ کے پاس آئیں گے، پس آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے پھر صراط مستقیم قائم کی جائے گی، پس ان میں پہلی جماعت بجلی کی طرح پھر ہوا کی طرح پھر پرندوں کی طرح اور تیز رو مردوں کی طرح گزر جائے گی۔

درآنحالیکہ تمھارے نبی ﷺ پل پر موجود ہوں گے اور یہ فرماتے ہوں گے: اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ: اے خدا انھیں سلامتی عطا فرما، سلامتی عطا فرما، یہاں تک کہ سب گزر جائیں گے اور آخری جماعت کے گزرنے کا حال بیان فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ میں سب سے پہلے گزروں گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ انبیاے کرام علیہم السلام کے لیے منبر رکھے جائیں گے، ان پر وہ تشریف رکھیں گے۔ میرا منبر باقی رہے گا، میں اس پر نہیں بیٹھوں گا اور اپنے رب عزوجل کی جناب میں برابر کھڑا رہوں گا، اللہ تبارک وتعالی فرمائے گا: کیا چاہتے ہو کہ میں تمھاری امت کے ساتھ کیا کروں؟ میں عرض کروں گا: اے رب عزوجل ان کا حساب جی چکا دیا جائے۔

پس ان کو بلایا جائے گا اور ان کا حساب کتاب ہوگا، پس ان میں سے کچھ تو وہ ہوں گے جن کو اپنی رحمت

سے جنت میں داخل فرمائے گا اور کچھ وہ ہوں گے جن کو میری شفاعت کے ذریعہ جنت میں داخل کرے گا، میں برابر شفاعت کرتا رہوں گا، حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی بچالوں گا جن کو جہنم میں جانے کا پروانہ مل چکا ہوگا، یہاں تک کہ خازن جہنم کہے گا: "اے محمد صلی اللہ علیک وسلم آپ ﷺ نے تو اپنی امت سے کسی کو بھی خدا عزوجل کے غضب کا سزاوار نہیں رہنے دیا"۔ (حاکم کتاب الایمان ج ۱ ص ۲۴)

زیاد نمیری رحمہ اللہ کے طریق سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کا سر زمین سے نکلے گا (یعنی زمین سے اٹھوں گا) اور یہ فخر نہیں اور میں سید الناس ہوں گا بروز قیامت، یہ فخر نہیں، پس میں آؤں گا اور جنت کی زنجیر پکڑوں گا، کہا جائے گا: کون؟ میں کہوں گا: محمد (ﷺ) پس میرے لیے کھولا جائے گا اور اللہ عزوجل میرا استقبال فرمائے گا، اس وقت سجدہ کناں ہو جاؤں گا اور ذکر کیا جیسا گزرا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے سنا کہ میں بروز قیامت ضرور زمین کے پتھروں اور درختوں سے زیادہ لوگوں کی شفاعت کروں گا۔

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۷۹)

باختلاف الفاظ ان احادیث صحیحہ سے یہ بات اجتماعی طریقہ پر ثابت ہوگئی کہ حضور ﷺ کی شفاعت اور آپ ﷺ کا مقام محمود اور آپ ﷺ کا اول سے آخر تک شفاعت کرنا جبکہ لوگ حشر میں جمع ہوں گے اور ان کے گلے تنگ ہوں گے اور پسینہ ان کو پہنچتا ہوگا اور سورج بہت قریب ہوگا اور عرصہ تک کھڑا رہنا ہوگا اور یہ حساب سے پہلے ہوگا، اس وقت آپ ﷺ کی شفاعت عرصہ تک کھڑے رہنے کی وجہ سے راحت پہنچانے کے لیے ہوگی، پھر صراط قائم کی جائے گی اور لوگوں کا حساب ہوگا، جیسا کہ ابوہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ذکر ہے اور یہ حدیث زیادہ یقینی ہے۔

پس آپ ﷺ کی شفاعت اپنی امت کے ان لوگوں کو جنت میں جی لے جانے کے لیے ہوگی جو بلا حساب وکتاب جائیں گے، جیسا کہ حدیث میں گزرا، پھر آپ ﷺ کی شفاعت ان لوگوں کے لیے ہوگی جن پر عذاب اور دخول جہنم واجب ہو چکا ہوگا، جیسا کہ احادیث صحیحہ کا اقتضاء ہے، پھر ان لوگوں کی شفاعت فرمائیں گے جنھوں نے صرف "لا إله إلا الله" کہا ہے، یہ آپ کے سوا کوئی نہ کرے گا اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کے لیے ایک مخصوص دعا ہوتی ہے اور میں نے (حضور ﷺ) نے اپنی دعا کو بروز قیامت اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ کر رکھا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات ج ۸ ص ۵۲ صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۸۸)

اہل علم فرماتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی دعا ہے جس کو میں جانتا ہوں کہ وہ ان کے لیے مستجاب ہے اور اس میں ان کی خواہش ملحوظ ہے ورنہ کتنی ہی وہ دعائیں ہیں جو نبی کی قبول کی گئی ہیں اور ہمارے نبی ﷺ کی تو بے شمار دعائیں ہیں، (جو مقبول ہوئی ہیں) لیکن بوقت دعا ان کا حال امید وبیم کے مابین ہی رہا اور چند ایسی دعائیں ہیں جن کی مقبولیت کی ضمانت اللہ عزوجل نے دی ہے جس کے لیے وہ چاہے یقینا مقبول ہوگی۔

محمد بن زیاد اور ابو صالح رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت میں کہتے ہیں کہ ہر نبی علیہ السلام کے لیے ایک مخصوص دعا ہوتی ہے جو اپنی امت کے لیے وہ دعا کرتے ہیں، اس کو قبول کیا جاتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنی دعا کو قیامت تک مؤخر کروں، اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں۔ ابو صالح رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کے لیے ایک مستجاب دعا ہوتی ہے، پس ہر نبی علیہ السلام نے اپنی دعا میں جی کی اور اس کے مثل ایک روایت ابو زرعہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن زیادہ جو کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کے مثل ایک روایت میں مروی ہے کہ وہ دعائے مذکورہ امت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے جس کو قبولیت کی ضمانت دی گئی ہوتی ہے ورنہ حضور ﷺ نے اس کی خبر دی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کے لیے بہت سی دین و دنیا کی ایسی دعائیں مانگی تھیں جن میں سے بعض تو قبول کرلی گئیں اور بعض کو روک دیا گیا اور ان کو محتاجی کے دن اور تختی کے خاتمے اور بڑے سوال و رغبت کے لیے ذخیرہ کرکے رکھ دیا گیا، اللہ عزوجل ان کی جزا حضور ﷺ کو ان کی امت کے لیے عمدہ عطا فرمائے گا۔ وصلی اللہ علیہ وسلم کثیرا۔

گیارھویں فصل

حضور ﷺ کی ان بزرگیوں کے بیان میں جو جنت میں صلہ درجہ رفیعہ، اور کوثر کے ساتھ ہیں

حدیث: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے، انھوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم مؤذن کے کلمات اذان سنو تو اسی کے مثل اذان دہرا کر جواب دو، پھر مجھ پر درود پڑھو، در حقیقت جس نے ایک مرتبہ مجھ پر درود پڑھا تو اللہ عزوجل اس پر دس مرتبہ رحمت فرماتا ہے، پھر اللہ عزوجل سے میرے لیے وسیلہ مانگو کیونکہ یہ جنت میں ایک مرتبہ ہے جو کسی کو سزاوار نہیں سوائے اللہ عزوجل کے بندوں میں سے کسی ایک بندے کے لیے اور میں امید رکھتا ہوں وہ بندہ میں ہوں، لہذا اللہ عزوجل سے جو میرے لیے وسیلہ مانگے تو اس کے لیے شفاعت حلال ہوگئی۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۳۵۹، مسلم کتاب الصلوۃ ج ۱ ص ۲۸۸، ۲۸۹)

دوسری حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وسیلہ جنت میں ایک بلند درجہ ہے۔ (جامع ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۲۴۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں جب جنت کی سیر کر رہا تھا (شب معراج) تو میرے سامنے ایک ایسی نہر آئی جس کے کناروں پر موتیوں کے قبے تھے، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا: یہ کیا ہے؟ کہا: یہ وہ کوثر ہے کہ جس کو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے، پھر جبرئیل علیہ السلام نے اس کی مٹی کی طرف ہاتھ مار کر نکالا تو وہ کستوری کی طرح خوشبو

دار تھی۔ (جامع ترمذی ج ۵ ص ۱۱۹، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۳۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل مروی ہے، کہا کہ اس کے پانی کی روانی موتی اور یاقوت پر ہے اور اس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سرد ہے، ایک روایت میں حضور ﷺ سے مروی ہے کہ نہر جاری تھی مگر زمین کو کاٹتی تھی، اس پر ایک حوض ہے کہ اس پر میری امت آئے گی اور ذکر کیا حدیث حوض کو اس کے مثل ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ کوثر وہ ایک ایسی بھلائی ہے جو خاص طور پر آپ ﷺ کو عطا فرمائے گا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر ج ۲ ص ۱۴۷)

ابو سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جنت میں بھلائی کی ایک ایسی نہر ہے جس کو اللہ عزوجل آپ ﷺ کو عطا فرمائے گا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب عزوجل کی عنایتوں کے تذکرہ میں فرمایا مجھ کو کوثر عنایت فرمائی جو جنت میں ایک نہر ہے اور میرے حوض میں بہتی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ عزوجل کے اس فرمان میں کہ (تفسیر ابن جریر ج ۳۰ ص ۱۴۹، تفسیر در منثور ج ۸ ص ۵۴۲) وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى: اور بیشک قریب ہے کہ تمھارا رب تمھیں اتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے۔ (الضحیٰ:۵)

مروی ہے کہ کہا کہ موتی کے ہزار محل ہوں گے، جس کی مٹی کستوری کی ہوگی اور اس میں وہ چیزیں ہوں گی جو اس کے لائق ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ اس میں وہ کچھ ہو گا جو اس کے لائق ہے یعنی بیویاں اور غلام وغیرہ۔

بارھویں فصل

ان احادیث کا بیان جن میں آپ ﷺ کو دوسرے انبیا علیہم السلام پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا

اگر تم یہ کہو جب دلائل قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے یہ ثابت ہے کہ حضور ﷺ انسانوں میں سب سے بڑھ کر معزز و کرم اور انبیا علیہم السلام سے افضل ہیں تو ان احادیث کا کیا مطلب ہے جو فضیلت دینے کی ممانعت میں وارد ہیں، جیسے ان میں سے یہ حدیث ہے۔

حدیث: جو قتادہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد مروی ہے کہ ابوالعالیہ رضی اللہ عنہ سے کہتے سنا کہ ہمارے نبی حضور ﷺ کے چچازاد بھائی یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرمایا: کسی بندے کو سزاوار نہیں ہیں کہ یہ کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۴ ص ۱۲۷، صحیح مسلم کتاب الفصائل ج ۴ ص ۱۸۲۴)

دوسرے طریق سے حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی بندے کو سزاوار نہیں، آخر حدیث تک (بخاری کتاب المناقب ج ۲ ص ۱۲۷، مسلم کتاب الفصائل ج ۴ ص ۱۸۴۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ایک یہودی کے بارے میں سنا ہے کہ اس نے کہا تھا، قسم اس ذات کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انسانوں پر برگزیدہ کیا، تو ایک انصاری مرد نے اس کے چپت مارا تھا اور کہا تھا تو ایسا کہتا ہے حالانکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے سامنے موجود ہیں، جب اس کی خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو فرمایا: انبیا علیہم السلام کے درمیان فضیلت نہ دو۔ (صحیح بخاری کتاب

المناقب ج ۳ص ۱۲۷، صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۴ص ۱۸۴۳) اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے حضرت موسی علیہ السلام پر نہ بڑھاؤ۔

پس حدیث کو بیان کیا اور حدیث میں یہ ہے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی یونس ابن مَتّٰی علیہ السلام سے افضل ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں تو وہ جھوٹا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی تم میں سے یہ نہ کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک شخص آیا، اس نے حضور ﷺ کو مخاطب کیا۔ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّةِ (یعنی مخلوق میں سب سے بہتر) فرمایا: یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ تو آگاہ رہو کہ علمائے کرام رحمھم اللہ نے ان احادیث کی چند تاویلیں کی ہیں۔

اول: یہ کہ حضور ﷺ کا فضیلت دینے سے منع فرمانا اس سے قبل تھا کہ آپ ﷺ کو معلوم ہو کہ آپ ﷺ اولاد آدم علیہ السلام کے سردار ہیں تو آپ ﷺ نے فضیلت دینے سے روک دیا، اس لیے کہ یہ واقفیت کی محتاج ہے اور جس نے بغیر علم کے فضیلت دی تو اس نے جھوٹ کہا، اسی قبیل سے حضور ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ میں نہیں کہتا کہ کوئی ان سے افضل ہے، یہ کلام اس کا مقتضی نہیں کہ آپ ﷺ نے ان کی خود پر فضیلت بیان کی بلکہ ظاہر حالت میں صرف فضیلت دینے سے روکنا مقصود تھا۔

دوم: یہ کہ حضور ﷺ کا یہ فرمانا بر طریق تواضع و انکسار تھا اور عجب و تکبر کی نفی مقصود تھی، مگر یہ جواب اعتراض سے نہیں۔

سوم: یہ کہ انبیا علیھم السلام کے مابین ایسی فضیلت نہ دو جو کسی کی تنقیص کی طرف لے جائے یا ان

میں کوئی عیب نکالے، خصوصا حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ عزوجل نے خبر دی تاکہ نہ واقع ہو کسی جاہل کے دل میں ان کی طرف سے حقارت یا ان کے بلند رتبہ میں تنقیص۔

اس لیے کہ اللہ عزوجل نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ بھری ہوئی کشتی کے پاس دوڑے اور جب وہ غصہ ہو کر گئے اور گمان یہ کیا ہم ان پر قادر نہ ہوں گے، اس لیے بسا اوقات اپنی جہالت سے یہ خیال کر گزرا ہے کہ (معاذ اللہ) ان سے کوئی خطا سرزد ہوئی۔

چہارم: یہ کہ نبوت و رسالت کے حق میں فضیلت دینے کی ممانعت ہے کیونکہ انبیا علیہم السلام نبوت و رسالت میں ایک ہی درپر ہیں اور اس لیے بھی کہ وہ ایک ہی چیز ہے جس میں باہمی فضیلت نہیں ہے، فضیلت تو حالات کی زیادتی اور خصوصیات و کرامات اور مراتب و الطاف میں ہے لیکن فی نفسہ نبوت میں کوئی تفاضل (فضیلت) نہیں ہے، درآنحالیکہ تفاضل تو نبوت کے بعد دوسرے زائد امور کی بنا پر ہے، اس لیے تو کوئی ان میں سے صرف رسول ہے اور کوئی رسولوں میں اولوالعزم رسول ہے اور کسی کا ان میں سے مرتبہ بلند کیا گیا اور کسی کو بچپن ہی میں حکمت سے نواز دیا گیا اور کسی کو کتاب زبور مرحمت فرمائی اور کسی کو حیات و معجزات دیے گئے اور ان میں سے کسی سے اللہ عزوجل نے کلام فرمایا اور کسی کے درجے بلند لیے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے اور فرماتا ہے: وہ رسول ہیں کہ ہم نے کسی کو کسی پر فضیلت دی۔ (آل عمران)

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ تفضیل یعنی ان کو بڑھانے سے مطلب یہ ہے کہ دنیا میں ان کو فضیلت دی جائے، اسی کی تین حالتیں ہیں، یا تو یہ کہ ان کی نشانیاں اور معجزات خوب روشن و مشہور ہیں یا ان کی امت پاکیزہ اور شمار میں زیادہ ہو یا باعتبار ان کی اپنی ذات کے راجع ہو گی ان خصوصیات کی طرف جن کے سبب اللہ عزوجل نے ان کو مخصوص فرمایا ہے، وہ یہ کہ ان کی اپنی بزرگی اور خصوصی کلام سے نوازے یا خلت یا

رویت یا جس سے اللہ عزوجل چاہے اپنی مہربانی سے، ولایت اور اپنی خصوصیات سے سرفراز کرے۔

بیشک نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک نبوت کی کچھ ذمہ داریاں (ثقل) ہیں اور حضرت یونس علیہ السلام نے ان سے علیحدہ ہونا چاہا جس طرح کہ اونٹنی کا وہ بچہ جو فصل ربیع میں پیدا ہو۔ (کہ وہ بوجھ سے علیحدہ رہتا ہے)۔ (مستدرک ج۲ ص ۵۸۴)

پس حضور ﷺ نے اس قسم کے وہمی فتنوں سے محفوظ رکھا کہ کہیں اس کے سبب وہ اس میں مبتلا نہ ہو جائے اور ان کے منصب نبوت میں جرح اور ان کی برگزیدگی میں تنقیص اور ان کے مرتبہ میں کمی اور ان کی عصمت (پارسائی) میں اہانت نہ کرنے لگے، اپنی امت پر حضور ﷺ کی یہ بڑی شفقت ہے۔

ترتیب کے اعتبار سے یہ توجیح (تاویل) پانچویں بن جاتی ہے، وہ یہ کہ ضمیر (انا) راجع ہے قائل کی اپنی ذات (یعنی نبی کریم ﷺ کی طرف) یعنی کوئی یہ گمان نہ کرے اگرچہ وہ دانائی اور عصمت (پاکیزگی) اور طہارت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا ہو کہ وہ اس وجہ سے جو اللہ عزوجل نے ان کے بارے میں فرمایا ہے، اب حضرت یونس علیہ السلام اسے افضل و بہتر ہے، کیونکہ نبوت کا درجہ ہی (فی نفسہ) بہت بلند و بالا ہے، بلاشبہ یہ مراتب ان سے ایک رائی کے دانے بلکہ اس سے بھی کم تر تک کم نہیں ہوئے (یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا مرتبہ خفیف سے خفیف بھی کم نہیں ہوتا)۔

ہم تیسری قسم میں انشاء اللہ عزوجل اس سے زیادہ بیان کریں گے، اب تم کو اس کی غرض معلوم ہو گئی اور جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے معترض کا اعتراض جاتا رہا، اللہ عزوجل ہی کی جانب سے توفیق ہے، وہی مددگار ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

تیرھویں فصل

حضور ﷺ کے اسمائے گرامی کے بیان میں فضائل کا بیان

حدیث: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے والد سے بالاسناد مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے پانچ نام ہیں، میں "محمد" ہوں اور میں "احمد" ہوں اور میں "ماحی" ہوں کہ میرے ذریعے اللہ عزوجل نے کفر کو مٹایا اور میں "حاشر" ہوں کہ میرے نقش قدم پر لوگ اٹھیں گے اور میں "عاقب" پیچھے آنے والا ہوں اور اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں میرا نام "محمد اور احمد" رکھا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۳ ص ۱۴۸ صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۴ ص ۱۸۲۸)

پس اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو یہ خصوصیت دی ہے کہ آپ ﷺ کے ناموں کو آپ ﷺ کی ثنا کے ضمن میں بیان کیا ہے اور آپ ﷺ کے ذکر کے درمیان آپ ﷺ کے شکر عظیم مضمر (پوشیدہ) کیا ہے۔

آپ کا نام "احمد" بروزن "افعل" ہے جو آپ کی صفت حمد میں مبالغہ ہے اور "محمد" بروزن مُفَعَّل ہے جو آپ ﷺ کی کثرت حمد میں مبالغہ ہے، پس حضور ﷺ حمد کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر ہیں اور ان سب سے افضل ہیں جن کی تعریف کی جاتی ہے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر حمد کرنے والے ہیں، پس آپ ﷺ تعریف کیے ہوؤں میں سب سے بڑھ کر تعریف کیے (محمد) ہیں اور تعریف کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر تعریف کرنے والے ہیں (اللہ رب العزت کی) اور آپ ﷺ کے ساتھ بروز قیامت لواء الحمد ہو گا تاکہ آپ ﷺ کے لیے حمد کی تکمیل ہو جائے اور میدان حشر میں آپ

صفت حمد سے شہرت پائیں اور وہاں اللہ عزوجل آپ ﷺ کو مقام محمود میں بھیجے گا، جیسا کہ آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہے، اس جگہ اولین و آخرین ان کی شفاعت کی وجہ سے آپ ﷺ کی تعریف کریں گے اور اس جگہ آپ ﷺ پر حمد کے الفاظ کھولے جائیں گے، جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ کسی کو وہ (الفاظ) نہیں دیے گئے۔

انبیاے سابقین علیہم السلام کی کتابوں میں آپ ﷺ کی امت کا نام حمّادین (بہت تعریف کرنے والے) رکھا ہے، حقیقت آپ ﷺ اس لائق ہیں کہ آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ اور احمد ﷺ رکھا جاتا۔

پھر آپ ﷺ کے ان دونوں ناموں میں عجیب وغریب خصوصیتوں اور نشانیوں کے علاوہ ایک دوسری خوبی بھی ہے، وہ یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے نام مبارک کی ایسی حفاظت فرمائی ہے کہ کسی نے آپ ﷺ کے زمانہ اقدس سے پہلے یہ دونوں نام نہیں رکھے، لیکن احمد (ﷺ) جو کہ کتب سابقہ میں آیا ہے اور انبیا علیہم السلام نے اس کی بشارت دی ہے، اس کو اللہ عزوجل نے اپنی حکمت سے منع فرمادیا کہ کوئی اور آپ ﷺ کے سوا اس نام کو رکھے اور نہ آپ ﷺ سے سوا کوئی اس نام سے پکارا جائے تاکہ کسی کمزور دل پر اس سے شک وشبہ نہ پڑے۔

اسی طرح محمد (ﷺ) بھی ہے کہ عرب و غیر عرب میں سے کسی نے بھی یہ نام کسی کا نہ رکھا، یہاں تک کہ یہ بات آپ ﷺ کے وجود گرامی اور آپ ﷺ کی پیدائش سے کچھ پہلے ہی مشہور ہوگئی کہ ایک نبی مبعوث ہوگا جس کا نام مبارک محمد ﷺ ہوگا، پھر عرب کے تھوڑے لوگوں نے اپنے لڑکوں کا نام محمد رکھا، اس امید پر کہ ان میں سے شاید کوئی وہی ہو اور اللہ عزوجل ہی خوب جانتا ہے جس جگہ وہ اپنی رسالت رکھے گا۔

وہ لوگ (جنھوں نے آپ ﷺ کی پیدائش سے کچھ قبل اپنے فرزندوں کے نام محمد رکھے) یہ ہیں، محمد بن اُحَیحۃ بن الجلاح الاوسی بن الجلاح الاوس، محمد بن مسلمہ انصاری، محمد بن براء البکری، محمد بن سفیان بن مجاشع، محمد بن حمران الجعفی، محمد بن خزاعی اسلمی اور ساتواں نام کا کوئی بتائے، کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے جس کا نام محمد رکھا گیا وہ محمد بن سفیان ہے اور اہل یمن کہتے ہیں کہ بلکہ محمد بن یحمد، (قبیلۂ ازد) کا ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے حفاظت فرمائی کہ ہر وہ شخص جس کا نام محمد ہے وہ نبوت کا دعوی کرے یا اس کو کوئی اس کے ساتھ پکارے یا اس پر کوئی سبب ظاہر ہو جائے جس سے کوئی آپ ﷺ کے بارے میں شک کر سکے، یہاں تک کہ یہ دونوں نام آپ ﷺ کے لیے خوب متحقق و ثابت ہو گئے، اور کوئی ان دونوں ناموں میں نزاع نہ کر سکا، لیکن حضور ﷺ کا یہ فرمان کہ میں وہ ماحی ہوں کہ میرے ذریعہ اللہ عزوجل نے کفر کو مٹایا، سو اس کی تفسیر اس حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے اور ہو سکتا ہے کہ کفر کو مٹانے سے یا تو مکہ سے یا عرب کے شہروں سے یا زمین کے ان حصوں سے جو آپ ﷺ کے قبضہ میں آئے مراد ہو اور وعدہ کیا گیا کہ آپ ﷺ کی امت کا ملک آپ ﷺ کو ملے گا یا محو یعنی مٹنے سے مراد عام ہو، بایں معنی کہ ظہور و غلبہ ہو جائے، جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ (الصف:۹) کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔

اور بیشک حدیث میں اس کی تفسیر یوں وارد ہے کہ آپ ﷺ وہ ہیں جن کے سبب ان لوگوں کے گناہ جو آپ ﷺ کے ممتبع ہیں مٹائے جائیں گے (دلائل النبوہ، ج۱، ص ۱۵۲) اور حضور ﷺ کا ارشاد کہ میں وہ حاشر ہوں جس کے قدموں پر لوگ اٹھیں گے، یعنی میرے زمانہ اور میرے عہد پر یعنی میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا، جیسا کہ فرمایا: وَخَاتِمُ النَّبِيِّيْنَ (نبیوں کا آخر ہوں) اور آپ ﷺ

کا نام عاقب رکھا گیا، اس لیے کہ آپ ﷺ تمام نبیوں کے پیچھے (آخر) میں تشریف لائے ہیں اور صحیح حدیث میں ہے کہ میں ایسا پچھلا آنے والا ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، عَلٰی قَدَمِیْ کے معنی میں ایک روایت ہے کہ یعنی لوگ میرا مشاہدہ کرتے ہوئے اٹھیں گے یا لوگ میرے سامنے اٹھیں گے، جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ﴾

تم لوگوں پر گواہ ہو اور یہ رسول تمھارے نگہبان و گواہ۔ (البقرہ:۱۴۳)

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میں ان سے پہلے نکلوں گا۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾

کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس کی کا مقام ہے۔ (یونس:۲)

اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میرے سامنے اور میرے گرد یعنی میری طرف بروز قیامت سب جمع ہو کر آئیں گے، اور ایک روایت میں ہے کہ میرے قدم پر یعنی میری سنت پر۔

آپ ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ میرے پانچ نام ہیں، اس کے معنی میں ایک روایت یہ ہے کہ پانچوں نام سابقہ کتب سماویہ میں موجود ہیں اور سابقہ امتوں کے اہل علم کے نزدیک میرے یہ پانچ نام ہیں۔

حضور ﷺ سے مروی ہے کہ میرے دس نام ہیں (دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۶۱) ان میں سے طٰہٰ اور یٰسٓ کو بیان فرمایا مکی علیہ الرحمہ نے اس کی حکایت کی۔

بعض تفسیروں میں ایک روایت ہے کہ "طه" یعنی اے "طاہر" اے ہادی، "یس" یعنی اے سید، سلمی رحمہ اللہ نے اس کو واسطی اور جعفر بن محمد رحمہما اللہ سے بیان کیا، اوروں نے مجھ سے بیان کیا دس نام ہیں، پانچ تو وہی ہیں جو پہلی حدیث میں مذکور ہیں، فرمایا اور میں رسول رحمت (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۵)

اور رسول راحت اور رسول ملاحم ہوں اور میں ''مقفی'' (کمافی مناہل الصفاص ۱۳) کہ نبیوں کے پیچھے آنے والا ہوں اور میں قیم (مسند الفردوس کمافی منائل الصفاء ص ۱۱۲) ہوں، اس کے معنی جامع کامل کے ہیں، ایسا ہی میں نے اس کو پایا اور میں اس کو روایت نہیں کرتا۔

میں دیکھتا ہوں کہ دوست قثم (بالثاء) ہے (یعنی بانٹنے اور تقسیم فرمانے والے) جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے، اس کو بعد میں حربي رحمه الله سے اور یہی تفسیر کے ساتھ زیادہ مناسب ہے، نیز انبیا علیهم السلام کی کتابوں میں واقع ہوا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی: اے رب عزوجل ہمارے لیے محمد ﷺ کو بھیج جو سنت کو قائم فرمانے والے انقطاع وحی کے بعد ہیں، پس قیم اس معنی میں ہے۔

نقاش رحمه الله نے حضور ﷺ سے روایت کی کہ میرے قرآن کریم میں سات نام ہیں، محمد، احمد، یس، طه، المدثر، المزمل اور عبداللہ ﷺ کثیرا کثیرا۔ (امام ذھبی بحوالہ مناہل الصفاء للسیوطی ص ۱۱۲)

جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ کچھ نام ہیں، محمد احمد، خاتم، عاقب، حاشر، ماحی ﷺ کثیرا کثیرا۔

ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ ہمیں اپنے نام بتلایا کرتے تھے، پس فرماتے ہیں: محمد، احمد مقفی، حاشر، نبی التوبہ، نبی الملحمہ اور نبی الرحمہ ہوں۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۴ ص ۱۸۲۹) اور ایک روایت میں الرحمۃ، راحت ہے، یہ تمام کے تمام صحیح ہیں۔ انشاء اللہ عزوجل۔

مقفی کے وہی معنی ہیں جو عاقب کے ہیں لیکن نبی رحمت، نبی توبہ، نبی مرحمہ اور نبی راحت سو اس کی دلیل یہ ہے، اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ (الانبیاء:۱۰۷)

اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

﴿ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ ﴾

اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت سکھاتا۔ (آل عمران:۱۶۴)

﴿وَيَهْدِيهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾

اور انھیں سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ (المائدہ:۱۶)

﴿بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾

مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔ (التوبہ:۱۲۸)

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت مرحومہ کی تعریف میں اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾ (البلد:۱۷)

یہ امت ہے جو صبر کی وصیت کرتے ہیں اور مرحمت کی وصیت کرتے ہیں۔

یعنی ایک دوسرے پر رحمت کرتے ہیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے اور تمام جہان والوں کے لیے رحمت، رحیم بھیجا جو تم کھانے والے اور ان کے لیے استغفار کرنے والے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو امت مرحومہ بنایا اور اس کی تعریف رحمت کے ساتھ فرمائی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دوسرے پر رحم فرمانے کا حکم دیا اور اس کی تعریف کی، فرمایا: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ: بیشک اللہ عزوجل اپنے بندوں میں سے رحم کھانے والوں کو پسند کرتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز ج۲ ص۷، صحیح مسلم کتاب الجنائز ج۲ ص۶۳۶)

اور فرمایا: ایک دوسرے پر رحم کرنے والوں پر قیامت کے دن رحمن رحم فرمائے گا، تم زمین میں رحم کرو تاکہ وہ تم پر رحم کرے جو آسمان میں ہے۔

(سنن ترمذی کتاب البرج ۳ ص ۳۱۷، سنن ابوداؤد کتاب الادب ج ص ۳۰۶)

جبکہ ”نبی الملحمہ“ کی روایت، تو یہ اشارہ اس طرف ہے کہ حضور ﷺ جہاد اور تلوار کے ساتھ بھیجے گئے ہیں اور یہی صحیح ہے اور حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ابوموسی رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مثل روایت کی ہے، اس میں ہے کہ آپ نبی الرحمۃ، نبی التوبہ اور نبی الملاحمہ ﷺ ہیں۔(شمائل ترمذی ص ۲۹۷)

حربی رحمہ اللہ نے حضور ﷺ کی حدیث میں روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: میرے پاس فرشتہ آیا، اس نے مجھ سے کہا: آپ قثم (دلائل النبوہ لابی نیم کمافی منال الصفا للسیوطی ص ۱۱۳) یعنی جمع کرنے والے ہیں، حربی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قثم کے معنی میں بھلائی کا جمع کرنے والا، اور یہ نام حضور ﷺ کے گھروالوں کو معلوم تھا۔

حضور ﷺ کے القاب وصفات قرآن کریم میں ان کے علاوہ جو ہم نے بیان کیے، بکثرت آئے ہیں۔ جیسے نور، سراج، منیر، منذر، نذیر، مبشر، بشیر، شاہد، شہید، الحق، المبین، خاتم النبیین، رؤف، رحیم، امین، قدم صدق، رحمۃ للعلمین، نعمۃ اللہ، عروۃ وثقی، صراط مستقیم، نجم ثاقب، کریم، نبیء، امی اور داعی الی اللہ یہ آپ ﷺ کے اوصاف کثیرہ اور علامات جلیلہ ہیں۔

اور اللہ عزوجل کی گزشتہ کتابوں اور انبیاعلیہم السلام کے صحیفوں کے اور احادیث نبوی اور امت کی بول چال میں مکمل طریقہ سے آپ ﷺ کے نام آچکے ہیں۔

جیسے مصطفی، مجتبی، ابوالقاسم، حبیب، رسول رب العالمین، شفیع، مشفع، متقی، مصلح، طاہر مہیمن، صادق، مصدوق، ہادی، سید ولد آدم، سید المرسلین، امام المتقین، قائد الغر المحجلین، حبیب اللہ، جمیل الرحمن، صاحب الحوض المورود وشفاعت، المقام المحمود، صاحب الوسیلہ، صاحب الفضیلہ، صاحب الدرجۃ الرفیعہ، صاحب التاج و المعراج اللواء، والقضیب (عصا)، راکب البرق الناقہ، نجیب، صاحب الحجہ، السلطان، خاتم، علامہ برہان، صاحب البرواۃ، صاحب النعلین، کتابوں میں آپ ﷺ کے یہ نام

بھی ہیں، المتوکل، المختار مقیم السنۃ، المقدس، روح القدس، روح الحق۔

اسی معنی میں انجیل میں فارقلیط ہے، ثعلب کہتے ہیں کہ فارقلیط اس کو کہتے ہیں جو حق و باطل میں تفریق کرے، گزشتہ کتابوں میں آپ ﷺ کے یہ نام بھی ہیں، ماذ، ماذ بمعنی طیب، حمطایا، خاتم، حاتم، کعب احبار رضی اللہ عنہ نے اس کی حکایت کی، ثعلب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خاتم وہ ہے جس سے نبیوں کے سلسلہ آمد کو روکا جائے اور حاتم کے معنی یہ ہیں کہ نبیوں میں جو پیدائش اور اخلاق میں سب سے بڑھ کر عمدہ ہو۔

سریانی زبان میں آپ ﷺ کا نام ہی ہے، مشفح، "یعنی محمد" یعنی روح القدس یا محمد اور توریت میں آپ ﷺ کا صاحب القضیب کے معنی تلوار والے کے ہیں، انجیل میں اس کی یوں تفسیر آئی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام نے فرمایا: نام احمد ہے، یہ ابن سیرین ﷺ سے مروی ہے۔

صاحب القضیب کے معنی تلوار والے کے ہیں، انجیل میں اس کی یوں تفسیر آئی ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام فرمایا: آپ ﷺ کے ساتھ لوہے کی تلوار ہوگی جس سے آپ ﷺ جہاد کریں گے اور آپ ﷺ کی امت بھی ایسی ہی ہوگی، اور یہ بھی محمول کیا گیا ہے، قضیب آپ ﷺ کی ایک لمبی شاخ تھی جس کو آپ ﷺ ہاتھ میں لیا کرے تھے، اور وہ اب خلفاء کے پاس ہے لیکن ”ہراوہ“ جس سے آپ ﷺ کی تعریف کی گئی ہے، لغت میں اس کے معنی عصا کے ہیں، مجھے خیال ہے واللہ اعلم کہ اس سے وہ عصا مراد ہے جو حدیث حوض میں مذکور ہے کہ اپنے اس عصا سے یمن والوں کے لیے لوگوں کو ہٹاؤں گا۔

لیکن ”تاج“ اس سے مراد عمامہ ہے اور اس وقت سوائے عرب کے اور کوئی عمامہ نہیں پہنتا تھا، عمامے عرب کے تاج ہیں، آپ ﷺ کے اوصاف القاب اور علامات کتابوں میں بہت ہیں، ان میں سے

بقدر کفایت انشاء اللہ عزوجل ہم نے ذکر کیا ہے، آپ ﷺ کی مشہور کنیت ابوالقاسم ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور ﷺ کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا: السّلام عليك يا ابا إبراهيم. (دلائل النبوۃ بیہقی ج ۱ ص ۱۲۴)

چودھویں فصل

اللہ عزوجل نے اپنے اسما کے ساتھ آپ ﷺ کے نام رکھے

اس میں کہ اللہ عزوجل نے اپنے اسماے حسنیٰ اور صفات علیا کے ساتھ آپ ﷺ کا نام رکھ کر آپ ﷺ کو شرف و فضیلت مرحمت فرمائی۔

قاضی ابوالفضل عیاض (رحمہ اللہ) اللہ عزوجل ان کو توفیق دے، فرماتے ہیں کہ یہ فصل پہلے باب کی فصلوں کے ساتھ بہت نفیس اور عمدہ ہے کیونکہ اس کو انھیں کے مضامین کی لڑی میں پرو کر اسی شیریں چشمہ میں ملا دیا ہے، لیکن اللہ عزوجل اس کے استنباط کی ہدایت کی طرف کسی سینہ کو اسی وقت کھولتا ہے اور کسی فکر کو اس کے جوہر نکالنے اور اس کے لینے کی طرف اسی وقت روشن کرتا ہے جب وہ اس سے پہلی فصلوں پر غور و خوض کرے، لہٰذا میں نے یہ مناسب جانا کہ اس کو انھیں فصلوں کے ساتھ ملا دوں اور اس کی خوبیوں کو جمع کر دوں۔

اب تم سمجھو اللہ عزوجل نے بہت نبیوں کو ایک بزرگی سے خاص کیا ہے اور ان کو اپنے ناموں میں سے ایک نام کی خلعت عنایت فرمائی ہے جیسے حضرت اسحاق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا نام علیم و حکیم رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علیم، حضرت نوح علیہ السلام کو شکور، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بِرّ (نیکی)، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کریم و قوی، حضرت یوسف علیہ السلام کو حفیظ و علیم، حضرت ایوب علیہ السلام کو صابر اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو صادق الوعد نام عنایت فرمائے، جیسا کہ قرآن کریم میں ان کے تذکروں کے درمیان اللہ عزوجل نے فرمایا ہے۔

ہمارے نبی ﷺ کو اللہ عزوجل نے اس طرح فضیلت دی کہ آپ ﷺ کو ان ناموں کا لباس پہنایا اور آراستہ کیا جو اپنی کتاب مجید اور گزشتہ نبیوں کی بے شمار کتابوں میں مذکور ہیں اور ان کو ہمارے لیے بعد فکر و ذکر کے مجتمع کر دیا ہے، اس لیے کہ ہم نے ان دو ناموں سے بڑھ کر کسی نام کو نہ پایا کہ کسی نے جمع کیے ہوں اور نہ ایسے شخص کو پایا جس نے اس میں دو فصلیں تالیف کی ہوں، مگر ہم نے ان میں سے اسی فصل میں تقریباً تیس نام لکھے ہیں اور غالباً اللہ عزوجل نے جیسا مجھے ان اسما کا علم الہام فرمایا اور اس کی حقیقت ظاہر فرمائی، اسی طرح اس کے مبین (بیان) کرنے میں اپنی اس نعمت کو پورا فرمادے جواب تک ہمیں آشکارہ نہیں ہوئی ہے اور اس کے بند دروازہ کو کھول دے، پس اللہ عزوجل کے ناموں میں ایک نام حمید ہے، اس کے معنی محمود ہیں کیونکہ اس نے آپ اپنی تعریف کی ہے اور اس کے بندوں نے بھی اس کی تعریف کی ہے۔

نیز اس کے معنی حامد کے بھی ہیں، یعنی وہ اپنی خود تعریف کرنے والا اور اپنے بندوں کے نیک اعمال کی تعریف کرنے والا ہے اور اللہ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کا نام نامی محمد (ﷺ) اور احمد (ﷺ) رکھا ہے، پس محمد بمعنی محمود ہے، جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں آپ ﷺ کے اس نام کا ذکر ہے اور احمد کے معنی ہیں کہ آپ ﷺ حمد کرنے والوں میں سب سے بڑے ہیں اور جن کی تعریف کی گئی ہے ان میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں، اس طرح حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے اشعار میں اشارہ کیا ہے۔

وَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَهٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ عزوجل نے اپنے نام سے آپ ﷺ کا نام نکالا تاکہ آپ ﷺ کی عزت ہو، پس صاحب عرش (اللہ عزوجل) محمود ہے اور آپ محمد ﷺ ہیں۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں "الرؤف، الرحیم" ہے، وہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں اور قرآن کریم میں آپ ﷺ کا نام بھی یہی رکھا، فرمایا ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان۔ (التوبہ:۱۲۸)

اور اللہ عزوجل کے ناموں میں "الحق المبین" ہے، اور حق کے معنی "موجود" اور "حقیقت الامر" کے ہیں، اسی طرح المُبِيْنُ یعنی امر روشن کے معنی ہیں، مطلب یہ کہ اس کی الوہیت روشن اور ظاہر ہے، بَان اور اَبَانَ کے ایک ہی معنی روشن و ظاہر کے ہیں اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں کے لیے ان کے دینی اور اخروی امور ظاہر فرمانے والا ہے اور اللہ عزوجل نے نبی کریم ﷺ کا نام بھی قرآن کریم میں یہی رکھا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ﴾

یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف بتانے والا رسول تشریف لایا۔ (الزخرف:۲۹)

اور فرماتا ہے:

﴿وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ﴾

اور فرماؤ کہ میں ہی ہوں صاف ڈر سنانے والا (اس عذاب سے)۔ (الحجر:۸۹)

اور فرمایا:

﴿قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾

تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق آیا۔ (یونس:۱۰۸)

اور فرمایا:

﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ﴾

تو بیشک انھوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا۔(الانعام:۵)

ایک روایت میں ہے، اس سے مراد ”محمد ﷺ“ ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ قرآن مراد ہے لیکن اس جگہ حق کے وہ معنی ہیں جو باطل کی ضد ہے اور صدق ہے، یہ پہلے معنی کے ساتھ ہے اور ”المبین“ کا مطلب یہ ہے کہ جس کا حکم واضح اور روشن ہو اور اس کی رسالت ظاہر ہو یا یہ معنی ہیں کہ میں رسول ﷺ اللہ عزوجل کی جانب سے بیان کرنے والا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ کہ تم لوگوں سے بیان کردو جو ان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔(النحل:۴۴)

اللہ عزوجل کے ناموں میں سے ایک نام ”نور“ ہے، اس کے معنی صاحب نور، مالک نور ہیں، یعنی اس کا پیدا کرنے والا ہے یا آسمانوں اور زمین کو انوار کے ساتھ منور کرنے والا اور مومنین کے دلوں کو ہدایت کے ساتھ منور کرنے والا مراد ہے۔

اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کا نام بھی نور رکھا، چنانچہ فرمایا: ﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ﴾ بیشک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔(المائدہ:۱۵) ایک اور روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں اور کہا گیا کہ قرآن مراد ہے۔

اور اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں آپ ﷺ کا نام ”سِرَاجًا مُّنِيْرًا“ رکھا، کیونکہ آپ ﷺ کا حکم روشن اور آپ ﷺ کی نبوت ظاہر ہے اور آپ ﷺ مسلمانوں اور عارفوں کے دلوں کو جو آپ ﷺ لائے ہیں اس سے منور فرمانے والے ہیں۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں سے ایک نام "اَلشَّهِيْدُ" ہے، اس کے معنی عالم یعنی جاننے والے کے ہیں اور ایک روایت کے بموجب بمعنی شاہد یعنی گواہ کے ہیں جو اپنے بندوں پر بروز قیامت گواہی دے گا اور نبی کریم ﷺ کا نام بھی اللہ عزوجل نے شہید اور شاہد رکھا، چنانچہ فرمایا ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ

شَاهِدًا﴾ بے شک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر ناظر۔ (الاحزاب:۴۵)

اور فرماتا ہے: ﴿وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾

اور یہ رسول تمھارے نگہبان و گواہ۔ (البقرہ:۱۴۳) اس جگہ شہید بمعنی شاہد ہے۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں "الکریم" بھی ہے، اس کے معنی بہت کی بھلائی کرنے والا، بعض نے کہا کہ احسان کرنے والا، بعض نے کہا کہ معاف کرنے والا، بعض نے کہا کہ اس کے معنی بلند کے ہیں اور اللہ عزوجل کے اسما کے بیان میں جو حدیث ہے اس میں "الاکرم" ہے۔

اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام بھی کریم رکھا۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ﴾ بیشک یہ عزت والے رسول کا پڑھنا ہے۔ (تکویر:۱۹) ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، یہ بھی کہا گیا کہ اس سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَنَا اَكْرَمُ وُلِدَ آدَمَ: یعنی میں اولاد آدم (علیہ السلام) میں سب سے زیادہ مکرم ہوں، اور کریم و اکرام کے معنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں صحیح ہیں۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں ایک نام "العظیم" ہے، اس کے معنی ایسا بڑی شان والا کہ اس کے سوا ہر چیز کم ہو اور اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ارشاد فرمایا: ﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ اور بیشک تمھاری خوبو (خلق) بڑی شان کی ہے۔ (القلم:۴) اور توریت کے حصہ اول میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مروی ہے کہ عنقریب ایک عظیم فرزند، امت عظیمہ کے لیے پیدا ہوگا، وہ عظیم ہوگا اور بڑے خلق پر ہوگا۔

اور اللہ عزوجل کے ناموں میں ایک نام "الجبار" ہے، اس کے معنی اصلاح کرنے والا ہے، ایک روایت میں ہے کہ قاہر اور ایک روایت میں بلند بڑی شان والے کے معنی بیان کیے ہیں، کہا گیا کہ متکبر اس کے

معنی ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب زبور میں نبی کریم ﷺ کا نام "جبار" رکھا، انھوں نے کہا: اے جبار! آپ ﷺ اپنی تلوار لٹکائے کیونکہ آپ ﷺ کی ناموس (عزت) اور آپ ﷺ کی شریعت آپ ﷺ کے تصرف کے دبدبہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کے حق میں اس کے معنی یا تو ہدایت و تعلیم کے ساتھ اپنی امت کی اصلاح فرمانا یا اپنے دشمنوں پر قہر فرمانا یا نوع انسانی پر اپنے مرتبہ کو بلند فرمانا یا آپ ﷺ کا بڑا خطرہ ہونا مراد ہے اور اللہ عزوجل نے آپ ﷺ سے اس تکبر کے غلبہ کو جو آپ ﷺ کی شان کے لائق نہیں نفی فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا: وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ: اور کچھ تم ان پر جبر کرنے والے ہیں۔ (ق:۴۵)

اللہ عزوجل کے ناموں میں "الخبیر" بھی ہے، اس کے معنی اشیا عالم کی حقیقت کی خبر دینے والے اور اس کے جاننے والے کے ہیں اور ایک روایت میں اس کے معنی "المخبر" (خبر دینے والا) ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ وہ بڑی مہر والا تو کسی جانے والے سے اس کی تعریف پوچھ۔ (الفرقان:۵۹)

قاضی بکر بن علاء رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سوال کا حکم غیر نبی کو ہے اور مسئول و خبیر نبی کریم ﷺ ہیں، دوسروں نے کہا کہ سائل حضور ﷺ ہیں اور مسئول اللہ عزوجل، مذکورہ دونوں وجہوں سے نبی کریم ﷺ ہی خبیر ہوتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ اس لیے کہ آپ ﷺ ان چیزوں کے انتہائی عالم ہیں جن کو اللہ عزوجل نے اپنے مخفی علم سے آپ ﷺ کو بتایا اور آپ ﷺ کو ان کی بڑی معرفت کرائی، آپ ﷺ اپنی امت کے لیے مخبر یعنی خبر دینے والے ہیں ان چیزوں کی جن کے بتلانے کی آپ ﷺ کو اجازت دی گئی ہے۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں ایک نام ''الفتاح'' ہے،اس کے معنی اپنے بندوں کے مابین حاکم یا رزق اور رحمت کے دروازے کھولنے والے کے ہیں اور جو امور ان پر بند ہیں ان کے کھولنے والے یا معرفت حق کے ساتھ ان کے قلوب اور بصیرتوں کو کھولتے ہیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے معنی ناصر یعنی مدد کرنے والے کے ہوں، جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ﴾ (اے کافرو) اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پر آچکا۔ (الانفال:۱۹) ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے معنی فتح و نصرت کی ابتدا کرنے والے کے ہیں۔

اللہ عزوجل نے اپنے نبی سید عالم محمد مصطفی ﷺ کا فاتح کے ساتھ نام رکھا، واقعہ معراج کی طویل حدیث جو کہ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے ابی العالیہ انس رضی اللہ عنہ سے اور دوسروں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس میں اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو فاتح اور خاتم بنایا اور اس میں حضور ﷺ کا قول اپنے رب عزوجل کی ثناء اور اپنے مراتب کے شمار کرانے کے دوران میں ہے، ''اور میرے لیے میرا ذکر بلند کیا اور مجھ کو فاتح اور خاتم بنایا'' ہوسکتا ہے کہ اس جگہ فاتح بمعنی حاکم یا اپنی امت پر رحمت کے دروازوں کا کھولنے والا یا معرفت حق اور ایمان باللہ کے ساتھ ان کی بصیرتوں کا کھولنے والا یا حق کی مدد کرنے والا یا امت کو ہدایت کے ساتھ شروع کرنے والا یا انبیا علیہم السلام میں ان کے آگے شروع کرنے والا مبتدی و مقدم ہو اور آپ ﷺ ان انبیا علیہم السلام کے ختم کرنے والے (آخری نبی) ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: میں پیدائش میں تو نبیوں سے پہلے ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں ایک نام حدیث شریف میں ''الشکور'' ہے، اس کے معنی عمل قلیل پر بہت ثواب دینے والے کے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ فرمانبرداروں کی تعریف کرنے والا اور اللہ

عزوجل نے حضرت نوح علیہ السلام کی اس صفت کے ساتھ توصیف بیان کی ہے۔ فرمایا:

﴿اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا﴾ بیشک وہ بڑا شکر گزار بندہ تھا۔ (الاسریٰ:۳)

اور نبی کریم ﷺ نے اپنی تعریف بھی خود اسی نام سے کی ہے، فرمایا کہ میں بہت شکر گزار بندہ نہ بنوں یعنی اپنے رب عزوجل کی نعمتوں کا اعتراف کرنے والا، اس کی قدرت کا جاننے والا اور اس پر بہت زیادہ تعریف کرنے والا ہوں۔

اسی قبیل سے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ اگر احسان مانو گے تو میں تمھیں اور دوں گا۔ (ابراہیم:۷)

اللہ عزوجل کے ناموں میں "العليم، العلّام، عالم الغيب والشهادة" ہے اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کی تعریف علم کے ساتھ کی ہے اور آپ ﷺ کو بہت زیادہ علم خصوصیت کے ساتھ دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾

اور تمھیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔ (النساء:۱۱۳)

اور فرمایا:

﴿وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾

اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمھیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمھیں علم نہ تھا۔

(البقرہ:۱۵۱)

اللہ عزوجل کے ناموں میں "اَلْاَوَّلُ اور اَلْاٰخِرُ" ہے، ان دونوں کے معنی ہیں کہ اشیا کے وجود سے پہلے وہ سبقت کرنے والا اور اس کے فنا کے بعد باقی رہنے والا ہے اور حقیقت الامر بات یہ ہے کہ اس کا

نہ کوئی اول ہے اور نہ آخر۔

اور حضور ﷺ نے فرمایا: میں پیدائش میں تو تمام نبیوں کا اول ہوں اور بعثت میں ان کا آخر۔

(مقاصد حسنہ ص ۵۲۱-۵۲۰) اس کی تفسیر اللہ عزوجل کے اس فرمان کے ساتھ کی گئی ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ﴾

اور اے محبوب یاد کرو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا اور تم سے اور نوح سے۔ (الاحزاب:۷)

پس حضور ﷺ کا مقدم ذکر کیا، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا۔

اور حضور ﷺ کا ارشاد کہ ہم ہی آخر اور سابق ہیں اور فرمان نبوی ﷺ ہے کہ زمین سے نکلنے والوں میں، میں پہلا شخص ہوں اور جنت میں داخل ہونے والوں میں، میں پہلا، شفاعت کرنے والوں میں، میں پہلا اور شفاعت قبول کیے جانے والوں میں، میں پہلا ہوں اور آپ ﷺ ہی خاتم النبیین اور آخری رسول ہیں۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں "القوی، ذوالقوۃ المتین" ہے، اس کے معنی قادر کے ہیں، اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی تعریف اس کے ساتھ بھی کی ہے۔ فرمایا:

﴿ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ﴾

جو قوت والا ہے مالک عرش کے حضور عزت والا وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے۔ (تکویر:۲۰)

ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد حضور ﷺ ہیں اور کہا گیا کہ جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں، اور کہا تم اللہ عزوجل کے ناموں میں الصادق حدیث ماثور میں آیا ہے اور حضور ﷺ کا نام بھی حدیث میں صادق و مصدوق کے ساتھ آیا ہے۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں "الولی، المولیٰ" ہے، ان دونوں کے معنی مدد کرنے والے کے ہیں، اللہ

عزوجل نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾

تمھارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول۔ (المائدہ:۵۵)

حضور ﷺ نے فرمایا: اَنَا وَلِيُّ كُلِّ مُؤْمِنٍ: میں ہر مسلمان کا مددگار ہوں۔

(صحیح بخاری ج۸ ص ۱۲۸، سنن ابوداؤد ج۳ ص ۳۲۰، مسند امام احمد ج۲ صفحہ ۴۲۴، مسند امام احمد ج۳ ص ۳۷۱)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾

نبی زیادہ مددگار ہے مسلمانوں کے ساتھ۔ (الاحزاب:۶)

حضور ﷺ نے فرمایا: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ: میں جس کا مددگار ہوں، اس کے علی مددگار ہیں۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں "العفو" ہے، جس کے معنی درگزر اور معاف کرنے کے ہیں، اللہ عزوجل نے قرآن کریم اور توریت میں اس نام کے ساتھ بھی حضور ﷺ کی تعریف فرمائی اور درگزر کرنے کا حکم دیا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿خُذِ الْعَفْوَ﴾ درگزر سے کام لیں۔ (الاعراف:۱۹۹)

اور فرمایا:

﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ﴾

تو انھیں معاف کردو اور ان سے درگزر کرو۔ (مائدہ:۱۳)

جبرئیل علیہ السلام نے کہا: جب آپ ﷺ نے ان سے خُذِ الْعَفْوَ کے معنی دریافت فرمائے، فرمایا

گیا جو آپ ﷺ پر ظلم کرے اس کو معاف فرمادیں، ایک مشہور حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل نے توریت اور انجیل میں آپ ﷺ کی یہ صفت بیان فرمائی: لَیْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِیْظٍ وَّلٰکِنْ یَعْفُوْ یَصْفَحُ یعنی آپ ﷺ نہ تو بد خلق ہوں گے اور نہ سخت دل بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں "اَلْھَادِیْ" ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے ہدایت کی توفیق دے دیتا ہے اور اس کے معنی دلالت اور دعا کے بھی ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ﴾

اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے۔ (یونس:۲۵)

اور فرماتا ہے:

﴿وَیَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾

اور جسے چاہے سیدھی راہ چلاتا ہے۔ (یونس:۲۵)

ہدایت کے سب معنوں کی اصل مائل ہوتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ تقدیم یعنی آگے پہنچانا ہے۔

ایک روایت میں طٰہٰ کی تفسیر میں ہے، یا طاہر، یا ہادی، اس سے حضور ﷺ مراد ہیں اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَاِنَّکَ لَتَھْدِیْٓ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾

اور بیشک تم ضرور سیدھی راہ بتاتے ہو۔ (الشوریٰ:۵۲)

اللہ عزوجل نے یہ بھی فرمایا ہے

﴿وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ﴾ اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا۔ (الاحزاب:۴۷)

پہلے معنی یعنی توفیق یہ اللہ عزوجل کے ساتھ مختص ہے، چنانچہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۚ﴾

بیشک یہ نہیں کہ تم جسے اپنی طرف سے چاہو ہدایت کر دو ہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے۔(القصص:۵۶)

اور دلالت کے معنی میں ہدایت مطلق ہے جو ماسوی اللہ عزوجل کے لیے بولا جا سکتا ہے۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں المؤمن اور المهیمن ہے، ایک روایت کے بموجب یہ دونوں نام ایک ہی معنی رکھتے ہیں، اللہ عزوجل کی جناب میں المؤمن کے معنی یہ ہیں کہ اپنے بندوں سے جو وعدہ فرمایا ہے، اس کو پورا کرنے والا، اپنی سچی بات پوری فرمانے والا اور اپنے مسلمان بندوں رسولوں کی تصدیق فرمانے والا ہے، ایک روایت میں ہے کہ اس کے معنی اپنی ذات میں یکتا ہے، بعض کہتے ہیں اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنے بندوں کو دنیا میں اپنے ظلم سے اور آخرت میں مسلمانوں کو اپنے عذاب سے امن دینے والا ہے۔

المهیمن کے معنی ایک روایت کے بموجب امین ہے، جو اس کا مصغر ہے، (صیغہ تصغیر میں) ہمزہ کو ہاء سے بدل دیا گیا ہے اور بیشک یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی دعا میں آخر قول آمین اللہ عزوجل کے ناموں میں سے ایک نام ہے، اس کے معنی مؤمن کے ہیں، ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مومن کے معنی شاہد اور حافظ کے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امین، مہیمن اور مؤمن ہیں، بیشک اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام امین رکھا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ﴾ امانت دار ہے۔(التکویر:۲۱)

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امین سے معروف تھے اور قبل اظہار نبوت اور بعد اظہار نبوت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی نام سے مشہور ہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے شعر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مہیمن رکھا۔

ثُمَّ احۡتَوٰى بَيۡتُكَ الۡمُهَيۡمِنُ مِنۡ خِنۡدَفِ عَلۡيَاءَ تَحۡتَهَا النُّطُقُ

یعنی پھر آپ ﷺ کے شاہد نسب نے خندف (الیاس بن حضر کی بیوی) سے بلندی کو گھیر لیا جن کے نیچے پٹکے تھے، بعض کہتے ہیں کہ يٰاَيُّهَا الْمُهَيْمِنُ مراد ہے، اس کو قتیمی اور امام ابوالقاسم قشیری رحمہما اللہ نے روایت کیا۔

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾

یعنی وہ اللہ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اور مومنین پر یعنی تصدیق کرتا ہے (التوبہ:۶۱)

اور حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اپنے صحابہ کے لیے امان ہوں، پس یہ بمعنی مومن ہے۔

اللہ عزوجل کے ناموں میں ایک "القدوس" ہے، اس کے معنی تمام عیوب سے منزہ اور علامات حدث وفنا سے پاک کے ہیں، بیت المقدس کا نام اسی وجہ سے رکھا گیا ہے کہ وہاں گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے، اسی قبیل سے وادی مقدس اور روح القدس ہے۔

گزشتہ انبیا علیہم السلام کی کتابوں میں حضور ﷺ کے اسما میں المقدس یعنی گناہوں سے پاک کرنے والا یا گناہوں سے منزہ، مکتوب ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح:۲)

تاکہ اللہ تمھارے سبب سے گناہ بخشے تمھارے اگلوں کے اور تمھارے پچھلوں کے۔

یا یہ کہ اس کی وجہ سے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور اس کی اتباع سے ستھرا بنا جاتا ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے وَيُزَكِّيْهِمْ یعنی ان کو پاک کرتا ہے۔

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾

اور انھیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ (المائدہ:۱۲)

یا یہ کہ اس کے معنی مقدس یعنی اخلاق ذمیمہ اور اوصاف رذیلہ سے پاک و مبرا ہو۔

اور اللہ عزوجل کے ناموں میں ایک نام "العزیز"، اس کے معنی ممتنع اور غالب یا اس کا کوئی نظیر نہ ہو یا دوسروں کو عزت دینے والے کے ہیں، چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾

اور عزت تو اللہ اور اس کے رسول ہی کے لیے ہے۔ (المنافقون:۸)

اور اللہ عزوجل نے اپنی تعریف بشارت اور نذرات (ڈرانے) سے کی ہے اور فرماتا ہے:

﴿یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ﴾

ان کا رب انھیں خوشی سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا کی۔ (التوبہ:۲۱)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿اَنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكَ بِیَحْیٰی﴾

بے شک اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحیی کا۔ (آل عمران:۳۹)

اور اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کا نام مبشر، نذیر اور بشیر رکھا، یعنی آپ ﷺ فرمانبرداروں کو بشارت دینے والے اور نافرمانوں کو ڈرانے والے ہیں۔

بعض مفسرین رحمھم اللہ نے اللہ عزوجل کے ناموں میں طٰہٰ اور یٰس کو اس کا نام بیان کیا ہے اور بیشک بعض مفسرین رحمھم اللہ نے ان دونوں ناموں کو حضور ﷺ کے ناموں میں ذکر کیا ہے اور اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو بڑی شرافت اور بزرگی عطا فرمائی ہے۔

پندرھویں فصل

ایک نکتے کا بیان

قاضی ابوالفضل عیاض (رحمہ اللہ) اللہ عزوجل ان کو توفیق دے، فرماتے ہیں: اب میں اس فصل میں اس کے ذیل اور ضمنی ایک نکتہ بیان کر کے اس قسم کو ختم کرتا ہوں اور اس نکتہ کے ذریعے ان مشکلوں کو دور کر دوں گا جو ہر کمزور وہم اور بیمار فہم کو پیش آئے ہوں گے تاکہ اس کو تشبیہ کے غاروں سے نکالے اور ملمع ساز باتوں سے دور کر دے۔

وہ یہ کہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ عزوجل اسمہ، اپنی صفات، عظمت کبریا ملکوت اور اسمائے حسنی اور صفات علیا میں اس حد تک ہے کہ اس کی مخلوق میں کوئی بھی ادنی سا مشابہ بھی نہیں ہے اور نہ کسی کو اس سے تشبیہ بھی دی جا سکتی ہے، بلاشک وشبہ وہ جو شریعت نے مخلوق پر بولا ہے، ان دونوں میں حقیقی معنی میں کوئی مشابہت ہی نہیں ہے، اس لیے کہ اللہ عزوجل کی صفات قدیم (ازلی، ابدی، دائمی) ہیں بخلاف مخلوق کی صفات کے (کہ وہ حادث، فانی اور عطائی ہیں) جیسے کہ اس کی ذات تبارک وتعالیٰ دوسری (فانی) ذاتوں کے بیٹا نہیں ہے، ایسے ہی اس کی صفات مخلوقوں کی صفات کے مشابہ نہیں، کیونکہ مخلوق کی صفات اعراض واغراض سے جدا نہیں ہوتیں، (عرض وغرض کے تحت ہوتی ہیں) اور اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے پاک ومنزہ ہے بلکہ اپنی صفات واسما کے ساتھ ہمیشہ سے ہے (اور ہمیشہ رہے گا) اس بارے میں یہ فرمان کافی ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ اس جیسا کوئی نہیں۔ (الشوریٰ: ۱۱)

اور اللہ عزوجل ہی کے لیے خوبی ہے، جن علما، عارفین، محققین نے یہ کہا کہ توحید ایسی ذات کے ثابت

کرنے کا نام ہے جو کہ اور ذاتوں کے مشابہ نہیں اور نہ صفات سے معطل ہے۔

واسطی رحمہ اللہ نے اس نکتہ کو خوب بڑھا کر بیان کیا ہے اور یہی ہمارا مقصود ہے، انھوں نے کہا کہ اس کی ذات کی مثل کوئی ذات نہیں اور نہ اس کے نام کے مثل کوئی نام اور نہ اس کے فعل کے مثل کوئی فعل ہے اور نہ اس کی کسی صفت کے مثل کوئی صفت، مگر صرف لفظ کی لفظ کے ساتھ موافقت کی وجہ سے ہے، اس کی قدیم ذات برتر ہے کہ اس کی کوئی صفت حادث ہو، جیسے کہ یہی حال ہے کہ کسی حادث ذات میں کوئی صفت قدیم ہو، یہ کل کا کل اہل حق، اہلسنت و جماعت کا مذہب ہے۔

بلا شبہ امام ابوالقاسم قشیری رحمہ اللہ نے ان کے اس قول کی اور زیادہ وضاحت کے ساتھ تفسیر کی ہے اور فرمایا کہ یہ حکایت تمام مسائل توحید کو مشتمل ہے، کیونکر اس کی ذات، محدث ذاتوں کے مشابہ ہو اس کی ذات اپنے وجود میں مستغنی ہے اور کیونکر اس کا فعل مخلوق کے فعل کے مشابہ ہو وہ فعل تو نفع محبت اور دفع نقص کے بغیر ہے اور نہ خطروں اور غرضوں کا گزر ہے اور نہ اعمال و محنت سے ظاہر ہوا اور مخلوق کا فعل ان وجوہات سے باہر نہیں۔

ہمارے مشائخ میں سے ایک بزرگ نے کہا ہے کہ جو کچھ تم اپنے وہموں سے وہم کرتے ہو یا اپنی عقلوں سے معلوم کرتے ہو، وہ تو تمھاری طرح حادث ہے۔

امام ابوالمعالی جوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اس موجود کی طرف مطمئن ہو گیا اور اس طرف اپنی فکر بس کر دی، ارے وہ تو مشبہ ہے اور جو شخص نفی محض کی طرف ہو گیا وہ معطل ہے اور جو شخص ایک ایسے موجود کے ساتھ علاقہ رکھ کر اس کی حقیقت کے ادراک سے عجز کا اعتراف کرے، بس وہی موحد ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ نے توحید کی حقیقت میں کیا خوب کہا ہے کہ تم اس بات کو جان لو کہ اللہ عزوجل کی قدرت چیزوں میں بغیر محنت سے ہے اور مخلوق کا بنانا بلا مزاج اور سبب کے

ہے، ہر چیز کی علت اس کی صفت ہے اور اس کی صفت کے لیے کوئی علت نہیں اور تمھارے وہم میں جو بھی متصور ہو اللہ عزوجل اس کے برعکس ہے، یہ کلام نہایت عجیب عمدہ اور محقق ہے اور اس کا آخری فقرہ اللہ عزوجل کے اس قول کی تفسیر ہے، ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ﴾ سے اور دوسرا ٹکڑا اس کے اس فرمان کی تفسیر ہے: ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَ هُمْ يُسْـَٔلُوْنَ﴾ جو اللہ عزوجل کرتا ہے اس سے پوچھا نہ جائے گا۔ (الانبیاء:۲۳)، حالانکہ وہ خود مسئول ہیں، اور تیسرا ٹکڑا اللہ عزوجل کے اس فرمان کی تفسیر ہے: ﴿اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾ جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ (النحل:۴۰)

اللہ عزوجل ہمیں اور تمھیں توحید اور اس کے اثبات اور اس کی تنزیہہ پر ثابت و قائم رکھے اور ضلالت و گمراہی یعنی تعطل و تشبیہ کے کناروں سے اپنے فضل و احسان کے طفیل محفوظ رکھے۔ آمین۔

چوتھا باب

آپ ﷺ کے معجزات کے بیان میں

اس میں ان چیزوں کا بیان ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر معجزات کا ظہور کر دیا اور آپ ﷺ کو خصوصیات و کرامات کے ساتھ مشرف فرمایا ہے۔

قاضی ابوالفضل عیاض (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ سوچنے سمجھنے والی یہ بات کافی ہے کہ وہ یہ تحقیق کرے کہ ہم نے یہ کتاب نبی ﷺ کی نبوت کے منکر کے لیے جمع نہیں کی ہے اور نہ اس کے لیے جو آپ ﷺ کے معجزات پر طعن اور زبان درازی کرتا ہے کہ اس پر ہم دلائل قائم کرنے کے محتاج ہیں اور اس کے گوشوں کی قلعہ بندی کریں، تاکہ کوئی طعنہ کرنے والا اس تک نہ پہنچ جائے اور یہ کہ ہم عاجز کرنے والی شرائط اور تحدی اور اس کی تعریف کو بیان کریں اور ان لوگوں کے قول کے ردوفساد کا جو شرائع کے نسخ کو باطل کہتے ہیں کو ذکر کریں۔

بلکہ ہم نے اس کتاب کو ان اہل محبت کے لیے جمع کیا ہے جو آپ ﷺ کی دعوت کو لبیک کہتے ہیں اور آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کرتے ہیں تاکہ ان کی محبت اور مضبوط ہو جائے اور ان کے اعمال میں زیادتی ہو اور ان کے ایمان میں ایمان کی جلا ہو۔

ہماری مراد اور مقصد یہ ہے کہ اس باب میں آپ ﷺ کے بڑے بڑے معجزات اور آپ ﷺ کی مشہور تر نشانیاں ثابت کر دیں تاکہ اللہ عزوجل کی جناب میں جو آپ ﷺ کی قدر و منزلت ہے اس پر دلالت کرے، ان میں ہم وہی بیان کریں گے جو محقق اور صحیح الاسناد ہیں اور ان میں سے بیشتر

وہ ہیں جو یقینی حد تک پہنچتے ہیں یا اس کے قریب اور ان کے ساتھ ہم نے ان کا بھی اضافہ کر دیا ہے جو ائمہ کی مشہور کتابوں میں مذکور ہیں اور جب کوئی منصف مزاج، غور کرنے والا ان پر غور کرے گا، جو ہم نے پہلے حضور ﷺ کے بارے لکھا ہے یعنی آپ کے عمدہ اثرات، پسندیدہ سیرت، وفور علم، کمال عقل و علم اور آپ ﷺ کے تمام کمالات، تمام خصائل، مشاہدہ حالات، درست کلامی وغیرہ وہ تو آپ ﷺ کی نبوت کی صحت اور آپ ﷺ کی دعوت کی صداقت میں شک و تردد کر ہی نہیں سکتا، بلاشبہ یہ باتیں آپ ﷺ پر اسلام و ایمان لانے میں بہت سوں کو کافی ہوئی ہیں۔

ترمذی اور ابن قانع رحمہا اللہ وغیرہ نے اپنی سندوں کے ساتھ، یہ حدیث ہمیں روایت ہوئی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں قدم رنجہ ہوئے تو میں آپ ﷺ کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، جب میں نے آپ ﷺ کے چہرہ انور کو خوب دیکھا تو میں فورا پہچان گیا کہ آپ ﷺ کا چہرہ انور جھوٹوں کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ (اس کے بعد اس کی سند ذکر کی ہے)۔

(سنن ترمذی ج ۴ ص ۲۵، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۲۳، مسند امام احمد ج ۵ ص ۴۲، مستدرک ج ۴ ص ۱۶۰)

ابی رمثہ التیمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میرے ساتھ میرا بیٹا بھی تھا، میں نے حضور ﷺ کی زیارت کی، میں نے آپ ﷺ کو دیکھتے ہی کہا: یہ اللہ عزوجل کے نبی ﷺ ہیں۔ (طبقات ابن سعد کما فی مناہل الصفاء وللسیوطی ص ۱۱۴)

اور مسلم رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ مضاد جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بیشک تمام تعریفیں اللہ عزوجل کے لیے ہیں، اس کی حمد کرتے ہیں اور اس سے مدد مانگتے ہیں جس کو اللہ عزوجل ہدایت فرمادے سو اس کو کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ

گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت پر نہیں لاسکتا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بیشک محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں، تو اس نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ ان کلمات کو پھر دوبارہ مجھ پر دہرائیے کیونکہ یہ سمندر کی تہہ تک پہنچ گئے ہیں، اپنا دست مبارک بڑھائیے تاکہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں۔

(صحیح مسلم ج۲ص ۵۹۳، مسند امام احمد ج۱ص ۳۰۲، سنن نسائی ج۲ص ۸۹، سنن ابن ماجہ کتاب النکاح ج۲ص ۱۹)

جامع ابن شداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک مرد جس کو طارق کہا جاتا ہے، اس نے ہمیں خبر دی کہ اس نے جب نبی کریم ﷺ کو مدینہ منورہ میں دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمھارے پاس کوئی چیز ہے جس کو تم بیچتے ہو، ہم نے کہا: یہ اونٹ ہیں، فرمایا: کیا قیمت ہے؟، ہم نے کہا: کھجور کے اتنے اتنے وسق (جو ساٹھ ساع کا ہوتا ہے) کے عوض بیچوں گا، تو آپ ﷺ نے اونٹ کی مہار پکڑلی اور (شہر) مدینہ لے گئے، تو ہم نے (آپس میں) کہا کہ اس اونٹ کو ایسے شخص کے ہاتھ بیچا ہے جس کو ہم جانتے تک نہیں کہ وہ کون ہے، ہمارے ساتھ ایک بوڑھی عورت تھی اس نے کہا کہ میں اس اونٹ کی قیمت کی ضامن ہوں، میں نے اس شخص کے چہرہ کو دیکھا ہے جو چودھویں رات کے چاند کی مانند ہے وہ تم سے دھوکہ نہ کرے گا، پس جب ہم نے صبح کی تو ایک شخص کھجور میں لایا اور کہا کہ میں تمھاری طرف رسول اللہ ﷺ کا قاصد ہوں، تمھارے لیے فرمایا ہے کہ ان کھجوروں کو کھاؤ اور وزن کرکے اپنی قیمت لے لو، سو ہم نے کیا۔ (دلائل النبوۃ، بیہقی کمافی مناہل الصفاء ص ۱۱۴)

عمان کے بادشاہ جلندی کی حدیث میں ہے کہ جب اس کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی دعوت دی ہے تو جلندی نے کہا: خدا کی قسم مجھ کو اس نبی امی (ﷺ) پر یہ دلیل ملتی ہے کہ وہ کسی نیکی کی طرف جب ہی بلاتے ہیں جب وہ خود اس پر عامل ہوتے ہیں اور کسی برائی سے جب ہی روکتے

ہیں جب وہ خود اس کے تارک ہوں اور بلا شبہ جب وہ غالب ہوتے ہیں تو غرور نہیں کرتے اور جب مغلوب ہوتے ہیں تو گھبراتے نہیں اور عہد و پیمان کا ایفا کرتے ہیں اور ایفائے عہد میں جی کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی (برحق) ہیں۔ (کتاب الردۃ عن ابن اسحاق کمافی منائل الصفاء للسیوطی ص ۱۱۳)

نفطویہ رحمہ اللہ، اللہ عزوجل کے اس ارشاد کی تفسیر میں کہتے ہیں: ﴿یَّکَادُ زَیۡتُھَا یُضِیۡٓءُ وَ لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ﴾ قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے۔ (النور:۳۵)

یہ اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کی مثال دی ہے، وہ فرماتا ہے کہ عنقریب آپ ﷺ کا چہرہ آپ ﷺ کی نبوت پر دلالت کرے گا اگرچہ وہ قرآن کی تلاوت نہ کرے، ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے۔

لَوْ لَمْ تَکُنْ فِیْهِ اٰیَاتٌ مُّبَیِّنَةٌ لَکَانَ مَنْظَرُهٗ یُنَبِّیْكَ بِالْخَبَرِ

یعنی اگر اس میں روشن نشانیاں نہ بھی ہوتیں تو آپ ﷺ کا چہرہ ہی آپ ﷺ کی (نبوت) کی خبر دیتا ہے۔ بیشک اب وقت آگیا ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت، وحی، رسالت کے بیان کو شروع کریں اور اس کے بعد قرآن کے اعجازات اور اس کے دلائل و براہین کو بیان کریں۔

پہلی فصل

اللہ عزوجل اپنے بندوں کو بغیر واسطہ کے اپنی ذات وصفات اور اسما کا علم عطا فرما سکتا ہے خبردار! بیشک اللہ عزوجل اس پر قادر ہے کہ اپنے بندوں کے دلوں میں اپنی معرفت، اپنی ذات، اپنے اسما وصفات کا علم اور تمام تکلیفات (دینی ودنیوی) کو شروع ہی میں بغیر کسی واسطہ کے اگر چاہے تو علم دے دے، جیسا کہ بعض نبیوں کے بارے میں سنت الہیہ مروی ہے، بعض مفسرین رحمھم اللہ عزوجل کے فرمان: ﴿وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا﴾ اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر۔ (الشوریٰ:۵۱) کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ یہ جائز ہے کہ یہ علوم اللہ عزوجل بغیر کسی واسطہ کے ان کو پہنچا دے اور ان کو اپنے کلام سے نواز دے یہ واسطہ یا تو انسان کے سوا ہو جیسے فرشتے انبیا علیھم السلام کے ساتھ یا انہی کے جنس سے ہو جیسے انبیا علیھم السلام امتوں کے ساتھ ہیں۔ اور اس بات کے لیے کوئی عقلی دلیل مانع نہیں اور جب یہ جائز ہے اور محال نہیں ہے اور رسول ﷺ ان چیزوں کو لائے ہیں جو ان کے صدق پر دلالت کرتی ہیں، وہ ان کے معجزات ہیں تو جو وہ لائے ہیں، ان سب کی تصدیق واجب ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا تحدی کے ساتھ معجزہ اللہ عزوجل کے اس فرمان کے قائم مقام ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، تم ان کی اطاعت واتباع کرو، اور آپ ﷺ کے صدق پر جو کچھ اللہ عزوجل نے فرمایا، گواہ ہے اور وہی کافی ہے، اس کو لمبا کرنا مقصود سے خارج ہے، اب جو بھی اس کے تلاش کرنے کا ارادہ کرے تو وہ ہمارے ائمہ رحمھم اللہ کی تصنیفات میں بھرپور پالے گا۔

نبوت کی لغوی تحقیق

نبوت اس لغت کے اعتبار سے جو ہمزہ سے پڑھے "نباء" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی خبر کے ہیں اور کبھی اس اعتبار و تاویل میں تخفیف و سہولت کے لیے ہمزہ نہیں دیا جاتا، اس صورت میں نبوت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے غیوب پر مطلع کیا اور ان کو بتا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے نبی ہیں، نبی کے معنی یا تو خبر دیتے ہوئے بصیغہ مفعول ہو گا یا مخبر خبر دینے والے بصیغہ اسم فاعل ان چیزوں کی جن کے ساتھ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا ہے اور اان چیزوں کی اطلاع دینا جن پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کیا گیا ہے، اس وقت نبی بروزن فعیل بمعنی فاعل ہو گا۔

اور نبوت اس لغت کے اعتبار سے جو بغیر ہمزہ (مادہ) کے پڑھتے ہیں، نُبُوَّۃٌ سے ماخوذ ہو گا جس کے معنی ہیں: زمین کا بلند و مرفع حصہ"، تو اب نبوت کے (اصطلاحی) معنی یہ ہوں گے کہ اللہ عزوجل کی جناب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نام کا مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرافت و منزلت بلند ہے، یہ دونوں وصف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں صحیح و درست ہیں۔

الرسول کی تحقیق

رسول اس کو کہتے ہیں جو مُرْسَلٌ یعنی بھیجا گیا ہو، لغت میں بروزن فعول بمعنی مُفْعَلٌ نادری مستعمل ہے۔ آپ ﷺ کی رسالت یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو جن لوگوں کی طرف بھیجا ہے، ان کو تبلیغ احکام کریں، یہ تابع سے مشتق ہے (جس کے معنی پے در پے ہے) اسی قبیل سے ان کا یہ مقولہ ہے کہ وہ لوگ ارسالا آئے جب وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہیں، گویا آپ ﷺ پر تو یہ لازم کیا گیا کہ آپ بار بار تبلیغ کریں اور امت پر یہ لازم کیا گیا کہ وہ آپ ﷺ کا اتباع کرے۔

علما کا اس میں اختلاف ہے کہ نبی ورسول کے ایک معنی ہیں یا دو؟ بعض نے کہا کہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں کیونکہ دراصل یہ انباء سے ہے جس کے معنی خبر دیتا ہے، ان کا استدلال اللہ عزوجل کے اس فرمان سے ہے:

﴿وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّ لَا نَبِیٍّ﴾

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول یا نبی بھیجے۔ (حج:۵۲)

ارسال میں یہ دونوں ساتھ ساتھ ثابت ہیں اور ان علما نے کہا کہ ہر نبی رسول ہوتا ہے اور ہر رسول نبی، بعض نے کہا کہ یہ دونوں علاحدہ علاحدہ من وجہ معنی رکھتے ہیں، اس لیے کہ کبھی یہ دونوں اس نبوت میں جمع ہو جاتے ہیں جس میں غیب پر اطلاع، خصوصیات نبوت کا اعلان اور اس کی معرفت کے لیے رفعت اور ان کے درجات کا حصول مقصود ہو اور کبھی یہ دونوں اس رسول کی رسالت کی زیادتی میں جدا ہو جاتے ہیں جس میں ڈرانے اور خبر دار کرنے کا حکم ہو، جیسا کہ ہم کہتے ہیں۔

ان کی دلیل بھی اس آیت میں دونوں ناموں کو علاحدہ علاحدہ (نبی اور رسول جدا جدا) بیان کرنے سے نکلتی ہے، اگر وہ دونوں ایک ہوتے تو کلام بلیغ میں دونوں کی تکرار یقیناً خوبی نہیں رکھتا، وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے کسی رسول کو امت کی طرف یا کسی ایسے نبی کو کسی طرف بھیجا نہیں گیا ہے نہیں بھیجا مگر آخر آیت تک۔

اور بعض علما اس طرف گئے ہیں کہ رسول وہ ہیں جو نئی شریعت لے کر آئے اور نبی غیر رسول وہ ہے جو شریعت لے کر نہ آئے اگرچہ اس کو تبلیغ، احکام الہیہ اور ڈرانے کا حکم دیا گیا ہو۔

اور درست و صحیح قول وہی ہے جس پر علما کا ایک جم غفیر ہے کہ ہر رسول علیہ السلام نبی ضرور ہے اور ضروری نہیں کہ ہر نبی رسول بھی ہو، ان میں پہلے رسول حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور ان میں آخری رسول حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ (مسند امام احمد ج۵ ص۱۷۹ صحیح ابن حبان ج۱ ص۲۸۷) کی مرفوع حدیث میں ہے کہ بیشک انبیا علیہم السلام ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم و بیش) ہیں، بخلاف (فرقہ) کرامیہ کے کہ ان کی باتیں لمبی اور ڈرانے والی ہیں، اس میں کوئی فائدہ اور بھلائی نہیں ہے اور نہ ان کا کوئی اعتبار۔

وحی کی تحقیق

وحی کے اصلی معنی ”جی“ کرنے کے ہیں اور نبی کریم ﷺ پر جب کوئی حکم اللہ عزوجل کی جانب سے نازل ہوتا تو اس کے لینے میں جی فرماتے، اس وجہ سے اس کا نام وحی رکھ دیا گیا اور الہاموں کی قسموں کو چونکہ گونہ وحی نبوت سے مشابہت ہوتی ہے اس لیے ان کا نام بھی وحی رکھ دیا گیا اور خط کا نام بھی وحی رکھا گیا کہ چونکہ کاتب کے ہاتھ کی حرکت میں سرعت (جی) ہوتی ہے اور ابرو اور گوشہ چشم کے اشارہ کو وحی بھی یوں کہا گیا کہ ان دونوں کے اشاروں میں سرعت ہوتی ہے، اسی قبیل سے خدا کا یہ فرمان ہے: ﴿فَاَوۡحٰۤی اِلَیۡهِمۡ اَنۡ سَبِّحُوۡا بُكۡرَةً وَّ عَشِیًّا﴾ تو انھیں اشارہ سے کہا کہ صبح و شام تہی کرتے رہو۔ (مریم:۱۱)، یعنی آنکھ یا زبان سے اشارہ کیا کرو، اس کے ایک معنی لکھنے کے بھی آئے ہیں اور اسی قبیل سے ان کا یہ مقولہ ہے، "اَلْوَحَا اَلْوَحَا"، یعنی جی کرو اور کہا گیا ہے کہ دراصل وحی پوشیدہ اور خفی بات کو کہتے ہیں، اسی قبیل سے ہے کہ الہام کا نام بھی وحی رکھ دیا گیا اور اس سے اس کا قول ہے کہ ﴿اِنَّ الشَّیٰطِیۡنَ لَیُوۡحُوۡنَ اِلٰۤی اَوۡلِیٰٓـِٕهِمۡ﴾ (الانعام:۱۲۱) بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں، یعنی ان کے سینوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اور اسی قبیل سے یہ فرمان ہے کہ ﴿وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی﴾ اور ہم نے موسی کی والدہ کو الہام فرمایا۔ (القصص:۷) یعنی ان کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ بات اللہ عزوجل کے اس فرمان میں ہے: ﴿وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحۡیًا﴾ اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ اس سے کلام فرمائے مگر وحی کے طور پر۔ (الشوری: ۵۱)، یعنی بغیر واسطہ کے اس کے دل میں القا فرمائے۔

دوسری فصل

معجزات کے بیان میں

جانو! کہ انبیا علیہم السلام جو لائے ہیں ان کو ہمارا معجزہ کہنا اس لیے ہے کہ مخلوق اس کے مماثل لانے سے عاجز ہوتی ہے، معجزے دو طرح پر ہوتے ہیں۔

ایک قسم:

یہ کہ قدرت انسانیہ کے انواع میں سے ہو پھر اس سے وہ عاجز ہو جائیں، ان کا یہ عجز ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ فعل اللہ عزوجل کی جانب سے ہے، جو ان کے نبی کی صداقت میں ہوتا ہے، جیسے کہ ان (یہودیوں) کو موت کی تمنا سے پھیر دینا اور ان (عرب کے بڑے بڑے فصحا و بلغا) کا قرآن کریم کی مثل لانے سے عاجز ہو جانا، یہ بعض علما کی رائے ہے، اسی طرح دیگر معجزات وغیرہ۔

دوسری قسم:

یہ ہے کہ وہ فعل ہی انسانی قدرت سے باہر ہو کہ وہ کسی طرح بھی اس کی مثل لانے پر قادر نہیں، جیسے مردوں کا زندہ کرنا، عصا (موسیٰ علیہ السلام) کا سانپ بننا، اونٹنی کا پتھر سے نکلنا، درخت کا کلام کرنا، انگلیوں سے پانی کے چشمے بہانا اور چاند کو ٹکڑے کرنا، یہ وہ معجزات ہیں جو ممکن ہی نہیں کہ کوئی ان کو کر سکے سوائے اللہ عزوجل کے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر ان کا ہوتا اللہ عزوجل کا فعل ہے اور اس کے ذریعہ ان کی تحدی (تعجیز) مقصود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتے ہیں کہ ان کی مثل لانے سے

وہ عاجز ہیں۔

جانو! بیشک وہ معجزات جو ہمارے نبی ﷺ کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے جو آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور آپ ﷺ کے صدق پر براہین (دلائل) ہیں، ان میں دونوں قسموں کے ہیں، دیگر رسولوں کی بہ نسبت آپ ﷺ کے معجزے بکثرت، ان سے زیادہ روشن نشانیاں اور ان سے زیادہ ظاہر دلائل پر مبنی ہیں، جیسا کہ عنقریب ہم ان کو بیان کریں گے اور یہ معجزات اس کثرت سے ہیں کہ کوئی ان کو ضبط تحریر میں لا سکتا ہی نہیں کیونکہ ان میں سے قرآن ہی ایسا معجز کلام ہے کہ اس کے معجزات کو ہزار، دو ہزار یا زیادہ کا شمار ہی نہیں کر سکتا، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے صرف ایک سورت کا معارضہ طلب کیا تھا تو اس سے عاجز ہو گئے تھے۔

علما نے کہا ہے کہ سب سے چھوٹی سورت اِنَّآ اَعۡطَيۡنٰكَ الۡكَوۡثَرَ (الکوثر:۱) ہے، لہذا اس کی ہر آیت یا اس سورت کی مقدار وعدد میں آیتیں معجزہ ہیں، پھر خاص اس سورت میں ہی متعدّد معجزے ہیں، جیسا کہ ہم عنقریب بیان کریں گے کہ اس میں یہ، یہ معجزے ہیں۔ پھر حضور ﷺ کے معجزات دوم پر ہیں۔

ان میں سے پہلی قسم یہ ہے کہ جو قطعی طور پر معلوم اور ہم تک متواتر منقول ہے، جیسے قرآن کریم کہ نہ اس میں کوئی شک ہے اور نہ کوئی اختلاف کہ یہ نبی کریم ﷺ کا لایا ہوا نہیں ہے، آپ ﷺ کی طرف سے اس کا ظہور ہوا اور آپ ﷺ نے اپنی دلیل میں بطور حجت پیش کیا اور اگر کوئی بدبخت اس کا انکار کرے تو وہ معاند و دشمن ہے، اس کا انکار ایسا ہی ہے کہ حضور ﷺ کے وجود کا دنیا میں انکار کرے، حالانکہ منکرین کا اعتراض اس کی حجت (یعنی منکرین کہتے ہیں یہ جادو ہے) میں ہی رہا ہے۔

پس قرآن اپنی ذات میں اور اپنے تمام مشمولات، معجزات میں معلوم و بدیہی ہے اور اس کی اعجازی شان

ہدایت و نظر دونوں سے ثابت ہے، جیسا کہ بہت جلد اس کی تشریح کریں گے۔

ہمارے بعض ائمہ رحمھم اللہ فرماتے ہیں کہ فی الجملہ قائم مقام معجزات کے یہ ہے کہ حضور ﷺ کے دست اقدس پر بکثرت نشانیاں خوارق عادات ہوئی ہیں، اگر ان میں سے کوئی معجزہ یقین کے درجہ تک نہ بھی پہنچے تو یہ تمام معجزات کو ملا کر تو یقین حاصل ہو جائے گا، لہذا ان کے معانی کا وقوع آپ ﷺ کے دست اقدس پر شک و شبہ سے بالا ہے۔

کسی مومن اور کافر کا اس بات میں اختلاف نہیں کہ آپ ﷺ کے دست اقدس سے عجائبات کا صدور ہوا ہے، معاند (دشمن) کا اختلاف تو اس میں ہے کہ یہ خدا عزوجل کی جانب سے ہیں یا نہیں؟

حالانکہ ہم اس کو پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ اللہ عزوجل کی جانب سے ہے اور یہ کہ اس کے قائم مقام ہے کہ تم نے سچ کہا اس قسم کا وقوع بھی ہمارے نبی ﷺ سے بداہۃً معلوم ہے کیونکہ ان کے معانی کا اتفاق ہے، جیسے حاتم کی سخاوت اور عنترہ کی شجاعت اور احنف کا علم بداہیۃً معلوم ہے کیونکہ ان پر جو خبریں ملتی ہیں ان پر اتفاق ہے کہ سخاوت، شجاعت اور علم ان کا معروف و مشہور ہے، اگرچہ فی نفسہ ہر ایک خبر علم کا موجب نہیں اور نہ اس کی صحت پر یقین ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ وہ خبر بداہتہً اور یقین کے درجہ تک نہ پہنچے، اس کی دو صنف ہیں۔

پہلی صنف یہ کہ وہ خبر مشہور اور پھیلی ہوئی ہو اور اس کو متعدّد راویوں نے بیان کیا ہو اور وہ خبر محدثین، مؤرخین اور اصحاب سیر و اخبار کے نزدیک شائع (پھیل) ہو چکی ہو، جیسے کہ انگلیوں کے درمیان سے پانی کا چشمہ جاری ہونا اور طعام کو زیادہ کرنا۔

اور دوسری صنف یہ ہے کہ وہ خبر صرف ایک یا دو راوی تک محدود و مخصوص ہو اور اتنے کم راویوں نے اس کو بیان کیا ہو کہ وہ حد شہرت تک نہ پہنچی لیکن جب ان جیسے معجزات کو جمع کیا جائے تو وہ اپنے معانی

میں اتفاق کی حد تک پہنچ جائے اور یہ دونوں قسمیں معجزات کے صدور میں مجتمع ہو جائیں، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

قاضی ابوالفضل عیاض (رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ حق بات بیان کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ حضور ﷺ سے بہت سے معجزات جو مروی ہیں، قطعیت کے ساتھ معلوم ہیں، چنانچہ معجزہ شق القمر، تو اس کا وقوع تو نص قرآنی سے ثابت ہے اور قرآن نے اس کے وجود کی خبر دی ہے، دلیل کے بغیر کسی آیت کے ظاہری معنی سے انحراف نہیں کیا جائے گا اور اس احتمال کے رفع کرنے میں تو متعدّد طریقوں سے احادیث صحیحہ وارد ہیں اور کسی بدنصیب کا اختلاف جس نے دین کے کڑے کو چھوڑ رکھا ہے ہمارے پختہ اعتقاد کو متزلزل نہیں کر سکتا اور ایسے مبتدع کی سفاہت (بے وقوفی، کمینہ پن) کی طرف توجہ نہ کی جائے گی کیونکہ وہ کمزور مسلمانوں کے دلوں میں شک ڈالتا ہے بلکہ ہم اس کے ساتھ اس کی ناک کو خاک آلود کر لیں گے اور میدان میں ہم اس کی سفاہت (بے وقوفی کمینہ پن) کو پھینکیں گے۔

یہی صورت پانی کے نکلنے اور طعام کی زیادتی کے واقعہ کی ہے، اس کو ثقہ لوگوں نے اور بہت سے راویوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت بڑی جماعت کے بکثرت افراد نے روایت کیا ہے اور بعض معجزات تو ایسے ہیں ایک جماعت نے جماعت سے متصلاً ان راویوں سے جنھوں نے بہتر صحابہ سے روایت کیا ہے، بیان کیا ہے کہ یہ معجزہ خندق کے دن بڑے مجمع میں اور غزوہ بواط اور عمرہ حدیبیہ اور غزوہ تبوک وغیرہ مسلمانوں کی مجلسوں اور لشکروں میں واقع ہوا ہے اور صحابہ میں سے کسی سے اس کی مخالفت منقول نہیں، جو راوی کے بیان کی مخالفت کریں اور جو انھوں نے دیکھا ہے، اس کا انکار کسی دیکھنے والے نے ذکر نہیں کیا ہے، (کہ نہیں اصل واقعہ یہ ہے) لہٰذا ان میں سے خاموش رہنے والے کا سکوت ایسا ہی ہے جیسے گویا کہ بولنا، اس لیے کہ وہ اصحاب باطل پر قرار اور جھوٹ میں مداہنت سے منزہ پاک ہیں اور نہ

وہاں کوئی رغبت اور خوف ہی تھا کہ ان کو باز رکھے اور اگر وہ سنی ہوئی بات ان کے نزدیک قابل انکار اور ان کے نزدیک غیر معروف ہوتی تو وہ یقیناً اس کا انکار کرتے، جیسے کہ ان میں سے بعض صحابہ نے بعض ان باتوں کا انکار کیا ہے جن کا ذکر احادیث و سیر اور قرات میں منقول ہے اور بعض نے بعض کی غلطی ظاہر کی اور کسی کو وہمی کہا، یہ وہ باتیں جو غیر مبہم ہیں، معجزات کی یہ پوری صنف قطعیت کے ساتھ ملحق ہے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

بلاشہ بعض خبریں ایسی بھی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں اور باطل پر ان کی بنیاد ہے اور ایسی بھی ہوں گی کہ ایک مدت کے گزرنے اور لوگوں کی مداومت کے بعد علما کے مباحث و تحقیق سے ان کا ضعف ظاہر ہو اور ان کا ذکر گمنامی میں ہو جائے، جیسا کہ اکثر جھوٹی خبروں اور من گھڑت قصوں میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ لیکن ہمارے نبی ﷺ کے معجزات جو بطریق احاد مروی ہیں، زمانہ گزرنے کے بعد بھی ان کا ظہور ہی زیادہ ہوتا ہے اور فرقوں کے کلام کرنے اور دشمنوں کی کثرت طعنہ زنی اور ان کے استخفاف (خفت، سبکی) پر ان کے حریص ہونے اور اس کی بنیادوں کو کمزور بنانے اور اس کے نور کو بجھانے پر ملحدین کی پیہم کوششوں کے باوجود ان کی قوت و قبول اور ان پر طعن کرنے والے کی حسرت و کینہ کو ہی بڑھاتا ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ کا غیبی خبریں دینا اور آپ ﷺ کا ماکان و مایکون یعنی گزشتہ و آئندہ کے حالات بتانا، فی الجملہ بدایۃً آپ ﷺ کے معجزات میں ہونا معلوم ہے اور یہ ایسا حق ہے جس پر کوئی پردہ نہیں۔

ہمارے ائمہ میں سے قاضی و استاذ ابوبکر وغیرہ رحمھم اللہ اس کے قائل ہیں اور میرے نزدیک جس قائل نے یہ کہا ہے کہ یہ مشہور واقعات خبر واحد کے باب میں سے ہیں، اس کی وجہ اخبار و روایات

میں مطالعہ کی کمی اور اس کے سوا دیگر علوم عقلیہ وغیرہ میں مشغول ہوتا ہے ورنہ جو شخص نقل کے طریقوں سے واقف ہے اور احادیث وسیر کا مطالعہ کرتا ہے وہ شخص جس طرح ہم نے ان کا ذکر کیا ہے ان واقعات مشہورہ کی صحت میں شک نہیں کر سکتا۔

یہ کوئی بعید امر نہیں ہے کہ ایک شخص کو تو تواتر کا علم ہو جائے اور دوسرے کو حاصل نہ ہو، کیونکہ اکثر لوگ خبر کے ذریعے جانتے ہیں کہ بغداد موجود ہے اور وہ ایک بڑا شہر ہے اور وہ دارالخلافہ اور بیت الامامت ہے، لوگوں میں ایسے بھی ہیں کہ کوئی اس کا نام تک نہیں جانتا، چہ جائیکہ اس کے اوصاف سے واقف ہو۔

اسی طرح امام مالک رضی اللہ عنہ کے شاگرد فقہا آپ سے تواتر کے ساتھ یقیناً نقل کرتے ہیں کہ آپ کا یہ مذہب ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا منفرد امام پر واجب ہے اور رمضان مبارک کی پہلی رات میں روزہ کی نیت کرنا ماسوا اس کے دنوں کے لیے وہ کافی ہے اور بلاشبہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا یہ مذہب ہے کہ ہر رات کے لیے جداگانہ روزہ کی نیت ہو اور سے میں سر کے بعض حصہ پر اکتفا کرنا جائز ہے اور ان دونوں کا یہ مذہب ہے کہ قتل میں قصاص محدد (تلوار) وغیرہ کے ساتھ جائز ہے اور وضو میں نیت کا وجوب اور نکاح میں اذن ولی شرط ہے۔

بلاشبہ (حضرت امام اعظم) ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نہ صرف ان مسائل میں بلکہ ان کے سوا اور دیگر مسائل میں ان دونوں مذاہب سے اختلاف رکھتے ہیں، ان کے علاوہ کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو ان کے مذاہب میں مشغول ہی نہیں ہوئے اور نہ ان کے اقوال کی روایت کی ہے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ یہ مذاہب بھی ہیں، چہ جائیکہ یہ مسائل یا دیگر حالات سے واقف ہوں، اور جب ہم ان احاد معجزات کا ذکر کریں گے تو اس وقت ان کو تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ عزوجل بیان کریں گے۔

تیسری فصل

اعجاز قرآن کی وجوہات میں سے پہلی وجہ

جانو! اللہ عزوجل ہمیں اور تم کو توفیق مرحمت فرمائے، اللہ عزوجل کی کتاب مجید کئی وجھوں سے بکثرت معجزات پر مشتمل ہے اور ان پر مطلع ہونے کے لیے وجوہات انحصار کے طریقہ پر چار قسمیں بنتی ہیں۔

اول: یہ کہ اس کے نظم کی خوبی، اس کے کلمات کو ملانا، اس کی فصاحت، اس کے ایجازات (یعنی مختصرات وغیرہ) اور اس کی ایسی بلاغت جو عرب کے بلغا کی عادت کے برخلاف ہے اور یہ اس لیے کہ عرب کے فصحا و بلغا اس شان کے مالک، اس کے شہسوار تھے۔

وہ لوگ بلاغت و حکمت میں ایسے مخصوص تھے کہ ان کے سوا کسی دوسری امت کو (ایسی بلاغت وحکمت) میسر تھی اور زبان کے نکات کے ایسے ماہر تھے کہ کسی انسان کو وہ نہ دی گئی تھی اور خطاب کے باب میں تو وہ ایسے تھے کہ کوئی عقلمند ان کو بند نہیں کر سکتا تھا اور یہ بات اللہ عزوجل نے ان کی خلقت وطبیعت میں رکھ دی تھی اور ان میں یہ طبعی قوت تھی کہ فی البدیہہ کلام سے عجائبات لاتے اور اس کی وجہ سے ہر معاملہ تک رسائی حاصل کرتے تھے، وہ متعدّد مواقع اور سخت خطاب کی جگہوں میں فی الفور خطبہ دیتے تھے اور نیزے اور تلوار کی جنگوں میں رجز کے طور پر اشعار پڑھتے۔

اپنی تعریف کرتے (دوسروں کی) برائی کرتے اور اپنے مقاصد میں اس سے وسیلہ توسل پکڑتے اور لوگوں کو بڑھاتے اور گھٹاتے تھے، پس وہ لوگ اس سے سحر حلال لاتے، (یعنی جادو بیانی) کرتے تھے،

ان کی تعریفوں کے ایسے ہار بناتے جو موتیوں کی لڑی سے زیادہ خوبصورت ہوتے، عقلوں کو فریفتہ کرتے اور مشکلوں کو آسان بناتے تھے، کینے کو دور کرتے اور شجاعت کو ابھارتے اور بزدلوں کو جرات دلاتے اور بندھے ہاتھوں کو کھولتے، ناقص کو کامل بنادیتے، بڑے بڑے ہوشیاروں کو خاموش کردیتے تھے۔

ان میں سے بعض بدوی (دیہاتی) تو حتمی الفاظ اور قول فیصل کے مالک تھے، ان کا کلام محکم، طبیعت صناع اور قوتوں کو کھینچنے والے ہوتے تھے اور ان میں سے بعض شہری تو ایسے تھے کہ جو اعلی بلاغت والے، عمدہ الفاظ والے، جامع کلمات والے، نرم طبیعت والے، بلا تکلف تھوڑے کلام میں بہتر تصرف کرنے والے، جس کی خوبی عمدہ، کلام موزوں ہوتا تھا اور دونوں قسم کے لوگ (یعنی بدوی اور شہری) بلاغت میں حجۃ بالغہ، قوت عالیہ، کامیاب تر، وسیع اور واضح تک پہنچے ہوئے تھے۔

ان کو اس میں شک نہ تھا کہ کلام ان کے مقصود کے موافق ہے اور بلاغت ان کے تابع ہے، بلاشبہ انھوں نے بلاغت کے تمام فنون کو گھیر لیا تھا اور اس کی خوبیوں کو نکال لیا تھا اور اس کے ہر باب کے جس دروازہ سے چاہتے داخل ہوجاتے تھے، وہ بلاغت کے انتہائی درجہ پر پہنچنے کے سبب اس کے بلند اور اعلی مقام پر پہنچ گئے تھے، پس انھوں نے مشکل اور آسان کلام کیا اور لاغر و سمین (موٹے) میں جوہر دکھائے، قلت و کثرت میں مقالات کہے، نظم و نثر میں ڈول ڈالے۔

ان صفتوں کے مالک فصحا و بلغا عرب کو اگر عاجز کیا ہے اور ان کو مرعوب کیا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے کتاب مجید لاکر ہی کیا ہے، جس پر نہ سامنے سے باطل ٹھہرے، نہ پیچھے سے، وہ کتاب حکمت والے تعریف کیے ہوئے اللہ عزوجل کی اتاری ہوئی ہے، اس کی آیتیں محکم، اس کے کلمات مفصل، اس کی بلاغت عقلوں کو متحیر کرنے والی، اس کی فصاحت ہر بولنے والے پر غالب ہے، اس کا اختصار اور اعجاز کامیاب ہے، اس کی حقیقت و مجاز واضح ہے، خوبصورتی میں اس کے ابتدائی اور انتہائی

کلمات متشابہ ہیں اور اس کے جامع وبدیع کلمات ہر بیان پر حاوی ہیں، باوجود اپنے اختصار کے نظم کی خوبی میں معتدل ہے اور اپنے فوائد میں زیادتی کے باوجود اس کے الفاظ پسندیدگی کے عین مطابق ہیں۔

حالانکہ اہل عرب اس باب میں بڑی طاقت رکھتے تھے، ان کے مرد خطاب میں بہت مشہور تھے اور سجع شعر میں غریب الاستعمال الفاظ ولغت پر بڑے بولنے والے تھے اور ان کی ان لغت میں جن کو وہ بولتے تھے اور ان کے ان جھگڑوں میں جن میں وہ غالب آیا کرتے تھے، قرآن کریم ان کو ہر وقت چیلنج کرتا رہا اور ان کے کانوں کو کھٹکھٹاتا رہا اور ان کی پوری جماعت کو ۲۳ سال جھنجوڑتا رہا، وہ چیلنج کرتا تھا کہ:

﴿اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىهُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ﴾

کیا یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اسے بنالیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی کوئی ایک سورۃ لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلا لاؤ۔ (یونس:۳۸)

اور فرماتا ہے:

﴿وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ (۲۳) فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا﴾

اور اگر تمھیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے۔ (البقرہ:۲۴،۲۳)

نیز فرمایا:

﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ﴾

تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں۔

(الاسراء:۸۸)

اور فرمایا:

قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ

تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ۔ (ہود:۱۳)

یہ اس لیے کہ جھوٹ کا بنانا آسان ہوتا ہے اور باطل اور بناوٹی کو لے لینا اختیار کے زیادہ قریب ہے اور لفظ جب صحیح معنی کے تابع ہوتا ہے تو وہ بہت دشوار ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص ایسا لکھتا ہے جیسا اس کو کہا جائے اور فلاں جیسا چاہتا ہے لکھتا ہے، لہذا پہلے شخص کے لیے دوسرے پر فضیلت ہے درآنحالیکہ دونوں منشاء میں دوری ہے۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برابر تحدی (للکارنا) کر کر کے خوب جھنجوڑتے رہے اور ان کو خوب جھڑکتے رہے اور ان کی عقلوں کی سفاہت بتاتے رہے، ان کے بلند بانگ دعوؤں کے جھنڈوں کو اتارتے رہے، ان کے بڑوں کی شیخیت کو ٹکڑے کرتے رہے اور ان کے جھوٹے معبودوں اور ان کے آبا (کے کرتوتوں) کو برا بتاتے رہے، ان کی اراضی، امصار اور اموال کو مباح بناتے رہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ لوگ اس معارضہ میں بھاگتے رہے اور اس کی مماثلت سے اعراض کرتے رہے اور اپنے آپ کو شور و شغب اور تکذیب اور افتراء پر برانگیختہ کرنے میں دھوکہ دیتے رہے اور یہی کہتے رہے کہ:

﴿اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ﴾ یہ تو وہی جادو ہے اگلوں سے سیکھا۔ (المدثر:۲۴)

﴿سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾ یہ تو جادو ہے چلا آتا۔ (القمر:۲)

﴿اِفْكُ افْتَرٰىهُ﴾ایک بہتان جوانھوں نے بنالیا ہے۔(الفرقان:۴)

﴿اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا﴾اگلوں کی کہانیاں ہیں جوانھوں نے لکھ لی ہیں۔(الفرقان:۵)

اس قسم کی بہت اور ادنی باتوں سے وہ خوش ہوتے تھے،چنانچہ انھوں نے یہ بھی کہا:

﴿قُلُوْبُنَا غُلْفٌ﴾ ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہیں۔(البقرہ:۸۸)

﴿فِیْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ﴾اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو۔(حم سجدہ:۵)

﴿وَ فِیْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ﴾ہمارے کانوں میں ٹینٹ (روئی) ہے۔(حم سجدہ:۵)

﴿مِنْۢ بَیْنِنَا وَ بَیْنِكَ حِجَابٌ﴾اور ہمارے اور تمھارے درمیان روک ہے۔(حم سجدہ:۵)

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾

یہ قرآن نہ سنو اور اس میں بیہودہ غل کرو شاید یونہی تم غالب آؤ۔(حم سجدہ:۲۶)

باوجود اس قدر عاجز ہوجانے کے وہ یہ ڈینگیں مارتے کہ ہم چاہتے تو ضرور اس کی مثل لے آتے حالانکہ اللہ عزوجل نے ان کو فرمادیا تھا:وَلَنْ تَفْعَلُوْا:ہرگز نہ لاسکو گے۔(البقرہ:۲۴)

سو وہ اس کے لانے پر قادر نہ ہوسکے اور ان کے جس بے وقوف نے معارضہ کیا جیسے مسیلمہ کذاب تو اس کا عیب ان سب کے سامنے کھل گیا اور اللہ عزوجل نے ان کی فصاحت کلام کی صفت کو سلب کرلیا ورنہ عقلمندوں پر مخفی نہیں کہ قرآن ان کی فصاحت کے طرز کا نہیں؟ اور نہ ان کی بلاغت کی جنس ہے؟ بلکہ وہ اس سے پشت دکھا کر بھاگے اور فرمانبردار بن کے آئے کچھ ہدایت یافتہ ہوکر کچھ فریفتہ بن کر۔﴿اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ﴾ بیشک اللہ حکم فرماتا ہے انصاف اور نیکی کا۔(النحل:۹۰)

اسی وجہ سے جب ولید بن مغیرہ نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنا اس نے کہا کہ خدا کی قسم اس میں

حلاوت (مٹھاس) ہے یقیناً اس میں رونق ہے، بیشک اس کے نیچے گہرا پانی ہے اور اس کے اوپر کا حصہ پھلدار ہے، اس کو انسان نہیں کہہ سکتا۔ (تفسیر در منثور ج۸ ص ۳۳۶)

ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی نے ایک مرد سے سنا کہ وہ پڑھتا تھا: ﴿فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ﴾ تو علانیہ کہہ دو جس بات کا تمھیں حکم ہے۔ (الحجر:۹۴)

تو اس نے سجدہ کیا اور کہا: میں اس کی فصاحت پر سجدہ کرتا ہوں، دوسرے مرد سے سنا کہ وہ پڑھتا تھا: ﴿فَلَمَّا اسۡتَايۡـَٔسُوۡا مِنۡهُ خَلَصُوۡا نَجِيًّا﴾

پھر جب اس سے ناامید ہوئے الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔ (یوسف:۸۰)

تو اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کی مثل لانے پر قادر نہیں۔

مروی ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ مسجد میں سو رہے تھے، اتفاقاً آپ نے دیکھا کہ ایک شخص آپ کے سر پر کھڑا کلمہ شہادت پڑھ رہا ہے، آپ نے اس سے دریافت کیا، اس نے بتایا کہ میں روم کے رئیسوں میں سے ہوں اور عرب وغیرہ کے کلام کی خوبیوں کو جانتا ہوں، نے میں نے مسلمان قیدیوں میں سے ایک شخص سے سنا کہ وہ قرآن کی ایک آیت تلاوت کر رہا تھا، میں نے اس پر خوب غور کیا، تو میں نے اس میں وہ باتیں جمع پائیں جو حضرت عیسی علیہ السلام پر دنیا و آخرت کے حالات میں نازل ہوئی تھیں، وہ یہ فرمان ہے:

﴿وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَيَخۡشَ اللّٰهَ وَيَتَّقۡهِ﴾ (النور:۵۲)

اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے۔

اصمعی علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ میں نے ایک باندی کا کلام سنا اور اس سے کہا کہ اللہ عزوجل تجھے ہلاک کرے، کیسا تیرا فصیح کلام ہے، اس نے کہا: ہاں لیکن اللہ عزوجل کے اس کلام کی فصاحت کے بعد

اس کو شمار کیا جاسکتا ہے۔

اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوۡسٰۤی اَنۡ اَرۡضِعِیۡهِ ۚ﴾ اور ہم نے موسی علیہ السلام کی ماں کو الہام فرمایا کہ اسے دودھ پلا۔ (القصص:۷) اس ایک ہی آیت میں اللہ عزوجل نے دوامر، دونہی، دوخبریں اور دوبشارتیں جمع فرمادیں۔

اعجاز قرآن میں بسم اللہ عزوجل کی ذات کے ساتھ خاص ہے، کسی غیر کی طرف سے منسوب نہیں، دوقولوں میں یہ قول محقق واضح ہے اور یہ کہ قرآن کریم نبی اکرم ﷺ کی جانب سے ہے اور یہ کہ آپ ﷺ لائے ہیں، بداہتہً معلوم ہے اور حضور ﷺ کا اس سے تحدی فرمانا بھی صریحًا معلوم ہے اور اہل عرب کا اس کی مثل لانے سے عاجز ہونا بھی بدیہی بات ہے اور اس کی فصاحت وخارق عادت کے درجہ پر ہونا، سو یہ بھی فصحا اور اقسام بلاغت کے جاننے والوں پر یقینا معلوم ہے اور سب لوگ فصحیح وبلیغ نہیں ہیں، ان کو اتنا جاننا کافی ہے کہ فصحیح وبلیغ منکرین رب عزوجل کے معارضہ سے عاجز رہے ہیں اور افترا کرنے والے بھی اس کی معجزانہ بلاغت کے معترف رہے ہیں اور جب تم ان آیتوں میں اچھی طرح غور کروگے کہ: ﴿وَ لَکُمۡ فِی الۡقِصَاصِ حَیٰوۃٌ﴾

اور خون کا بدلہ لینے میں تمھاری زندگی ہے۔ (البقرہ:۱۷۹)

اور اللہ عزوجل کا یہ فرمان کہ: ﴿وَ لَوۡ تَرٰۤی اِذۡ فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ وَ اُخِذُوۡا مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ﴾

اور کسی طرح تو دیکھے جب وہ گھبراہٹ میں ڈالے جائیں گے پھر بچ کر نہ نکل سکیں گے اور ایک قریب جگہ سے پکڑ لیے جائیں گے۔ (سبا:۵۱)

﴿اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ﴾ برائی کو بھلائی سے ٹال۔ (حم السجدہ:۳۴)

﴿فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَهٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ﴾

جبھی وہ کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسا کہ گہرا دوست۔ (حم السجدہ:۳۴)

﴿وَ قِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ﴾

اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا۔ (ھود:۴۴)

﴿فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا﴾ (العنکبوت:۴۰)

تو ان میں ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ پر پکڑا تو ان میں کسی پر ہم نے پتھراؤ بھیجا۔

اس کی مثل دوسری آیتیں ہیں بلکہ قرآن کا بیشتر حصہ وہ ہے جب تم اس پر غور کرو گے تو تم پر ثابت ہو جائے گا، جو میں نے اس کے لفظوں کے اختصار، اس کے معانی کی زیادتی، اس کی عبارت کی خوبی، اس کے حروف کی ترکیب میں حسن اور ان کے کلمات کا باہم اتصال، کے سلسلہ میں بیان کیا ہے، بلاشبہ قرآن کریم کے ہر لفظ کے تحت بکثرت جملے، متعدّد فصلیں اور ان علوم کا ذخیرہ ہے جن میں سے چند باتیں استعارہ کرکے دفتر کے دفتر بھر چکے ہیں اور اس کے مستقبلات میں تو بکثرت مقالے ہیں۔

پھر قرآن کریم طویل قصوں اور گزشتہ زمانوں کی ان خبروں کے بیان کرنے میں جن میں فصحا کی عادت میں وہ کلام ضعف اور کمزور ہو جایا کرتا ہے اور بیان کی لذت جاتی رہتی ہے، ان کو اس خوبی سے ذکر کرتا ہے کہ وہ غور کرنے والے کے لیے ایک معجزہ ہے کہ کس طرح کلام آپس میں مربوط ہے اور کس طرح لڑی سے لڑی ملی ہوئی ہے اور وجوہ بلاغت میں وہ کس طرح قائم ہے۔

جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ باوجود طویل ہونے کے، پھر جب وہ قصے بار بار آتے ہیں تو باوجود مکرر ہونے کے ان کی عبارتیں مختلف ہیں، یہاں تک کہ ہر ایک قریب ہوتا ہے کہ بیان کی حلاوت میں اپنے ساتھی کو بھلا دے اور حسن میں اس کے مقابل چہرے سے عمدہ جانے اور ان قصوں کے بار بار آنے سے طبیعتوں میں نفرت پیدا نہیں ہوتی اور مکرر عبارتوں سے صرف نظر نہیں کرتا۔

چوتھی فصل

اعجاز قرآن کی دوسری وجہ

قرآن کریم معجزہ ہونے کی دوسری وجہ اس کے نظم کی عجیب شکل اور وہ غریب اسلوب (طرز) ہے جو کلام عرب کے اسلوب اور ان کے نظم و نثر کے وہ طریقے جن پر یہ قرآن ہے، ان کے خلاف ہے، ہر آیت کے آخر میں وقفہ ہے، جہاں کلمات کے وصل کی انتہا ہے، اس کی نظیر نہ اس سے پہلے پائی جاتی ہے نہ بعد کو اور نہ کسی کو اس کی طاقت ہے کہ وہ اس کے کسی حصہ کی مماثلت کر سکے۔

بلکہ اس میں ان کی عقلیں متحیر ہیں، اس کی نزدیکی (کے وہم سے) ان کی عقلیں مدہوش ہیں اور اس کی مثل کی طرف اپنے ہم جنس کلام میں خواہ وہ نثر ہو یا نظم سجع ہو یا رجز و شعر کو راہ نہیں پاتے۔

جب ولید بن مغیرہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام سنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر قرآن کی تلاوت فرمائی تو وہ نرم دل ہو گیا، جب اس کے پاس ابوجہل انکار کرتا ہوا آیا، اس سے اس نے کہا: خدا کی قسم تم میں سے کوئی بھی شعروں میں مجھ سے بڑھ کر عالم نہیں، خدا کی قسم جو کچھ وہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فرماتے ہیں، شعروں کے مشابہ نہیں۔

ولید کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ جب ولید نے موسم (حج) کے وقت قریش کو جمع کیا تو کہا کہ عرب کے لوگ آئے ہیں تم سب کسی ایک بات پر اتفاق رائے کر لو تا کہ کوئی ایک دوسرے کی تکذیب نہ کرے، تو سب نے کہا کہ ہم کاہن کہیں گے، اس نے کہا: خدا کی قسم وہ کاہن نہیں ہو سکتے اور نہ اس میں کہانت کی باتیں ہیں، اس (کلام) میں کاہنوں جیسا رمز ہے نہ ان کا انداز سجع، انھوں نے کہا کہ ہم دیوانہ

کہیں گے۔ اس نے کہا کہ وہ دیوانہ بھی نہیں کیونکہ نہ ان کو جن نے پکڑا اور نہ اس نے وسوسہ میں ڈالا، انھوں نے کہا تو پھر شاعر کہہ دیں گے۔

اس نے کہا: وہ شاعر بھی نہیں ہو سکتے کیونکہ میں شعر کی قسموں کو خوب جانتا ہوں خواہ وہ رجز ہو یا ہزج، اس کا حسن وقبح اس کا بسط وقبض جانتا ہوں، وہ شاعر تو ہو ہی نہیں سکتے۔

انھوں نے کہا: پھر تو ساحر (جادوگر) کہہ دیں گے، اس نے کہا: وہ ساحر بھی نہیں کیونکہ نہ وہاں جھاڑ پھونک ہے اور نہ گرہ لگانا، انھوں نے کہا: بتاؤ پھر کیا کہیں، اس نے کہا: اس میں سے تم کچھ نہیں کہہ سکتے، مگر میں جانتا ہوں کہ یہ سب باطل ہے ان باتوں میں قریب سے قریب یہ بات ہو سکتی ہے کہ وہ ساحر ہوں کیونکہ جادو مرد اور اس کے بیٹے، بھائی، بیوی اور قرابت داروں کے درمیان جدائی کر دیتا ہے، پھر انھوں نے جدا جدا ہو کر اپنی اپنی راہ لی اور لوگوں کو ڈرانے لگے، اس پر اللہ عزوجل نے ولید کے بارے میں یہ آیت اتاری: ﴿ذَرۡنِیۡ وَمَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا﴾

اسے مجھ پر چھوڑ جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ (المدثر:۱۱)

عقبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے جب قرآن کریم سنا تو اس نے کہا: اے میری قوم! تم جانتے ہو کہ میں نے کوئی ایسی چیز نہ چھوڑی جس کو نہ جانا اور نہ پڑھا ہو، خدا کی قسم میں نے وہ کلام سنا ہے، خدا کی قسم اس جیسا میں نے کبھی نہ سنا، نہ تو وہ شعر ہے نہ سحر و کہانت، نصر بن حارث نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی ج۲ ص۱۹۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی حدیث (صحیح مسلم کتاب الفضائل ج۴ ص۲۱-۲۰) میں ہے کہ انھوں نے اپنے بھائی انیس کی تعریف کی اور کہا کہ خدا کی قسم! اپنے بھائی انیس سے بڑھ کر کسی شاعر کو نہ سنا، اس نے جہالت کے زمانہ میں بارہ شاعروں سے مقابلہ کیا ہے اور میں ان میں سے ایک ہوں، وہ

مکہ گیا اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے پاس حضور ﷺ کی خبر لایا، میں نے کہا: لوگ کیا کہتے ہیں؟

اس نے کہا: لوگ شاعر، کاہن اور ساحر کہتے ہیں، بیشک میں نے کہانت کی باتیں سنی ہیں، ان میں وہ باتیں نہیں ہیں اور میں نے ان کے فرمان کو شعر کی اقسام کے مقابل کیا تو وہ اس کے مناسب بھی نہیں، میرے بعد کسی کی زبان پر نہ آئے گا کہ وہ شاعر ہیں، بلاشبہ وہ یقیناً سچے ہیں اور وہ سب جھوٹے، اس بارے میں بکثرت احادیث صحیحہ مروی ہیں۔

اور قرآن کا معجزہ ہونا دونوں قسموں پر ہے۔ بذاتہ اعجاز و بلاغت (اعجاز و بلاغت کے لحاظ سے) اور بذاتہ اسلوب غریبہ (طرز عجیب کے لحاظ سے) ان دونوں میں سے ہر ایک حقیقی ایک قسم کا معجزہ ہے، اہل عرب اس کی کسی ایک قسم پر بھی مماثل لانے پر قادر نہیں ہو سکے کیونکہ ہر ایک قسم ان کی قدرت سے خارج ہے اور ان کی فصاحت و کلام سے مباین ہے۔

اور اسی طرف چند محققین اور بعض بزرگ گئے ہیں کہ قرآن کریم اپنی بلاغت و اسلوب کے مجموعہ میں معجزہ ہے، اس سلسلہ میں وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو گوش گراں اور قلب بیزار ہیں۔

حالانکہ صحیح وہی بات ہے جو ہم نے پہلے بیان کی اور ان سب کا علم ضروری اور قطعی ہے، جو شخص فنون علوم بلاغت سے واقف ہے اور اس صفت کے ادب نے اس کے دل اور زبان کو تیز کر دیا ہے اس پر جو ہم نے کہا ہے مخفی نہیں ہے۔ ائمہ اہل سنت رحمہم اللہ ان کے عجز کے وجوہات میں مختلف ہیں، ان میں سے بیشتر تو یہ فرماتے ہیں کہ ان کے عجز کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں جو لطیف معانی، چنندہ الفاظ، حسن نظم اور اس کا اختصار لا جواب ترکیب و اسلوب جمع کیے گئے ہیں وہ کسی بشر کی طاقت میں نہیں ہے اور یہ ان خوارق میں سے ہے جن پر مخلوق کی قدرت محال ہے، مثلاً مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کو بدل کر اژدھا بنانا، کنکریوں کا تسبیح کرنا وغیرہ۔

اور شیخ ابوالحسن رحمہ اللہ اس طرف گئے ہیں کہ قرآن کریم ان معجزات ناممکنہ میں سے ہے کہ اس کا ہم مثل لانا کسی بشر کی قدرت و اختیار کے تحت داخل ہو، سوائے اس کے کہ اس پر اللہ عزوجل ان کو قدرت دے لیکن یہ بات نہ پہلے ہوئی اور نہ آئندہ، لہذا اللہ عزوجل نے ان کے لیے اس کو محال کر کے ان کو اس سے عاجز کر دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اس کی قائل ہے۔

بہر حال دونوں طریقوں سے اہل عرب کا عاجز ہونا ثابت ہو چکا اور ان پر حجت قائم ہو چکی ہے کہ جو مقدور بھر میں صحیح ہے اور ان سے معارضہ کرنا کہ اس جیسا لاؤ، قطعی ہے اور ان کو عاجز کرنے کا عمدہ طریقہ ہے اور ان کو تنبیہ کرنے کا بہترین اسلوب اور اس طرح پر حجت قائم کرنا کہ ان جیسا کوئی انسان ایسی شے لائے کہ انسان کی قدرت میں نہ ہو، لازمی ہے، یہ کھلا ہوا نشان اور دلیل قاطع ہے۔

بہر حال انھوں نے اس بارے میں کوئی کلام نہیں کیا بلکہ جلاوطنی اور قتل پر صبر کیا اور ذلت و حقارت کے پیالوں سے انھوں نے گھونٹ بھرا (یعنی جزیہ وغیرہ دینا) گوارہ کیا حالانکہ وہ لوگ ایسی اونچی ناک والے مغرور تھے کہ باختیار خود اس کو نہ گوارہ کر سکتے تھے اور لاچاری کے سوا نہ اس سے وہ راضی ہو سکتے تھے ورنہ اگر اس پر معارضہ (جھگڑا مناقشہ) کرنا ان کی قدرت میں ہوتا تو اس (ذلت و حقارت اور جلاوطنی وغیرہ) پر معارضہ کرنے میں مشغول ہونا ان کو آسان تھا اور کامیابی کے ساتھ قطع عذر اور اپنے مخالف کو خاموش کرانے میں ان کو بہت جی ہوتی۔

حالانکہ وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو کلام پر قدرت تھی اور وہ کلام کی معرفت میں سب کے پیشوا تھے اور ان میں سے ہر ایک اس بات کا کوشاں تھا کہ وہ قرآن کے ظہور کو خفا میں اور اس کے نور کو بجھانے میں اپنا سارا سرمایہ خرچ کر دے لیکن اس بارے میں انھوں نے اپنے منہ کی بیٹیوں (الفاظ) سے سینہ کا چھپا راز ظاہر نہ کیا اور اپنے میٹھے چشموں سے باوجود مدت دراز، کثرت تعداد، باپ بیٹوں کی باہمی

کوشش سے تھوڑا سا قطرہ بھی نہ لائے، بلکہ وہ سب ناامید ہو گئے، پس وہ مایوس کیے گئے اور انھیں روک دیا گیا، تو اس سے رک گئے، یہ قرآن کے اعجاز کی دو قسمیں ہیں۔

پانچویں فصل

اعجاز قرآن کی تیسری وجہ

یہ ہے کہ وہ ان غیبی خبروں پر مشتمل ہے جو ابھی نہ ہوئے اور نہ ان کا وقوع ہوا اور جتنے ہو چکے ہیں وہ ویسے ہی ہوئے جیسے قرآن نے خبر دی تھی۔ مثلاً اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴾

بیشک تم ضرور مسجد حرام میں داخل ہو گے اگر اللہ چاہے۔ (الفتح:۲۷)

اور فرماتا ہے:

﴿وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ﴾

اور اپنی مغلوبی کے بعد عنقریب غالب ہوں گے۔ (الروم:۳)

اور فرماتا ہے:

﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾

کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے۔ (الفتح:۲۸)

اور فرماتا ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي

الْاَرْضِ ﴾

اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ ضرور انھیں زمین میں خلافت دے گا۔ (النور: ۵۵)

اور فرماتا ہے:

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ (۱) وَ رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا (۲) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ اسْتَغْفِرْهُؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (۳)

جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں فوج فوج داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثنا کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔ (النصر: ۱-۳)

یہ تمام کی تمام غیبی خبریں ہیں، جیسا کہ فرمایا ہے کہ چند سالوں میں روم، فارس پر غلبہ حاصل کرے گا اور فوج در فوج لوگ اسلام میں داخل ہوں گے، جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پردہ فرمایا تو اسلام اس وقت تک تمام بلاد عرب میں داخل نہیں ہوا تھا، مسلمانوں کی خلافت میں اسلام پہنچا اور ان کے زمانہ میں ان کے دین پر غلبہ حاصل ہوا اور مشرق و مغرب کے کناروں تک ان کی خلافت ہوئی، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے لیے زمین سکٹیر دی گئی، میں اس کے مشرق و مغرب کو دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب میری امت کو وہ جگہ ملے گی جتنی میرے پیش نظر ہے۔ (صحیح مسلم کتاب الفتن ج۴ ص ۲۳۱۵)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾

بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (الحجر: ۹)

پس یہ قرآن ایسا ہے کہ کوئی اس کے قریب تک نہیں جاسکتا کہ اس میں کسی قسم کا تغیر کر سکے اور کوئی ملحد و گمراہ اس کے محکمات کو بدل سکے، خصوصاً قرامطہ (ملاحدہ و معطلہ وغیرہ) کہ ان کے تمام مکر، دھوکے کی رسیاں اور ان کی طاقتیں آج تک یعنی پانچ سو سال تک (جو کتاب الشفاء کی تصنیف کا وقت ہے) رائیگاں گئیں اور اس کے نور کو تھوڑا سا بھی بجھانے پر قادر نہ ہوئے اور نہ اس کے کلام میں ادنی سا تغیر کر سکے اور نہ اس کے حروف میں سے ایک حرف سے بھی مسلمانوں کو شک و شبہ میں ڈال سکے، والحمداللہ،

اور انھیں غیبی خبروں میں سے یہ ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾

اب بھگائی جاتی ہے یہ جماعت اور پیٹھیں پھیر دیں گے۔(لاقمر:۴۵)

اور فرماتا ہے:

﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ﴾

تو ان سے لڑو اللہ انھیں عذاب دے گا تمھارے ہاتھوں۔(التوبہ:۱۴)

اور فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ﴾

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔(الفتح:۲۸)

اور فرماتا ہے:

﴿لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ﴾

وہ تمھارا کچھ نہ بگاڑیں گے مگر یہی ستانا اور اگر تم سے لڑیں۔(آل عمران:۱۱۱)

یہ سب کچھ واقعات اسی طرح ہوئے۔

اور انھیں امور غیبیہ میں سے یہ بھی ہے کہ منافقوں کے بھید اور یہودیوں کی باتیں اور ان کی جھوٹی قسموں کا اظہار اور ان کو جھڑکنا وغیرہ، جیسا کہ فرماتا ہے:

﴿وَ يَقُوْلُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ﴾ (المجادلہ:۸)

اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں ہمیں اللہ عذاب کیوں نہیں کرتا ہمارے اس کہنے پر۔

اور اس کا فرمان کہ:

﴿يُخْفُوْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ﴾

اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے ہیں۔ (آل عمران:۱۵۴)

اور فرماتا ہے:

﴿وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾

اور کچھ یہودی جھوٹ خوب سنتے ہیں۔ (المائدہ:۴۱)

اور فرماتا ہے:

﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ﴾

اللہ کی باتوں کو ان کے ٹھکانوں سے بدلتے ہیں۔ (المائدہ:۴۱)

اور اللہ عزوجل نے اس بات کو جو مقدر کیا تھا اور مسلمانوں کا اعتقاد تھا، یوم بدر ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ﴾ (الانفال:۷)

اور یاد کرو جب اللہ نے تمھیں وعدہ دیا تھا کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمھارے لیے ہے اور تم یہ چاہتے تھے کہ تمھیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہیں۔ (کوئی نقصان نہ ہو)۔

اور اسی امور غیبیہ کے اظہار میں سے اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے کہ:

﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾

بیشک ان ہنسنے والوں پر ہم تمھیں کفایت کرتے ہیں (ان کو ہلاک کردیں گے)۔(الحجر:۹۵)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو بشارت دی کہ اللہ عزوجل نے ان سے محفوظ کردیا (طبرانی اوسط، دلائل النبوۃ بیہقی، دلائل النبوۃ، ابونعیم ابن مردویہ بسند حسن ضیاء في المختار، عن ابن عباس ج۵ ص ۱۰۱، کمافی مناہل الصفا للسیوطی ص ۱۱۵) اور ہنسنے والے مکہ میں چند لوگ تھے کہ لوگوں کو آپ ﷺ سے نفرت دلاتے تھے اور آپ کو ایذائیں دیتے تھے، پس ہلاک کردیے گئے اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾

اور اللہ تمھاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔(المائدہ:۶۷)

پس یہ ایسا ہی ہوا، باوجودیکہ آپ ﷺ کو بہت سے لوگوں نے ضرر پہنچانے اور آپ ﷺ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس بارے میں معروف احادیث صحیحہ مروی ہیں۔

چھٹی فصل

قرآن کی چوتھی وجہ

قرآن کے معجزہ ہونے کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ اس میں قرن ماضیہ، امم سابقہ، شرائع نافذہ قدیمہ سے ان باتوں کی غیبی خبریں دی ہیں جن کو سوائے اہل کتاب کے ایک عالم کے جس نے اپنی عمر کو اس کے سیکھنے پر صرف کر دی تھی کوئی نہیں جانتا تھا اور نبی کریم ﷺ اس کو بالکل واقعہ کے مطابق ایسا بیان فرما دیتے تھے کہ وہ عالم آپ ﷺ کی تصدیق کرتا اور اس کو صحیح مانتا تھا، حالانکہ وہ اتنا نہیں جانتا تھا جتنا آپ ﷺ بیان فرما دیتے تھے۔

لوگ یہ خوب جانتے تھے کہ آپ ﷺ امی ہیں، آپ ﷺ نے کہیں لکھنا پڑھنا بظاہر سیکھا نہ تھا اور نہ کسی مدرسہ میں بیٹھے اور نہ کسی اہل علم کی مجلس میں رہے اور نہ ان سے کسی وقت اوجھل رہے اور نہ ان میں سے کوئی آپ ﷺ کے حال سے ناواقف تھا اور اکثر اہل کتاب ہی آپ ﷺ سے پہلوں کے متعلق سوالات کرتے رہتے تھے، اس پر آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوتا اور آپ ﷺ اس کو پڑھ کر سناتے۔

جیسے وہ قصے جو انبیا علیہم السلام اور ان کی قوم کے بارے میں ہیں، مثلاً حضرت موسی اور حضرت خضر علیہما السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی، اصحاب کہف، حضرت ذوالقرنین، حضرت لقمان اور ان کے بیٹے اور اس کے مثل دیگر اخبار قبلیہ ہیں۔

بدء خلق کی خبریں اور جو کچھ تورات وانجیل اور زبور اور حضرت ابراہیم وموسی علیہما السلام کے صحیفوں

میں ہے، ذکر فرماتے، جن کی علما تصدیق کرتے تھے اور جو کچھ قرآن میں مذکور ہے اس کو جھٹلانے کی ان میں قدرت نہ تھی، بلکہ وہ انھیں یقینی جانتے تھے، ان میں سے کچھ تو ایسے ہوئے کہ انھیں سابقہ علم کی بنا پر ایمان کی توفیق ہوگئی اور کچھ بدبخت دشمن اور حاسد بن گئے، باوجود اس کے ہر ایک یہودی و نصرانی آپ ﷺ کی عداوت میں سخت اور آپ ﷺ کی تکذیب میں حریص تھے اور آپ ﷺ ان پر ان کی ہی کتابوں کے اقوال و احکام سے حجت کرکے ان کی سرزنش فرماتے اور جو ان کی کتابوں میں ہیں، اس کو بیان فرماتے۔

وہ لوگ حضور ﷺ سے کثرت سے سوالات کرکے انبیا علیہم السلام کی غیبی خبروں اور ان کے علوم کے بھیدوں اور ان کی سیرت پاک کی خصلتوں اور امانتوں کے بارے میں آپ ﷺ کو رنج میں ڈالتے تھے، آپ ﷺ ان کو ان کی شریعتوں کے چھپے ہوئے احکام اور ان کی کتابوں کے مضامین سے آگاہ فرماتے، مثلاً ان کا سوال روح (صحیح بخاری کتاب الاعتصام ج ۱ ص ۸۲، مسلم ج ۴ ص ۲۱۵۲، سنن ترمذی ج ص ۳۶۶) حضرت ذوالقرنین، اصحاب کہف، حضرت عیسی علیہ السلام، حکم رجم اور وہ چیزیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام فرمائیں اور وہ جانور جو بنی اسرائیل پر حرام کر گئے اور وہ پاک چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں مگر بغاوت و سرکشی کی وجہ سے ان پر حرام کر دی گئیں، ان سب کے بارے میں پوچھتے رہتے تھے اور اللہ عزوجل کا فرمان:

﴿ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۖ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ﴾

یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں۔ (الفتح: ۲۹)

اور ان کی وہ باتیں جو قرآن میں نازل ہوئیں (سوال کرتے رہتے) آپ ﷺ نے ان کا جواب دیا اور ان کو وہ باتیں بتادیں جو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ پر وحی فرمائی، اس بارے میں کسی ایک نے

بھی اس کا نہ انکار کیا اور نہ اس کو جھٹلایا، بلکہ ان کے اکثر لوگوں نے آپ ﷺ کی نبوت کی صحت کی تصریح کی اور آپ ﷺ کے ارشادات کو سچ مانا اور آپ ﷺ کے ساتھ دشمنی وحسد کا اعتراف کیا جیسے نجران والے، ابن صوریا اور اخطب کے دونوں بیٹوں اور ان کے سوا دوسرے میں اور جس نے اس میں بہتان طرازی کی اور یہ دعوی کیا کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ اس کے برخلاف ہے، جو آپ ﷺ بیان کرتے ہیں تو اس کو اپنی دلیل کے ثابت کرنے کی طرف بلایا اور اپنے دعوی کی وضاحت کو کہا گیا، چنانچہ حضور ﷺ سے فرمایا گیا: اے محبوب آپ ان سے فرمادیں کہ توریت لاؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو، (ظالموں تک) پھر ان کی سرزنش وتوبیخ فرمائی اور ممکن غیر ممتنع چیز کے لانے کی طرف بلایا، ان میں سے کچھ تو اپنے دانستہ انکار کے معترف ہوئے اور کچھ بے شرم ہو کر اپنی رسوائی کی وجہ سے اپنی کتاب پر ہاتھ رکھنے لگے اور یہ کسی سے بھی منقول نہیں کہ حضور ﷺ کے ارشادات کے خلاف کسی نے اپنی کتاب سے ظاہر کر کے دکھلایا ہو اور نہ صحیح کو ظاہر کیا اور نہ اپنی کتابوں سے ضعیف کو بتایا۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿يَاأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ﴾

اے کتاب والو! بیشک تمھارے پاس ہمارے یہ رسول لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب میں چھپا ڈالی تھیں۔ (المائدہ:۱۵)

ساتویں فصل

اعجاز قرآن بسبب تعجیز قوم

قرآن کریم کے معجزے کی یہ چار قسمیں ظاہر ہیں، ان میں نہ کسی کا نزاع ہے اور نہ شک، معجزے کی ان وجوہات مبینہ کے سواوہ آیتیں بھی ہیں جو کسی قوم کی تعجیز کے لیے ان کے کسی معاملہ میں وارد ہیں اور ان کو اس کی خبر دے دی گئی کہ وہ ہرگز نہ کر سکیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس کے کرنے پر قادر نہ ہوئے۔ جیسے اللہ عزوجل نے یہودیوں کے لیے فرمایا:

﴿قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً﴾

تم فرماؤ اگر پچھلا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمھارے لیے ہو۔ (البقرہ:۹۴)

ابواسحٰق زجاج رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ یہ آیت ان پر بڑی حجت ہے اور رسالت کی صحت پر روشن دلیل ہے، فرمایا: ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ﴾ تو بھلا موت کی آرزو تو کرو۔ (البقر:۹۳)، اس نے ان کو خبردار کر دیا کہ وہ ہرگز کبھی بھی موت کی آرزو نہ کریں گے، تو ان میں سے کسی نے بھی موت کی تمنا نہ کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ قسم اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، ان میں سے کوئی بھی اگر اس کی تمنا کرے تو اس کے گلے میں تھوک اٹکے گا یعنی اس وقت مرجائے گا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی ج ۱ ص ۲۷۴، مسند امام احمد ج ۱ ص ۲۴۸)

پس اللہ عزوجل نے موت کی تمنا سے باز رکھا اور ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا تا کہ اپنے رسول

ﷺ کی سچائی اور آپ ﷺ پر جو وحی آتی ہے اس کی صحت ظاہر ہو جائے، اس لیے ان میں سے کسی نے اس کی تمنا نہ کی، باوجودیکہ وہ آپ ﷺ کے جھٹلانے میں بہت حریص تھے اگر وہ اس کی قدرت رکھتے لیکن اللہ عزوجل وہی کرتا ہے جس کا ارادہ فرمائے، پس اس کے ساتھ اس کا معجزہ ظاہر ہوا اور اس کی حجت واضح ہوگئی۔

ابو محمد اصیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کا معنی یہودیوں کا عجیب معاملہ یہ ہے کہ جس دن اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کو اس کا حکم دیا تو ان میں سے کوئی گروہ یا کوئی شخص بھی ایسا نہ پایا جو آپ ﷺ کے سامنے آتا اور جواب دیتا اور جو شخص آج بھی اس کے امتحان کرنے کا ارادہ رکھے تو یہ حکم آج بھی سامنے موجود ہے، اسی طرح اس معنی میں آیت مباہلہ (صحیح بخاری کتاب ج ۸ ص ۹۳، صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ ج ۳ ص ۱۸۸۲) ہے جبکہ آپ ﷺ کے پاس نجران کے پادری آئے اور انھوں نے اسلام کا انکار کیا تو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ پر آیت مباہلہ نازل فرمائی اور فرمایا: فَمَنْ حَآجَّكَ: پس جو آپ سے حجت کرے۔ (آل عمران: ۶۱) تو وہ اس سے باز رہے اور جزیہ دینے کی ذلت پر راضی ہو گئے، اس کا واقعہ یوں ہوا کہ عاقب جوان پادریوں کا سردار تھا، اس نے ان سے کہا، تم یقیناً جانتے ہو کہ بیشک یہ نبی (علیہ السلام) ہیں اور یہ کہ جب بھی کسی نبی علیہ السلام نے کسی قوم سے مباہلہ کیا تو ان کا نہ بڑا رہا اور نہ چھوٹا اور اسی طرح اللہ عزوجل کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲۳) فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا ﴾

اور اگر تمھیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے (اس خاص) بندے پر اتارا تو اس جیسی ایک

سورۃ تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلالو اگر تم سچے ہو پھر اگر نہ لاسکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے۔ (البقرہ:۲۴،۲۳)

اس میں ان کو خبر دے دی کہ وہ نہ کر کیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، یہ آیت اگرچہ "اخبار عن الغیب" کے باب سے بھی ہے لیکن اس میں بھی عاجز کرنا پایا جاتا ہے، جیسا کہ پہلے موجود ہے۔

آٹھویں فصل

اعجاز قرآن بسبب رعب و دبدبہ

قرآن کریم کے وجوہات اعجاز میں وہ رعب وقوت ہے جو اس کے سننے سے دلوں کو اور اس کے سنانے سے کانوں کو لاحق ہوتا ہے اور وہ ہیبت ہے جو اس کی تلاوت کے وقت اس کے جاہ و جلال سے دلوں کو پیش آتی ہے، یہ حالت اس کے جھٹلانے والوں پر بہت بڑی تھی یہاں تک کہ وہ اس کے سننے کو بھاری سمجھتے اور (یہ چیز) اس کی نفرت کو زیادہ کرتی تھی، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا اور "ان کا اس کے پڑھنے کو ناپسند کرتے ہو"۔ یہ ان کی طبعی گرانی کی وجہ سے تھا اسی وجہ سے حضور نے فرمایا: اس شخص پر قرآن سخت اور مشکل ہے (مسند الفردوس کمافی مناہل الصفا للسیوطی ص ۱۷۹) جو اس سے بیزاری کرے، کیونکہ وہ حاکم ہے، (یعنی حق و باطل میں تمیز کر دیتا ہے) لیکن مسلمان تو ہمیشہ اس کی تلاوت کرتے رہنے کی وجہ سے اس کے ہیبت و خوف کی تصدیق کرتے رہتے ہیں اور اس کو ہنسی خوشی اور میلان طبع کے ساتھ تلاوت کرتے رہتے ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ

اِلٰی ذِکۡرِ اللّٰہِ ؕ

اس سے بال کھڑے ہوتے ہیں ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر ان کی کھالیں اور دل نرم پڑتے ہیں یاد خدا کی طرف رغبت میں۔(الزمر:۲۳)

اور فرمایا:

﴿لَوۡ اَنۡزَلۡنَا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیۡتَہٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا﴾

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارتے تو ضرور تو اسے دیکھتا جھکا ہوا پاش پاش ہوتا۔(الحشر:۲۱)

اور یہ دلیل اس امر پر کہ یہ قوت قرآن کریم کے ساتھ خاص ہے وہ یہ کہ جو شخص نہ اس کے معانی جانتا ہے اور نہ اس کی تفسیر، اس کو بھی رقت طاری ہوجاتی ہے۔

جیسا کہ ایک نصرانی سے مروی ہے کہ وہ ایک قاری کے پاس سے گزرا اور وہ ٹھہر گیا، وہ روتا تھا، اس سے پوچھا گیا: کس نے تجھ کو رولایا، اس نے کہا کہ اس کی خوشی اور اس کے نظم نے اور یہی وہ قوت ہے جس کا ایک جماعت نے قبل اسلام اور بعد اسلام اعتراف کیا ہے، پس ان میں سے کچھ تو ابتدا ہی میں اسلام لاکر اس پر ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے کفر کیا۔

صحیح روایت میں جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے مغرب کی نماز میں سورۂ طور کو سنا، جب آپ ﷺ اس آیت پر پہنچے

﴿اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۳۶﴾ اَمۡ عِنۡدَھُمۡ خَزَآئِنُ رَبِّکَ اَمۡ ھُمُ الۡمُصَیۡطِرُوۡنَ ﴿۳۷﴾﴾

کیا وہ کسی اصل سے نہ بنائے گئے یا وہی بنانے والے ہیں یا آسمان اور زمین انھوں نے پیدا کیے بلکہ انھیں یقین نہیں یا ان کے پاس تمھارے رب کے خزانے ہیں یا وہ کڑوڑے (حاکم

اعلیٰ) ہیں۔ (الطور ۳۵ تا ۳۷)

تو قریب تھا کہ میرا دل اسلام کی طرف اڑ جائے اور ایک روایت میں ہے کہ یہ پہلی بات تھی کہ اسلام کی عزت میرے دل میں بیٹھی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۱۶، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۲۷۲)

عتبہ بن ربیعہ سے مروی ہے کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے جو آپ ﷺ لائے ہیں، اپنی قوم کے اختلاف کے بارے میں بات کی، تو آپ ﷺ نے ان پر یہ تلاوت فرمایا:

حٰمٓ (۱) تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (۲) كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ (۳) (اِلٰى قَوْلِهٖ) صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ (حم السجدہ: ۳-۱ تا ۱۳)

تو عقبہ نے حضور نبی کریم ﷺ کے منھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اپنے قرابت داری کی قسم دلاتے ہوئے کہا کہ اب بس کیجیے۔ (تفسیر بغوی ج ۵ ص ۱۱۰ تفسیر در منثور ج ۷ ص ۳۰۸)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ پڑھ رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں ہاتھ پیٹھ کے پیچھے باندھے سن رہا تھا یہاں تک کہ آپ ﷺ آیت سجدہ تک پہنچے اور آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور عتبہ کھڑا ہوا اور نہیں جانتا تھا کہ کدھر لوٹے یا اس کا جواب دے، وہ اپنے گھر میں گیا اور اپنی قوم کی طرف نہیں گیا، یہاں تک کہ وہ لوگ آئے، اس نے ان سے معذرت چاہی اور کہا کہ خدا کی قسم! انھوں نے مجھ سے ایسا کلام کیا، واللہ میرے کانوں نے کبھی ایسا نہ سنا اور میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کیا جواب دوں، اس کے سوا بہت سے ایسے لوگوں نے بیان کیا جو آپ ﷺ کی مخالفت و معارضت کرتے رہتے تھے کہ ان کو خوف و ہیبت طاری ہو جاتی جس سے وہ رک جاتے تھے۔

مروی ہے کہ ابن مقفع نے آپ ﷺ سے معارضہ کرنا چاہا، وہ چلا اور قصہ بیان کرتا رہا، وہ ایک بچے پر گزرا کہ وہ تلاوت قرآن کر رہا تھا: ﴿وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ﴾ اور حکم فرمایا گیا کہ: اے

زمین اپنا پانی نگل لے۔ (ھود:۴۴)

وہ لوٹ آیا اور جو اس نے کیا تھا اس کو مٹا دیا اور کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ ان کا معارضہ نہیں ہو سکتا، وہ انسان کا کلام ہی نہیں ہے، حالانکہ وہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فصیح تھا۔

یحیی ابن حکم غزال اپنے زمانہ میں اندلس کا سب سے زیادہ بلیغ شخص تھا، تو مروی ہے کہ اس نے اس میں کچھ معارضہ کیا، جب اس نے سورۂ اخلاص پر غور کیا کہ اس پر اس کا مثل لائے اور اپنے گمان میں اس طرز پر لکھے تو اس نے کہا کہ مجھے ایسی ہیبت و رقت طاری ہو گئی کہ اس نے مجھے تو یہ اور رجوع کی طرف پھیر دیا۔

نویں فصل

قرآن ہمیشہ رہے گا

قرآن کے بیان کیے ہوئے وجوہات اعجاز میں سے ایک یہ معجزہ ہے کہ اس کی آیتیں باقی رہنے والی میں کبھی معدوم نہ ہوں گی، جب تک دنیا باقی ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

فرمایا:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾

بیشک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (الحجر:۹)

اور فرمایا:

﴿لَّا یَاۡتِیۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡهِ وَ لَا مِنۡ خَلۡفِهٖ ؕ﴾

باطل کو اس کی طرف راہ نہیں نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے۔ (حم السجدہ:۴۲)

انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزات اپنی مدتوں کے گزرنے کے بعد ختم ہو گئے، اب سوائے ان کی خبروں کے کوئی باقی نہیں لیکن قرآن کی آیتیں روشن اور اس کے معجزات ظاہر ہیں، آج تک کہ اس کے اوپر پانچ سو پینتیس سال گزر چکے ہیں۔ (جو کتاب الشفاء کی تصنیف کا وقت ہے)

اس کے ابتداء نزول سے لے کر ہمارے وقت تک برابر یہ حجت قاہرہ ہے، اس کا معارضہ محال ہے اور ہر زمانہ میں اہل بیان، حاملان علم لسان (زبان)، ائمہ بلاغت، شہسواران کلام، اساتذہ کاملین موجود رہے ہیں، (بفضلہ تعالیٰ ۱۳۷۹ھ تک سب کے سب اس کے معارضہ سے دشمن اسلام عاجز رہے ہیں)

باوجودیکہ ملحدین (ہر زمانہ میں) بکثرت تھے اور دشمنان دین و شریعت ہر وقت تیار رہے مگر ان میں سے ایک بھی جو اس کے معارضہ پر اثر انداز ہو نہ لا سکا اور نہ اس کے جواب میں کوئی اور کلمہ مرتب کر سکا اور نہ صحیح وہ طعن کر سکے اور نہ کسی نے بتکلف اپنے ذہن سے ایسی جرح کی مگر یہ کہ وہ چقماق کے ساتھ بخیل رہا، ہر دور میں یہ بات منقول رہی کہ جس نے بھی اس کے معارضہ کا ارادہ کیا اس نے اپنے ہاتھوں کو عجز میں ڈالا اور ایڑیوں کے بل الٹا واپس ہونا پڑا۔

دسویں فصل

اعجاز قرآن کی مختلف وجوہات

ائمہ ومقلدین امت رحمہم اللہ کی ایک جماعت نے قرآن کریم کی وجوہ اعجاز میں بہت سی باتیں بیان کی ہیں، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس کا پڑھنے اور سننے والا کبھی سیر نہیں ہوتا اور نہ ہی اکتاتا ہے بلکہ اس کی تلاوت کی زیادتی میں مزید شیرینی اور لذت پاتا ہے اور اس کو بار بار پڑھنے سے اس کی محبت جڑ پکڑتی جاتی ہے، وہ ہمیشہ تروتازہ رہتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور کلام اگرچہ وہ کتنی ہی خوبی والا انتہائی بلیغ ہو اس کو بار بار پڑھنے سے دل اکتا جاتا ہے اور جب اس کا اعادہ کیا جائے تو طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔

اور ہماری کتاب قرآن کریم کو اس سے تنہائیوں میں لذت حاصل کی جاتی ہے اور خاص حالتوں میں اس کی تلاوت سے طبیعت کو انس وراحت ہوتی ہے اور اس کے سوا دوسری کتابوں میں یہ بات نہیں پائی جاتی، حتی کہ ان کتابوں کے موجدین یا ماننے والوں نے اس کے لیے راگ اور طریقے نکالے ہیں اور اس کے پڑھتے وقت ان راگوں کے ذریعے خوشی کرتے ہیں، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ وہ بار بار پڑھنے میں زیادتی کے باوجود متغیّر اور پرانا نہ ہوگا اور نہ اس کی عبرتیں ختم ہوں گی اور نہ اس کے عجائبات فنا ہوں گے، وہ قول فیصل ہے کھیل کود نہیں ہے۔

کبھی علما اس سے سیر نہ ہوں گے اور طبیعتیں اس سے بھر میں گی اور نہ زبانیں اس سے مشتبہ ہوں گی۔ (ہر کلام میں خدا کا کلام ممتاز رہتا ہے)

(سنن ترمذی کتاب فضائل قرآن ج ۴ ص ۲۴۴، داری کتاب فضائل قرآن ج ۲ ص ۴۳۱)

یہ وہ کلام ہے کہ جب جنات نے اس کو سنا تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہم نے عجیب قرآن سنا کہ جو بھلائی کی ہدایت فرماتا ہے۔

ان (وجوہ اعجاز) میں سے ایک یہ ہے قرآن کریم تمام علوم و معارف کا مجموعہ ہے عام طور پر جس سے اہل عرب ناواقف تھے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی خصوصیت کے ساتھ قبل نبوت اس کی معرفت سے ناآشنا تھے اور نہ ان کے ساتھ ان کی مداومت تھی اور نہ ان کا کوئی گزشتہ امتوں کے علما احاطہ کر سکے اور نہ ان کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ان پر مشتمل تھی، قرآن میں شریعتوں کے علوم جمع کیے گئے اور دلائل عقلیہ کے طریقہ پر اس میں تنبیہ کی گئی، گزشتہ امتوں کے فرقوں کے براہین قومیہ ادلہ بینہ کے ساتھ آسان لفظوں میں مختصر مفہوموں سے روکا گیا، ہوشیار وزیرک لوگوں نے اس کی مثل دلائل لانے میں معارضہ کرنا چاہا وہ اس پر قادر نہ ہو سکے، جیسے اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

﴿اَوَ لَیۡسَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ﴾

کیا وہ ذات جس نے آسمان اور زمین بنائے ان جیسے اور نہیں بنا سکتا کیوں نہیں۔ (یس:۸۱)

﴿قُلۡ یُحۡیِیۡهَا الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ﴾

تم فرماؤ انھیں وہ زندہ کرے گا جس نے پہلی بار انھیں بنایا۔ (یس:۷۹)

اور فرمایا:

﴿لَوۡ کَانَ فِیۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ﴾

اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہو جاتے۔ (الانبیا:۲۲)

یہاں تک کہ قرآن نے ان کو گھیر لیا ہے، خواہ وہ سیرت کے علوم ہوں یا گزشتہ امتوں کی غیبی خبریں نصیحتیں، حکمتیں، قیامت کی خبریں، محاسن، آداب و خصلت وغیرہ۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾

ہم نے اس کتاب میں کچھ اٹھا نہ رکھا۔ (الانعام:۳۸)

اور فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾

اور ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (النحل:۸۹)

نیز فرمایا:

﴿وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾

اور بیشک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی کہاوت بیان فرمائی۔ (الزمر:۲۷)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ بیشک اللہ عزوجل نے قرآن کو حکم دینے والا تنبیہ کرنے والا، سیدھے راستہ کی ہدایت کرنے والا اور مثالوں کے ذریعہ تم سے پہلی گزشتہ امتوں کی خبروں اور غیبی باتوں کا بتانے والا اور تمھارے بعد والوں کے غیبی حالات، خبریں اور جو تمھارے سامنے ہے، ان کا حکم بیان کرنے والا کلام نازل فرمایا۔

جس کو بار بار پڑھنے کے باوجود وہ پرانا نہ ہو اور نہ اس کے عجائبات ختم ہوں، وہ حق ہے کھیل کود نہیں ہے جس نے اس کے ساتھ کہا سچ کہا اور جس نے اس کے موافق حکم دیا انصاف کیا اور جس نے اس کے ساتھ حجت کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے اس کے ساتھ تقسیم کی اس نے عدل کیا جو اس پر عمل کرے گا ثواب پائے گا اور جو اس کو مضبوط تھامے گا وہ صراط مستقیم کی ہدایت پائے گا۔

اور جس نے اس کے سوا کوئی راستہ ڈھونڈا اس کو اللہ عزوجل نے گمراہ کر دیا اور جس نے اس کے بغیر حکم دیا

اللہ عزوجل اس کو ہلاک کرے گا، وہ حکمت والا ذکر، نور مبین ہے، صراط مستقیم ہے، اللہ عزوجل کی مضبوط رسی ہے، نفع بخش شفا ہے، حفاظت اس کو جو اس کے ساتھ تمسک کرے، نجات ہے اس کو جو اس کا اتباع کرے وہ ٹیڑھا نہ ہو گا کہ اس کو سیدھا کیا جائے، وہ کجرو نہیں ہے کہ عقاب کا مستحق ہے، اس کے عجائبات ختم نہ ہوں گے اور کثرت تلاوت اس کو تغیر و پرانا نہ کرے گی۔

(سنن ترمذی کتاب فضائل قرآن ج۴ ص ۲۴۴، داری کتاب فضائل قرآن ج۲ ص ۴۳۱)

اسی کے مثل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (متدرک ج۲ ص۲۸۹) سے مروی ہے، اس بارے میں انھوں نے کہا کہ نہ اس میں اختلاف ہے نہ جدت طرازی، اس میں اولین و آخرین کی غیبی خبریں ہیں۔

ایک حدیث میں ہے حضور ﷺ سے اللہ عزوجل نے فرمایا: میں تم پر توریت کی باتیں اتاروں گا جس کے ذریعہ اندھی آنکھیں، بہرے کان اور دلوں کے پردے کھل جائیں گے، اس میں علوم کے دریا بہتے ہوں گے جو حکمتوں کا فہم اور دلوں کی بہار ہو گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ کمافی مناہل الصفا ص ۱۱۸)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تم قرآن کو لازم پکڑو کہ یہ عقلوں کی سمجھ اور حکمت کا نور ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾ (النمل:۷۶)

بیشک یہ قرآن ذکر فرماتا بنی اسرائیل سے اکثر وہ باتیں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

اور فرمایا: ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى﴾

یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا ہے۔ (آل عمران:۱۳۸)

قرآن کریم میں باوجود مختصر الفاظ اور جوامع کلمات ہونے کے ان کتابوں کی بنسبت جو اس سے پہلی ہیں، اور ان میں دگنے الفاظ ہیں، دگنے جو گنے معانی جمع ہیں۔

ان میں سے ایک معجزہ قرآن میں دلیل و مدلول کے مابین جمع کرنے میں ہے یہ اس طرح پر کہ جس نے نظم قرآن کے ساتھ اس کے وصف اور اس کے اختصار و بلاغت کی عمدگی سے بحث پڑی اس بلاغت کے درمیان سے اس کا امر اس کی نہی اور وعدہ، وعید بھی موجود پائے گا، پس تلاوت کرنے والا حجت و تکلیف کے ساتھ ہی ایک ہی کلام یا ایک ہی سورت سے اس کو سمجھ لے گا۔

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ قرآن کریم کو ایسے نظم و ترتیب میں رکھا ہے کہ رائج تھی، اس کو نثر کا مقام بھی نہیں دے سکتے کیونکہ نظم طبیعتوں میں زیادہ آسان ہوتا ہے اور دل اس کو جی یاد کر لیتا ہے اور کان اس سے زیادہ آشنا ہوتے ہیں اور طبیعتوں کو زیادہ مرغوب ہوتا ہے، پس لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں اور خواہشیں اس کی طرف زیادہ جاتی ہیں، ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کا حفظ کرنا متعلم کے لیے آسان کر دیا اور حفظ کرنے والوں کو اس کا یاد رکھنا سہل کر دیا۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ﴾

اور بے شک ہم نے آسان کیا قرآن یاد کرنے کے لیے۔ (القمر:۲۲)

اور گزشتہ امتوں میں سے کوئی بھی اپنی کتابوں کو یاد نہیں کرتا تھا تو اب سالہا سال گزر جانے کے بعد کیسے یاد کریں گے اور قرآن کریم تو تھوڑی مدت میں بچوں کے لیے یاد کرنا آسان کر دیا ہے۔

ان میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ اس کا ایک جز دوسرے جز کے مشابہ ہے، تالیف کے انواع اور ترکیب جمل کے اقسام میں اس کی عمدگی اور ایک قصہ سے دوسرے قصہ کی طرف اور ایک باب سے

دوسرے باب کی طرف باوجود اختلاف معانی کے خوبی سے انتقال کرنا اور ایک ہی سورہ میں امر، نہی، خبر، استفہام، وعدہ و وعید، اثبات نبوت و توحید، تفرید و ترغیب و ترہیب وغیرہ فوائد اس کے فصلوں میں بغیر کسی خلل کے واقع ہونے کے موجود ہونا۔

حالانکہ کلام صحیح میں جب اس قسم کی باتیں آجائیں تو اس کی قوت میں کمزوری آجاتی ہے اور اس کی مضبوطی نرم ہو جاتی ہے اور اس کی رونق کم ہو جاتی ہے اور اس کے الفاظ مضطرب ہو جاتے ہیں (مگر قرآن کریم میں اصلاً فرق نہیں آتا) اب تم سورۂ "ص" کے ابتدائی حصہ پر غور کرو کہ اس میں کس طرح کفار کی خبریں، ان کی شقاوتیں اور ان سے پہلے گزشتہ زمانوں میں لوگوں کی ہلاکت بیان کرنے کے ساتھ ان کی سرزنشیں بیان کی ہیں اور کس طرح حضور ﷺ کی تکذیب کرنے والوں کے ذکر کے ساتھ ان کے تعجب کا جواب ذکر کیا ہے اور ان کی جماعت کا کفر پر جمع ہونا اور ان کی باتوں سے حد کا ظاہر ہوتا، ان کو عاجز کرنا، ان کو ذلیل کرنا اور ان کو دنیا و آخرت کی رسوائی سے ڈرانا، ان سے پہلی امتوں کا جھٹلانا، اللہ عزوجل کا ان کو ہلاک کرنا، ان سب کی وعید ان کی مصیبتوں کی طرح، ان کی اذیتوں پر حضور ﷺ کا صبر فرمانا، آپ ﷺ کو گزشتہ نبیوں کے ذکر سے تسلی دینا، پھر حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرے کے ساتھ دوسرے نبیوں کے قصوں کا ذکر کرنا می سب باتیں مختصر کلام میں اور عمدہ ترتیب سے لانا (یہ قرآن کا خاص معجزہ ہے)۔

اور ان (وجوہ اعجاز) میں سے ایک یہ ہے کہ بہت سے ایسے جملوں کو جو تھوڑے کلمات پر مشتمل ہیں (بیان کرنا) یہ ساری باتیں اور بہت سی وہ باتیں جو ہم نے وجوہ اعجاز قرآن میں بیان کی ہیں، ان کو یہاں ذکر نہیں کرتے کیونکہ ان میں سے اکثر بلاغت کے فن سے متعلق ہیں، ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اس کے اعجاز میں ایک تنہا فن اس کتاب میں جو فن بلاغت میں نہیں ہے، تفصیل کے ساتھ بیان کریں، اس

طرح بہت سی وہ وجوہ جو ہم نے ائمہ رحمھم اللہ سے نقل کر کے پہلے بیان کیا ہے، اس کے خواص اور فضائل میں نہ تو ان کے اعجاز کا اعادہ کرنا مناسب جانا۔

حقیقتاً قرآن کریم کے وجوہ اعجاز تو وہ چار ہی ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، انھیں پر بھروسہ کرنا چاہیے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ قرآن کریم کے خواص اور اس کے عجائبات سے متعلق ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گے۔

گیارھویں فصل

معجزۂ شق القمر و حبس الشمس

(چاند کے پھٹنے اور سورج کے رکنے کا معجزہ)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ﴾

پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند۔(القمر:۱)

اور فرمایا:

﴿وَاِنْ یَّرَوْا اٰیَةً یُّعْرِضُوْا وَیَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ﴾

اگر دیکھیں کوئی نشانی تو منھ پھیرتے اور کہتے ہیں یہ تو جادو ہے چلا آتا۔(القمر:۲)

اللہ عزوجل نے ماضی کے صیغہ سے چاند کے ٹکڑے ہونے کی خبر دی اور اس پر کفار کے اعراض اور انکار آیت کی خبر دی، مفسرین اہل سنت کا اس کے وقوع پر اجماع ہے۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالا سناد روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہوئے، ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور دوسرا پہاڑ کے پیچھے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: گواہ رہو یعنی دیکھ لو۔

مجاہد رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور اعمش رضی اللہ عنہ کی بعض روایتوں میں ہے کہ مِنٰی میں یہ واقعہ ہوا اور یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اسود رضی

اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور کہا یہاں تک کہ میں نے پہاڑ کو اس کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔

اس بارے میں مسروق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ واقعہ مکہ میں ہوا اور یہ زیادہ صحیح ہے کہ تب کفار قریش نے کہا: تم پر ابن ابوکبشہ نے جادو کیا، ان میں سے ایک مرد نے کہا کہ محمد (ﷺ) اگر چاند پر جادو کریں تو وہ جادو اس حد تک نہیں پہنچ سکتا کہ تمام روئے زمین مسحور ہو جائے، بس ان سے پوچھو جو دوسرے شہروں سے آرہے ہیں، کیا انھوں نے یہ دیکھا ہے؟ جب وہ آئے تو ان سے پوچھا، انھوں نے اس کی خبر دیتے ہوئے کہا کہ ایسا، ایسا سب نے دیکھا ہے۔

اسی کے مثل ضحاک رضی اللہ عنہ سے سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے حکایت بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب ابوجہل کہنے لگا یہ جادو ہے، تم باہر کے لوگوں کی طرف بھیجو تاکہ دیکھیں کہ انھوں نے یہ دیکھا ہے یا نہیں، تو باہر والوں نے خبر دی کہ انھوں نے چاند ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے، تو اس وقت کفار نے کہا: هٰذَا سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ: یہ ہمیشہ کا جادو ہے، اس کو علقمہ رضی اللہ عنہ نے بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(بخاری کتاب مناقب ج۴ ص۱۲۵، مسلم ج۴ ص۲۱۵۸، تفسیر در منثور ج۷ ص۶۷، مسند امام احمد ج۱ ص۴۱)

یہ چار راوی تو وہ ہیں جنھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سوا دوسرے صحابہ علیہم الرضوان نے ایسا ہی بیان کیا ہے، جیسا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔

چنانچہ ان میں سے حضرت انس رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری کتاب المناقب ج۴ ص۱۲۰، صحیح مسلم کتاب علامات منافقین ج۴ ص۲۱۵۸) ابن عباس (بخاری کتاب مناقب ج۴ ص۱۲۰، صحیح مسلم کتاب علامات منافقین ج۴ ص۲۱۵۹)

ابن عمر، (سنن ترمذی ج ۵ ص ۷۲، مسلم کتاب علامات منافقین ج ۴ ص ۲۱۵۹) حذیفہ، (تفسیر در منثور ج ۸ ص ۱۷۲) علی، (دلائل النبوۃ بیہقی ج ۲ ص ۲۶۸، مسند امام احمد ج ۴ ص ۸۱) جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم (ترمذی، مسند امام احمد، مستدرک، بحوالہ تفسیر در منثور ج ۷ ص ۱۷۲) ہیں، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں سے کہا: چاند ٹکڑے ہوا اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ ان کو کوئی نشانی دکھائیں تو ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھایا یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان کوہ حرا نظر آتا تھا۔

قیادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور معمر رضی اللہ عنہ اور ان کے سوا دوسروں کی روایت میں جو کہ قتادہ رضی اللہ عنہ اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ ان کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دو مرتبہ تاکید کے ساتھ دکھایا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ﴾

پاس آئی قیامت اور شق ہو گیا چاند۔ (القمر:۱)

روایت کیا اس کو جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان سے ان کے بیٹے محمد اور ان کے برادر زادے جبیر ابن محمد رضی اللہ عنہ نے اور روایت کیا اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ نے اور روایت کیا اس کو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مجاہد رضی اللہ عنہ نے اور روایت کیا اس کو حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ابو عبدالرحمن سلمی رضی اللہ عنہ اور مسلم بن ابی عمران ازدی رضی اللہ عنہ نے۔ (ان تمام کے حوالہ جات ابھی گزرے ہیں)

ان حدیثوں کے اکثر طرق (اسناد) صحیح ہیں اور آیہ کریمہ اس کی تصحیح کرتی ہے اور اس باطل اعتراض کی

طرف التفات نہ کرنا چاہیے کہ اگر یہ ہوتا تو اہل زمین پر پوشیدہ نہ رہتا کیونکہ وہ کسی سب پر ظاہر ہے اور یہ اعتراض اس لیے (باطل) ہے کہ ہمارے پاس یہ بات اہل زمین کی طرف سے منقول نہیں ہے کہ وہ اس رات گھات میں لگے رہے ہوں اور انھوں نے چاند تب ٹکڑے ہوتے نہ دیکھا اور اگر ہم تک ایسے لوگوں کی روایت منقول بھی ہوتی جن کا جھوٹ پر بوجہ کثرت میلان جائز نہیں تو تب بھی ہم پر یہ حجت نہیں ہوتی۔

کیونکہ چاند تمام زمین والوں کے لیے ایک حال پر نہیں ہوتا، بلاشبہ ایک قوم پر دوسری قوم سے پہلے طلوع کرتا ہے اور کبھی زمین میں سے ایک قوم پر دوسرے کی طرف مخالف سمت میں ہوتا ہے یا قوم اور اس کے درمیان بادل یا پہاڑ حائل ہو، (کیا تم دیکھتے نہیں) کہ ہم بعض شہروں میں چاند گرہن پاتے ہیں اور بعض میں نہیں اور کسی شہر میں گرہن جزوی ہوتا ہے اور کسی میں پورا اور بعض جگہ اس کو صرف وہی پہچانتے ہیں جو اس علم کے مدعی ہیں۔

﴿ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾

یہ برتر علیم کی قدرت ہے۔ (الانعام:۹۲)

اور یہ کہ چاند کا معجزہ تو رات کے وقت تھا اور عادتاً لوگوں میں رات کو آرام وسکون ہوتا ہے، دروازے بند ہوتے ہیں اور کام کاج سے علاحدہ اور آسمان کے امور کو ان لوگوں کے سوا جو کہ اس کے منتظر ہوں اور اس کی گھات میں ہوں کم لوگ پہچانتے ہیں، اس لیے چاند گرہن اکثر ملکوں میں نہیں ہوتا اور اکثر لوگ اس کو جانتے ہی نہیں چہ جائیکہ اس کی خبر دیں اور اکثر ثقہ حضرات بتاتے ہیں جو انھوں نے عجائبات کا مشاہدہ کیا ہے، یعنی آسمان پر رات چمک، بڑے بڑے ستارے آسمان پر رات کو چڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن اور کسی کو ان کا علم نہیں ہوتا۔

حضرت امام طحاوی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "مشکل الحدیث" میں حضرت اسما بنت عمیس رضی اللہ عنہ سے دو طریقوں سے حدیث کی تخریج کی ہے کہ نبی کریم ﷺ حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کی گود میں سر مبارک رکھے محو استراحت تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے نماز عصر ادا نہیں کی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے علی (کرم اللہ وجہہ الکریم) تم نے نماز پڑھ لی؟ عرض کیا: نہیں، تب آپ ﷺ نے دعا کی: اے خدا یہ تیری اطاعت میں اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھے تو ان پر سورج کو واپس کر دے، اسما رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد طلوع ہوتے دیکھا اور پہاڑوں اور زمین پر ٹھہرا رہا۔ (طبرانی کمافی مناہل الصفاص ۱۱۹)

یہ واقعہ خیبر کے راستہ میں منزل صہباء کا ہے، امام طحاوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں حدیثیں ثابت ہیں اور ان کے راوی معتبر (ثقہ) ہیں۔

امام طحاوی ﷺ بیان کرتے ہیں کہ احمد بن صالح ہے کہتے تھے، اس شخص کو جو علم سے واقف ہے، زیبا نہیں کہ حدیث اسماء رضی اللہ عنہ اکی صحت سے مختلف (اختلاف) کرے اس لیے کہ یہ علامات نبوت میں سے ہے۔

یونس بن بکیر رضی اللہ عنہ اپنی کتاب "زیادۃ المغازی" میں روایت کرتے ہیں، یہ روایت ابن الحق علیہ الرحمہ سے ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو معراج ہوئی اور آپ ﷺ نے اپنی قوم کے قافلوں کی خبر اور اونٹوں کی علامتیں بتائیں، تو انھوں نے کہا: وہ کب آئیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ چہار شنبہ کو آئیں گے۔ پس جب وہ دن آیا تو قریش کے شرفا انتظار کرنے لگے اور دن گزرنے لگا اور قافلہ نہیں آیا، جب رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تو ایک گھڑی دن زیادہ ہو گیا اور آپ ﷺ پر سورج رکا رہا۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب ج ۴ ص ۱۵۳ صحیح مسلم کتاب فضائل ج ۴ ص ۱۷۸۳)

بارھویں فصل

انگشت ہائے مبارک سے پانی بہنا اور آپ ﷺ کی برکت سے اس کا زیادہ ہونا

اس بارے میں احادیث بہت زیادہ مروی ہیں اور حضور ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا بہنا صحابہ کی ایک جماعت نے بیان کیا ہے، ان میں سے حضرت انس، جابر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔

حدیث: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے حال میں دیکھا کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا اور لوگ پانی تلاش کر رہے تھے، مگر پانی نہ ملا، جب رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوایا اور اپنے دست مبارک کو اس برتن میں رکھ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ اس سے وضو کریں۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کی انگلیوں سے پانی ابلتے ہوئے دیکھا، پس لوگوں نے وضو کیا یہاں تک کہ دوسروں نے (یعنی) سب نے وضو کیا، قتادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور کہا کہ ایک برتن جس میں پانی تھا اپنی انگلیوں کو اس میں ڈبو دیا اور برابر ڈبوئے رکھا، بعد میں پوچھا تم کتنے تھے؟ انھوں نے کہا کہ تین سو آدمی تھے اور ایک روایت میں انہی سے ہے کہ وہ بازار کے نزدیک مقام زوراء میں تھے، نیز اس کو حمید، ثابت اور حسن رحمھم اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ ان سے روایت کیا۔

حمید علیہ الرحمہ کی روایت میں ہے کہ میں نے کہا: تم کتنے تھے؟ انھوں نے کہا: ہم اسی (۸۰) تھے، اس کے مثل ثابت علیہ الرحمہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور انہی سے یہ بھی

مروی ہے کہ وہ ستر (۷۰) آدمیوں کے قریب تھے لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری کتاب مناقب ج ۴ ص ۱۵۴) نے علقمہ رضی اللہ عنہ کی صحیح روایت میں جو انھیں سے مروی ہے روایت کی، جس اثنا میں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے پاس پانی نہ تھا تو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس بچا ہوا پانی ہو، مانگ لو، پانی لایا گیا اور اس کو برتن میں ڈال دیا تو آپ نے اس میں اپنا ہاتھ رکھ دیا، تب پانی آپ ﷺ کی انگلیوں سے چشموں کی مانند ابلتا تھا۔

اور سالم بن ابی جعدہ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم کتاب فضائل ج ۳ ص ۱۵۳) کی صحیح روایت میں ہے جو جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حدیبیہ کے دن لوگ پیاسے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک چمڑے کا برتن تھا تو آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا اور لوگوں نے آگے ہو کر عرض کیا: ہمارے پاس پانی نہیں، صرف وہی پانی ہے جو آپ ﷺ کے برتن میں ہے، تو حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک برتن میں رکھ دیا، پس پانی آپ ﷺ کی انگلیوں سے چشمے کی مانند جوش مارنے لگا اور اس حدیث میں ہے کہ میں نے کہا: تم کتنے تھے؟ فرمایا: اگر ایک لاکھ آدمی بھی ہوتے تو ہمیں وہ پانی کفایت کرتا، ہم صرف پندرہ سو آدمی تھے۔

اسی کی مثل حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، (مقدمہ سنن دارمی ج ۱ ص ۱۳) اس میں یہ ہے کہ یہ واقعہ حدیبیہ کا ہے، رسید بن عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت میں جو جابر رضی اللہ عنہ سے مسلم رحمہ اللہ کی طویل حدیث میں غزوہ بواط میں مذکور ہے، کہا کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے جابر (ﷺ)! وضو کے لیے آواز دو اور لمبی حدیث بیان کی، اس وقت حالت یہ تھی کہ سوائے چند قطروں کے مشکیزے میں پانی نہ تھا، تب نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا، مجھے معلوم نہیں کیا پڑھا، پھر فرمایا:

قافلہ کے ڈول کو لاؤ، میں نے حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا، راوی نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ ڈول میں رکھا اور انگلیاں پھیلا دیں اور جابر رضی اللہ عنہ نے اس پر وہ پانی ڈال دیا، آپ ﷺ نے فرمایا، بسم اللہ۔ راوی نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی جوش مار رہا تھا، پھر وہ ڈول کا پانی جوش مارنے لگا اور گھومنے لگا، حتیٰ کہ ڈول بھر گیا، آپ ﷺ نے لوگوں کو پانی پینے کا حکم دیا، سب نے خوب پیا یہاں تک کہ سب سیراب ہو گئے، میں نے کہا: کوئی باقی ہے جس کو پانی کی حاجت ہو؟ اس کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو ڈول سے نکال لیا اور وہ ویسا ہی بھرا ہوا تھا۔ شعبی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ کی خدمت میں پانی کا برتن لایا گیا اور عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم ہمارے پاس پانی نہیں ہے بجز اس کے جو اس برتن میں ہے، آپ ﷺ نے اس کو بڑے برتن میں ڈال دیا اور اپنی انگلی کو اس کے درمیان میں رکھا اور پانی میں ڈبو دیا، لوگ آتے تھے اور وضو کر کے کھڑے ہوتے جاتے تھے۔

ترمذی علیہ الرحمہ نے کہا کہ اس باب میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ (صحیح بخاری کتاب مناقب ج ۴ ص ۱۵۲) خلاصہ کلام یہ کہ ایسے بڑے جلسوں اور مجمع کثیر میں کسی راوی پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی، اس لیے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان ایسے شخصوں کو جو غلط خبر دے بہت جی جھوٹا کہہ دیا کرتے تھے، کیونکہ ان کی جبلت میں یہ بات تھی اور اس لیے بھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باطل پر خاموش رہنے والے نہ تھے، انھیں صحابہ نے بیشک اس کو روایت کیا ہے اور اس کی اشاعت کی اور حضور ﷺ کی طرف جم غفیر کے سامنے نسبت کی ہے، کسی نے بھی ان میں سے ان لوگوں پر جنھوں نے ان سے روایت کیا کہ انھوں نے یہ کہا اور مشاہدہ کیا ہے، انکار نہیں کیا، تو اب ایسا ہو گیا کہ گویا ان سب نے اس کی تصدیق کی ہے۔

تیرھویں فصل

مزید معجزات

اس کے مشابہ آپ ﷺ کے معجزات میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کی برکت سے زمین پھاڑ کر پانی کا نکلنا ہے جو کہ آپ کے چھونے یا دعا کرنے سے ہوتا تھا، اس بارے میں وہ روایت ہے جو حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے اپنی ''موطا'' میں فرمائی، غزوہ تبوک کے قصہ میں معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی (صحیح مسلم کتاب فضائل ج ۴ ص ۱۷۸۴) ہے کہ صحابہ کرام علیھم الرضوان ایک ایسے چشمہ پر اترے جس میں جوتی کے تسمہ کی مانند پانی کا تھا، صحابہ چلو لگا دیتے جب وہ بھر جاتا تو کسی میں جمع کر لیتے پھر حضور ﷺ نے جب اس پانی سے اپنا چہرہ انور اور دست مبارک دھو لیے تو اس غسالہ مبارکہ کو اس چشمہ میں لوٹا دیا، پھر تو پانی بکثرت جاری ہو گیا، سب نے خوب پیا، ابن اسحق علیہ الرحمہ حدیث میں کہتے ہیں پھر تو پانی زمین پھاڑ کر اس تیزی اور شور سے نکلا جیسے کڑک کی آواز ہوتی ہے، پھر کہا: اے معاذ (رضی اللہ عنہ)! اگر تمھاری زندگی ہوئی تو دیکھو گے کہ اس جگہ سر سبز و شاداب باغ ہوں گے۔

براء اور سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے اور یہ حدیث قصۂ حدیبیہ میں زیادہ مکمل ہے کہ صحابہ کرام علیہ الرضوان چودہ سو تھے اور وہ کنواں صرف اتنا تھا کہ اس سے پچاس بکریاں پانی پیتی تھیں تو ہم نے اس سے پانی بھر لیا اور اس میں ایک قطرہ پانی نہ چھوڑا، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اس کے کنارے تشریف فرما ہوئے، براء رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری کتاب مناقب ج ۴ ص ۱۵۴) کہتے ہیں کہ اس میں سے ڈول لایا گیا، آپ ﷺ نے لعاب دہن ڈالا اور دعا فرمائی، سلمہ (صحیح مسلم، ج ۳ ص ۱۱۹) کہتے

ہیں کہ پھر یا تو لعاب دہن ڈالا یا دعا فرمائی، تو اس نے جوش مارا پھر تو تمام اس سے سیراب ہوئے اور اپنے جانوروں کو پلایا۔

ان دونوں روایتوں کے علاوہ اس قصہ حدیبیہ میں ابن شہاب کی سند سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ترکش سے تیر نکالا اور اس کو ایسے گڑھے کے وسط میں رکھا جس میں پانی نہ تھا، تو سب لوگ خوب سیراب ہوئے یہاں تک کہ اونٹوں کو پانی پلا کر دوبارہ پینے کے لیے بٹھا دیا۔ (اسی کو عطن کہتے ہیں)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ (دلائل النبوہ للبیہقی ج۶ ص ۱۳۳) سے مروی ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک سفر میں پیاس کی شکایت کی، آپ ﷺ نے آفتابہ (وضو کرنے کا برتن) منگوایا، اس کو بغل میں رکھا پھر اس کے منھ کو اپنے دہن اقدس میں رکھا، واللہ اعلم آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا یا نہیں، تو لوگوں نے خوب سیراب ہو کر پیا اور جتنے برتن ان کے پاس تھے سب کو بھر لیا، مجھے خیال آیا کہ وہ تو ایسا ہی ہے جیسا آپ ﷺ نے لیا تھا، حالانکہ وہ بہتر (۷۲) آدمی تھے۔ اس کی مثل عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کی۔

طبری رحمہ اللہ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث اس کے خلاف بیان کی ہے جو صحاح میں مذکور ہے، وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اہل موتہ کی مدد کے لیے اس وقت نکلے جب آپ کو یہ خبر ملی تھی کہ بڑے بڑے صحابہ شہید کر دیے گئے ہیں، طویل حدیث (دلائل النبوۃ ج۲ ص ۱۳۲) بیان کی جس میں آپ ﷺ کے بہت سے معجزات اور نشانیاں ہیں، اس میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ علیہم الرضوان کو بتایا کہ کل ان کو پانی نہیں ملے گا اور آفتابہ والی حدیث کو بیان کیا اور کہا کہ وہ لوگ تقریباً تین سو تھے۔

کتاب مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: میرے لیے اپنے آفتابہ کی

حفاظت کرنا عنقریب اس سے ایک غیبی خبر نمودار ہوگی اور اس کی مثل بیان کیا۔

اس بارے میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک سفر میں حضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو پیاس لگی، تو آپ ﷺ نے اپنے دو صحابہ کو بھیجا اور بتایا کہ فلاں جگہ تم کو ایک عورت ملے گی جس کے ساتھ ایک اونٹ ہوگا، اس پر دو مشکیزے ہوں گے، تو ان دونوں نے اس کو پالیا اور لے کر آپ ﷺ کے پاس آگئے، آپ ﷺ نے ایک مشکیزے سے برتن میں پانی ڈالا۔

راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے جو چاہا اس میں پڑھا پھر دونوں مشکیزوں میں وہ پانی لوٹا دیا اور دونوں کا منھ کھول دیا اور لوگوں کو حکم دیا تو انھوں نے اپنے برتن بھر لیے اور کوئی برتن ایسا نہ چھوڑا جس کو بھرا نہ ہو، عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ مشکیزے ویسے ہی بھرے ہوئے تھے، پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو کھانا دو یہاں تک کہ اس کا کپڑا بھر دیا اور فرمایا: جاؤ تمھارے پانی سے ہم نے کچھ نہیں لیا ہے، لیکن اللہ عزوجل نے ہم کو سیراب کر دیا۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا پانی ہے؟ تو ایک شخص برتن لایا جس میں چند قطرے تھے، آپ ﷺ نے اس کو ایک پیالہ میں لوٹ لیا، ہم سب نے اس سے وضو کیا اور خوب استعمال کیا، حالانکہ ہم چودہ سو تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث "جیش عشرت" میں ہے اور انھوں نے بیان کیا کہ سب کو پیاس لگی، یہاں تک کہ ایک مرد نے اپنے اونٹ کو ذبح کیا اور اس کی اوجھ کو نچوڑ کر پی گیا، تب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت ﷺ کی خدمت میں بغرض دعا حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک اٹھائے، ابھی ان کو لوٹایا نہ تھا کہ آسمان سے بارش ہونے لگی، جتنے برتن ان کے پاس تھے سب بھر لیے اور حال یہ تھا کہ بارش لشکر سے باہر تھی۔ (دلائل النبوۃ ج۵ ص۲۳۱، مجمع الزوائد ج۶ ص۱۹۴، ۱۹۵)

عمرو بن شعیب علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ ابوطالب نے جب حضور ﷺ کے ردیف (یعنی اونٹ پر آپ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے)، آپ ﷺ سے وادی ذوالمجاز میں کہا کہ مجھے پیاس لگی ہے اور میرے پاس پانی نہیں، اس وقت نبی کریم ﷺ اترے اور اپنے قدم مبارک کو زمین پر مارا جب پانی نکل آیا، فرمایا: اے ابوطالب پی لے۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۵۲)، اس باب میں بکثرت احادیث ہیں، اس میں سے استسقاء میں دعا مانگنا اور جو اس کے ہم جنس ہے۔

چودھویں فصل

طعام میں زیادتی

آپ ﷺ کے معجزات میں سے یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کی برکت و دعا سے طعام زیادہ ہوجاتا تھا۔

حدیث: حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر کچھ کھانے کو مانگا، آپ ﷺ نے اس کو نصف وسق جو مرحمت فرمائے (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے) تو وہ خود اور اس کی بیوی اور مہمان سب برابر کھاتے رہے، حتیٰ کہ ایک دن اس نے ناپ لیا، پھر اس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کی خبر دی، آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تو اس کو ناپتا نہیں تو، تو ہمیشہ اس کو کھاتا رہتا اور یہ تمھارے لیے بڑھتا رہتا۔

(صحیح مسلم کتاب فضائل ج۴ ص۱۷۸۴)

اور اس بارے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے ان جو کی چند روٹیوں کو جنھیں حضرت انس رضی اللہ عنہ بغل میں دبا کر لائے تھے اور آپ ﷺ نے اس کو ٹکڑے کرکے اس پر جو چاہا پڑھا تھا، ستر یا اسی آدمیوں کو کھلایا۔

(صحیح بخاری کتاب مناقب ج۴ ص۱۵۴ صحیح مسلم کتاب الاشربۃ ج۳ ص۱۳۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے غزوہ خندق کے دن ایک صاع (تقریباً سوا چار سیر) جو اور ایک بکری سے ایک ہزار آدمیوں کو کھانا کھلایا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں سب نے خوب کھایا حتی کہ چھوڑ کر چلے گئے اور ہماری ہانڈی اسی طرح بھری ہوئی جوش مار رہی تھی اور آٹے سے روٹی پک رہی تھی (یہ برکت اس وجہ سے ہوئی) کہ رسول اللہ ﷺ نے آئے اور ہانڈی میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تھا اور برکت کی دعا کی تھی۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۵ ص ۸۹)

اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے سعید بن مبشاء رضی اللہ عنہ اور ایمن رضی اللہ عنہ نے اور حضرت ثابت ﷺ نے اس کے مثل ایک مرد انصاری اور اس کی بیوی سے جن کا نام معلوم نہیں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ ایک ہتھیلی بھر کھانا لایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو کھانے کے برتنوں میں ملا دیا اور پڑھا جو اللہ عزوجل نے چاہا اور اس میں سے جو گھر میں تھا یعنی کمرہ اور صحن وغیرہ میں سب نے کھایا، حالت یہ تھی کہ یہ گھر ان لوگوں سے جو حضور ﷺ کے ساتھ آئے تھے، بھر گیا تھا، سب کے پیٹ بھرنے کے بعد برتنوں میں ویسا کا ویسا ہی باقی رہ گیا۔ (طبقات ابن سعد، کمافی مناہل الصفاء ص ۱۲۱)

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق ہ ﷺ کے لیے اتنا کھانا تیار کیا کہ ان دونوں کو ہی کافی ہوتا مگر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ انصار کے بزرگوں میں سے تیس آدمیوں کو بلالو، انھوں نے بلالیا، سب نے کھایا اور چھوڑ گئے، پھر فرمایا، ساٹھ آدمیوں کو بلالو، تو کھانا ان کے بعد بھی اتنا ہی تھا، پھر فرمایا: ستر آدمیوں کو بلا لو، ان سب نے بھی کھایا یہاں تک کہ وہ بھی چھوڑ گئے، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ نکلا جس نے اس کے بعد اسلام قبول نہ کیا ہو اور آپ ﷺ کی بیعت نہ کی ہو۔

ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے کھانے سے ایک سو اسی آدمیوں نے کھایا۔

(دلائل النبوۃ بیہقی ج ۲ ص ۹۴)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک کڑھاؤ (بڑا برتن) لایا گیا، جس میں گوشت (پکا ہوا) تھا، تو یکے بعد دیگرے صبح سے شام تک ایک قوم کھڑی ہوتی اور دوسری بیٹھتی جاتی تھی۔ (سنن مقدمہ داری ج ۱ ص ۳۱، دلائل النبوۃ بیہقی ج ۲ ص ۹۳، مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۲)

اس بارے میں حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہم ایک سوتیں آدمی تھے اور حدیث میں ذکر ہے کہ انھوں نے ایک صاع (یعنی سوا چار سیر کے قریب) آٹا گوندھا اور ایک بکری ذبح کی تھی، سو اس کی کلیجی بھونی گئی، راوی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ایک سو آدمیوں میں سے ہر ایک اس کلیجی کو چھری سے کاٹتا تھا، پھر اس کے گوشت سے دو کڑھاؤ بھر لیے اور سب نے خوب کھایا اور دونوں میں بچ رہا، تو ہم نے اس کو اونٹ پر لاد لیا۔ (کہ بعد کو راہ میں کھالیں گے)

(صحیح بخاری کتاب الاطعمہ ج ۷ ص ۲۰، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۶۲۷)

اور اس بارے میں عبدالرحمن بن ابی عمرہ انصاری رضی اللہ عنہ (دلائل النبو للبیہقی ج ۵ ص ۲۳۰، صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۵۶، ۵۵) کی حدیث جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور اس کی مثل سلمہ بن اکوع اور حضرت ابوہریرہ اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما (مسند ابویعلی کما فی مناہل الصفا للسیوطی ص ۱۲۲) سے مروی ہے، ان سب نے ایک پریشانی کا ذکر کیا جو ایک غزوہ میں حضور ﷺ کی معیت میں پیش آئی تھی۔

تو اس وقت آپ ﷺ نے بچے ہوئے کھانوں کو منگوایا تو کوئی ایک مٹھی بھر کھانا لایا اور کوئی اس سے زیادہ، ان میں سے جو زیادہ سے زیادہ لایا وہ ایک صاع کھجوریں تھیں، آپ ﷺ نے ان سب کو ایک دسترخوان پر جمع کر دیا، سلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے اندازہ لگایا تو وہ سب اونٹ کے پالان کے برابر تھا۔ (یعنی اتنا اونچا ڈھیر تھا جتنا اونٹ کا پالان ہوتا ہے) پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو ان کے

برتنوں کے ساتھ بلایا، تو لشکر میں سے کسی کا برتن ایسا نہ تھا جو بھر نہ گیا ہو اور اس میں سے بھی بچ رہا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اصحاب صفہ کو بلانے کا حکم فرمایا، میں نے انھیں ڈھونڈ کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا، تب ہمارے آگے ایک برتن رکھا گیا جس میں سے ہم نے خوب پیٹ بھر کر کھایا اور کھانا اس میں اس طرح موجود رہا جیسا کہ پہلے تھا مگر یہ کہ اس پر انگلیوں کے نشان نظر آتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اولاد عبدالمطلب کو جمع فرمایا اور وہ چالیس مرد تھے، ان میں سے کچھ تو وہ لوگ تھے جو ایک دو سالم اونٹ کا بچہ کھا جاتے اور ایک فرق (یعنی وہ برتن جس میں سولہ رطل تقریباً آٹھ سیر چیز آئے) پانی کا پی جاتے، آپ نے ان کے لیے ایک مُد یعنی ایک سیر کھانا تیار کرایا، آپ نے انھیں کھلایا یہاں تک کہ وہ سب شکم سیر ہو کر کھا گئے اور کھانا جتنا تھا ویسا ہی باقی رہا، پھر ایک برتن دودھ منگوایا اور اس میں سے پلایا وہ سب خوب سیراب ہو گئے، لیکن وہ ویسا کا ویسا ہی باقی رہا گویا کہ اس میں سے پیا ہی نہ گیا ہے۔ (مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۵۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو ان کو حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو بلائیں جن کے نام آپ ﷺ نے فرمائے ہیں اور ہر اس شخص کو دعوت دے دیں جو تم کو ملیں، یہاں تک کہ آپ ﷺ کا کاشانہ اقدس (گھر) اور حجرہ شریف لوگوں سے بھر گیا تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے ایک طشت رکھا جس میں ایک مُد تقریباً ایک سیر کھجوروں کا ملیدہ تھا۔

پھر آپ ﷺ نے اس کو اپنے آگے رکھا اور اپنی تین انگلیاں اس میں ڈالیں اور لوگوں کا یہ حال تھا کہ کھاتے تھے اور نکلتے جاتے تھے اور وہ ملیدہ طشت میں جیسا تھا ویسا ہی باقی رہا اور کھانے والے اکہتر یا بہتر

تھے اور ایک روایت میں اس قصہ کے یا اس جیسے قصے میں ہے کہ وہ تین سو مرد تھے، ان سب نے کھایا حتیٰ کہ شکم سیر ہو گئے، مجھ سے ارفع (رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کھانا اس وقت زیادہ تھا جب رکھا تھا یا اس وقت جب اٹھایا گیا۔ (صحیح بخاری ج۸ ص ۵۲۷، صحیح مسلم کتاب النکاح ج۲ ص ۱۰۵۰)

حضرت جعفر بن محمد رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہ حضرت (خاتون جنت) فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صبح کے کھانے کے لیے ایک ہانڈی پکائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور کی خدمت میں بھیجا کہ آپ ساتھ کھانا ملاحظہ فرمائیں، پھر حضور ﷺ نے ان کو بھیجا، چنانچہ انھوں نے ایک ایک پیالہ آپ کی تمام بیویوں (امہات المومنین رضی اللہ عنہن) کو بھیج دیا، پھر حضور ﷺ کے لیے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لیے پھر اپنے لیے رکھا، جب ہانڈی اٹھائی تو وہ ویسی ہی بھری ہوئی تھی، فرماتی ہیں: تو ہم نے اس سے کھایا جتنا خدا نے چاہا۔ (طبقات ابن سعد، بسند منقطع کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۱۲۲)

حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ احمس کے چار سو سواروں کو زادراہ دو، عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم چند صاع سے زیادہ نہیں ہے، فرمایا: جاؤ، پس وہ گئے، اس سے ان کو توشہ دینے لگے اور حال یہ تھا کہ وہ کھجوریں اونٹنی کے بچہ کے بیٹھنے کے مانند تھیں مگر وہ اپنی حالت میں باقی رہیں، یہ دکین، احمسی اور جریر رحمہم اللہ کی روایت کے بموجب ہے اور اس کے مثل نعمان بن مقرن رحمہ اللہ کی روایت ہے جو بعینہ یہی ہے مگر اتنا زیادہ ہے کہ کہا وہ مزینہ کے چار سو سوار تھے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج۵ ص ۳۲۵، مسند امام احمد ج۵ ص ۴۴۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج۲ ص ۴۲۷)

اور اس بارے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو ان کے والد کے مرنے کے بعد قرض کے سلسلے میں ہے، کہ انھوں نے اپنا اصل مال قرض خواہ کے قرضہ میں دے دیا مگر انھوں نے اس

کو قبول نہ کیا، درانحالیکہ ان کے کھجوروں کے باغ کے پھل چند سالوں میں بھی ان کے قرض کی کفالت نہ کر سکتے تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے پھل کاٹ کر ڈھیر کرلو، اس کے بعد آپ ﷺ تشریف لائے اور اس ڈھیر میں چلے اور دعا فرمائی۔ پھر جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کے قرض خواہوں کو اس سے دے دیا پھر اتنا بچ رہا جتنا ہر سال پھل لیتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ اتنا بچ رہا جتنا ان کو دیا، انھوں نے کہا کہ قرض خواہ یہودی تھے، انھوں نے اس سے بہت تعجب کیا۔

(صحیح بخاری کتاب الحبۃ ج۳ ص۱۴۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو پریشانی (بھوک) پہنچی، آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: کیا کچھ ہے؟ میں نے عرض کیا: ہاں توشہ دان میں کچھ کھجوریں ہیں، فرمایا: میرے پاس لاؤ، تب آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک ڈال دیا اور مٹھی بھر کر نکالا اور پھیلا دیا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر فرمایا: دس مردوں کو دو، تو انھوں نے کھایا حتی کہ شکم سیر ہو گئے، پھر فرمایا: تم لے لو جو تم لائے تھے اور اپنا ہاتھ ڈال کر مٹھی سے نکال لیا کرو، اس کو الٹنا نہیں جتنا میں لایا تھا اس سے زیادہ پر قبضہ کیا، پس میں رسول اللہ ﷺ کی حیات (ظاہری) اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ خلافت تک اس سے خود کھاتا اور کھلاتا رہا، یہاں تک کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو وہ مجھ سے لوٹ لیا گیا اور وہ چلا گیا۔ (دلائل النبوۃ ج۲ ص۱۱۰، سنن ترمذی کتاب المناقب ج۵ ص۵۸۵)

اور ایک روایت میں ہے کہ میں نے اس میں سے اتنے اتنے وسق (ساٹھ صاع) کھجوریں اللہ عزوجل کی راہ میں خرچ کر دیں اور اس حکایت کی مثل غزوہ تبوک میں بھی ذکر کیا گیا کہ دس سے کچھ زیادہ کھجور میں تھیں۔ انھیں میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بھی ہے، جب انھیں بھوک نے ستایا تو حضور ﷺ نے اپنے پیچھے آنے کو فرمایا، آپ ﷺ نے ایک پیالہ میں دودھ پایا جو آپ ﷺ کو

ہدیہ پیش کیا گیا تھا، ان کو حکم دیا کہ اہل صفہ کو بلا لو، راوی کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا کہ اتنا سا دودھ ان میں کیا ہوگا، میں زیادہ مستحق تھا کہ جو بھوک مجھے لگی ہوئی تھی اس کو پیا اور اس سے طاقت حاصل کرتا، غرضیکہ میں نے ان کو بلایا اور بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کو پلاؤ تو میں ہر مرد کو دیتا جاتا، وہ پیتا اور سیراب ہوجاتا، پھر دوسرے کو دیتا وہ پیتا یہاں تک کہ سب سیراب ہوگئے۔

راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالے کو پکڑا اور فرمایا: اب میں اور تم باقی رہ گئے ہیں، بیٹھ جاؤ اور پیو، تو میں نے پیا، پھر فرمایا اور پی، یہاں تک کہ میں نے عرض کیا: اب نہیں پیا جاتا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اب دودھ کے گزرنے کی بھی گنجائش نہیں پاتا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالہ لیا، اللہ عزوجل کی حمد کی اور بسم اللہ پڑھ کر بچا ہوا پی لیا۔

(صحیح بخاری کتاب الرقاق ج ا ص ۸۱)

خالد بن عبدالعزی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بکری ذبح کرنے کے لیے پیش کی اور حال یہ تھا کہ خالد رضی اللہ عنہ کے عیال (گھر والے) بہت تھے، وہ ایک بکری کو ذبح کرتا تو اس کے عیال کے لیے ایک ایک ہڈی بھی پورا نہ کرتی۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بکری سے خود کھایا اور پانی (جو بچا اس) کو خالد رضی اللہ عنہ کے ڈول میں ڈال کر دعائے برکت فرمائی، اس نے اس کو اپنی عیال میں تقسیم کیا تو سب نے کھایا اور زیادہ بچ رہا، اس حدیث کو دولابی رحمہ اللہ نے بیان کیا۔ (دلائل النبوۃ بیہقی ج ۲ ص ۱۱۲-۱۱۵)

اجری علیہ الرحمہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت (خاتون جنت) فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ فلاں برتن لاؤ جو چار یا پانچ مد (گندم یا جو وغیرہ) سے بھرا ہوا تھا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے

ولیمہ میں ایک اونٹ کے بچے کو ذبح کرنے کو فرمایا تھا، بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں اس کو لایا، پس آپ ﷺ نے اس کے سر کو چھوا، پھر لوگ جماعت جماعت کر کے داخل ہوئے، اس سے کھاتے تھے حتی کہ سب فارغ ہو گئے اور اس سے بہت کچھ بچ رہا۔

پھر آپ ﷺ نے برکت کی دعا کی اور حکم دیا کہ اپنی ازواج (امہات المومنین) کے پاس لے جایا جائے اور فرمایا: تم سب کھاؤ اور جو تمھارے پاس عورتیں آئیں ان کو کھلاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نکاح فرمایا، تو میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے ملیدہ بنایا، اس کو ایک طشت میں رکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا، آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو رکھ دو اور فلاں فلاں آدمیوں کو بلاؤ اور جو تم کو راہ میں ملے اس کو بھی بلا لو، تو مجھے جو ملا سب کو بلا لایا، بیان کرتے ہیں کہ وہ تین سو آدمی تھے، یہاں تک کہ صفہ (چبوترہ) اور حجرہ ان سے بھر گیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: دس دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھ جائیں، اور نبی کریم ﷺ نے اپنا دست مبارک کھانے پر رکھا اور دعا مانگی اور پڑھا جو اللہ عزوجل نے چاہا، پس سب نے کھایا حتی کہ سب شکم سیر ہو گئے، پھر مجھ سے فرمایا: اٹھا لو، میں نہیں جانتا کہ جب رکھا تھا اس وقت زیادہ تھا یا جب اٹھایا اس وقت زیادہ تھا۔ (صحیح بخاری کتاب الاطعمہ ج ۷ ص ۱۱۰، صحیح مسلم کتاب الاشربۃ ج ۳ ص ۱۹۱۲)

ان تین فصلوں کی اکثر حدیثیں صحیح ہیں اور اس فصل کی احادیث کے معنی پر تو اس سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا اجماع ہے اور ان سے کئی گنا زیادہ تابعین نے روایت کی ہے، ان کے بعد تو شمار ہی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان میں سے اکثر احادیث مشہور قصوں اور حاضرین کے مجمعوں میں ذکر کی جاتی ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ حق بات کے سوا من گھڑت باتوں کی نسبت کی جائے اور حاضرین منکر باتوں پر خاموش رہیں۔

پندرھویں فصل

درختوں کا کلام کرنا اور آپ ﷺ کی نبوت کی شہادت اور آپ کی دعوت پر آنا

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک اعرابی آپ ﷺ کے قریب آیا، آپ ﷺ نے فرمایا: اے اعرابی! کہاں کا قصد ہے؟ کہا کہ گھر جا رہا ہوں، فرمایا: کیا تو نیکی کی طرف آتا ہے؟، اس نے کہا: وہ کیا ہے؟ فرمایا: گواہی دے کہ اللہ عزوجل کے سوا کوئی معبود نہیں وہ وحدہ لاشریک لہ ہے اور یہ کہ محمد (ﷺ) اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس نے کہا: کوئی آپ (ﷺ) کی شہادت دیتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ببول کا درخت جو وادی کے کنارے کھڑا ہے، تب وہ زمین چیرتا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس سے آپ ﷺ نے تین مرتبہ شہادت دلوائی، تو اس نے ویسے ہی کہا جیسا آپ ﷺ نے فرمایا، پھر وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ (مقدمہ سنن داری ج ۱ ص ۱۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۴، کشف الاستار ج ۳ ص ۱۳۴)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے نبی کریم ﷺ سے کوئی نشانی مانگی، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سامنے کے درخت سے کہو کہ تجھ کو رسول اللہ (ﷺ) بلاتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ وہ درخت اپنی دائیں اور بائیں اور آگے پیچھے ہلا اور اس کی جڑیں ٹوٹیں پھر زمین چیرتا شاخوں کو گھسیٹتا حاضر ہوا، اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا: السلام علیک یا رسول اللہ اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

اعرابی نے کہا: اس کو حکم دیجیے کہ اپنی جگہ واپس چلا جائے، پس وہ واپس ہوا اور اس کی جڑیں زمین میں داخل ہوگئیں اعرابی نے کہا: مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ (ﷺ) کو سجدہ کروں، فرمایا: اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے کو سجدہ کرے تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے، اعرابی نے کہا: مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ (ﷺ) کے دست مبارک اور پائے اقدس کو بوسہ دوں تو اس کی اجازت دے دی۔ (کشف الاستار ج۳ ص ۱۳۲)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قضائے حاجت کے لیے تشریف لے گئے تو کوئی ایسی جگہ نہ دیکھی کہ جہاں پردہ ہوتا، وادی کے کنارے دو درخت نظر آئے تو رسول اللہ ﷺ ان دونوں میں سے ایک کے پاس گئے اور ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا: فرمانبردار ہو جا مجھ پر اللہ عزوجل کے حکم سے، تو وہ آپ ﷺ کے ساتھ چلا اس طرح پر جیسے کوئی اونٹ کو نکیل ڈال کر لے جاتا ہے اور بیان راوی میں ہے کہ آپ ﷺ نے دوسرے درخت کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا، جب یہ دونوں نصف راہ طے کر کے درمیان میں پہنچے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ عزوجل کے حکم سے مجھ پر دونوں مل جاؤ، پس وہ دونوں مل گئے۔ (صحیح مسلم کتاب الزھد ج۴ ص ۲۳۰۷)

اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! اس درخت سے کہو کہ تجھ سے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اپنے ساتھی درخت سے مل جائے تاکہ میں تمھارے پیچھے بیٹھوں تو میں نے ایسا کیا اور چلا یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھی (درخت) سے جا ملا، تو آپ ﷺ قضائے حاجت کے لیے ان دونوں کے پیچھے بیٹھے اور میں جی سے نکل آیا اور بیٹھ کر دل میں سوچنے لگا، اتنے میں رسول اللہ ﷺ سامنے سے تشریف لا رہے تھے اور وہ دونوں درخت جدا ہو کر ہر ایک اپنی جگہ سیدھا کھڑا تھا، تب رسول اللہ ﷺ نے تھوڑا سا توقف فرمایا اور اپنے سر سے داہنے اور بائیں جانب اشارہ کیا۔

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ اس کے مثل روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ میں فرمایا: کیا تم ایسی جگہ پاتے ہو جہاں اللہ عزوجل کا رسول ﷺ قضائے حاجت کرے، میں نے عرض کیا: یہ وہ وادی ہے جہاں لوگوں کی گزر گاہ ہے، فرمایا: کیا کوئی درخت یا پھر دیکھا ہے؟ عرض کیا: ہاں آمنے سامنے چند درخت دیکھے ہیں، فرمایا: جاؤ اور ان درختوں سے کہو کہ رسول اللہ ﷺ تم کو حکم دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی قضائے حاجت کے لیے آئیں، اور یہی بات کنکریوں سے کہو، تو میں نے ان سے جا کر یہی کہا، قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا، بلاشبہ میں نے دیکھا کہ درخت ایک دوسرے کے (ساتھ) ہو کر مجتمع ہو گئے اور کنکریاں بھی دوڑ کر ایک دوسرے پر پیوستہ ہو گئیں، پس جب آپ ﷺ نے قضائے حاجت فرمائی تو مجھ سے فرمایا: ان سے کہو کہ چلے جائیں، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، بلاشبہ میں نے دیکھا کہ وہ درخت اور کنکریاں جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ چلی گئیں۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ص۲۵)

یعلی بن سبابہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک سفر میں، میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، اس کے بعد انھوں نے ان دونوں حدیثوں کے مثل بیان کیا اور کہا کہ آپ ﷺ نے دو چھوٹے چھوٹے کھجوروں کے درختوں کو حکم دیا، دہل گئے اور ایک روایت میں دو بڑی کھجوروں کے درخت کا ذکر آیا ہے، غیلان بن سلمہ ثقفی رحمہ اللہ کی روایت اس کے مثل ہے اور اس میں دو درختوں کا ذکر ہے۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ص۲۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے غزوہ حنین میں نبی کریم ﷺ سے اس کے مثل بیان کیا، یعلی بن مرہ بن سہابہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے، انھوں نے بہت سے معجزات کو رسول اللہ ﷺ سے دیکھ کر بیان کیا ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ بڑا درخت یا کیکر کا درخت آیا اور اس نے آپ کے

گرد چکر لگایا پھر اپنی جگہ لوٹ گیا، اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس نے اپنے رب عزوجل سے اجازت مانگی تھی کہ وہ مجھ پر سلام عرض کرے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج۶ص۲۰)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ایک درخت نے خبر دی کہ ایک رات جن نے نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ آپ ﷺ سے قرآن کریم سنے۔

مجاہد بیٹے نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سے اس حدیث میں ذکر کیا کہ جنات نے کہا: آپ کی کون شہادت دیتا ہے؟ فرمایا: یہ درخت، اے درخت چلا آ، تو وہ درخت بڑی آواز کے ساتھ جڑوں کے ساتھ چلا آیا اور پہلی حدیث کی مثل یا اس جیسی بیان کی۔ (صحیح مسلم ج۴ص۲۳۰۶)

قاضی ابوالفضل عیاض (علیہ الرحمہ) فرماتے ہیں کہ یہ ابن عمر، بریدہ، جابر ابن مسعود، یعلی بن مرہ، اسامہ بن زید، انس بن مالک علی ابن ابی طالب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ کا اس باب میں نفس حدیث اور معنی حدیث میں اتفاق ہے اور ان سے کئی گنا تابعین اور تبع تابعین نے روایتیں کی ہیں، تو یہ حدیثیں جیسی بھی تھیں، شہرت کے اعتبار سے قوی ہوگئیں۔

ابن فوزک علیہ الرحمہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ غزوۂ طائف میں غنود کی حالت میں چلے، آپ ﷺ کے سامنے بیری کا درخت آگیا تو اس کے دو ٹکڑے ہوگئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ ان کے درمیان سے گزر گئے، وہ درخت دو تنوں پر اس وقت تک موجود ہے، وہ جگہ معروف اور معظم ہے۔

اس بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو غمگین دیکھ کر عرض کیا: آپ ﷺ پسند کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کو کوئی معجزہ دکھاؤں، فرمایا: ہاں، پس رسول اللہ ﷺ نے وادی کے سجع (کنارے) ایک درخت پر نظر ڈالی، جبرئیل علیہ السلام

نے عرض کیا: اس درخت کو بلائیے، تب وہ چل کر آیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا، پھر کہا: اس کو حکم دیجیے کہ لوٹ جائے، چنانچہ وہ اپنی جگہ چلا گیا۔ (الخصائص الکبری ج ا ص ۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے، مگر انھوں نے اس میں جبریل علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا، آپ ﷺ نے کہا: اے خدا مجھے کوئی نشانی ایسی دکھا کہ جو میری تکذیب کرے اس (نشانی) کے بعد اس کو بھی مانے بغیر چارہ نہ رہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے درخت کو بلایا اور اس کی مثل حدیث بیان کی اور آپ ﷺ کا غمگین ہونا اپنی قوم کی تکذیب اور طلب معجزہ پر تھا نہ کہ اپنے لیے تھا۔ (دلائل الن للبیہقی ج ۲ ص ۱۳، دلائل امنو ولابی نعیم ج ۲ ص ۳۹۰) ابن اسحاق رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے رکانہ کو اس قسم کے معجزے دکھائے، ایک درخت کو آپ ﷺ نے بلایا، وہ آیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سامنے ٹھہرا رہا، پھر فرمایا: واپس جا تو وہ لوٹ گیا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۹۵)

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کا شکوہ اپنے رب عزوجل سے کیا کہ وہ لوگ خوف دلاتے ہیں اور ایسے معجزے کا سوال کیا جن سے آپ ﷺ جان لیں کہ آپ ﷺ کو کوئی خوف نہیں ہے، تو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو وحی فرمائی کہ آپ فلاں وادی میں جس میں درخت ہے، جائیے اور اس کی ٹہنی کو پکڑ کر ہلائے، وہ آپ ﷺ کے پاس آئے گا، تو آپ ﷺ نے ایسا کیا پس وہ زمین پر خط کھینچتا آیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ ﷺ نے جب تک خدا نے چاہا روکے رکھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لوٹ جا جہاں سے آیا ہے پس لوٹ گیا، پھر آپ ﷺ نے عرض کیا: اے رب عزوجل میں نے جان لیا کہ مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔ (الخصائص الکبری ج ا ص ۱۳۱)

اس کے مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور وہ اس میں بیان کرتے ہیں کہ مجھ کو ایسی نشانی دکھا کہ اس کے بعد جو میری تکذیب کرے اس کو تردد نہ رہے اور ذکر کیا اس کی مثل۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۱۳، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۹۰، کشف الاستار ج ۳ ص ۱۳۲)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم نے ایک اعرابی سے فرمایا: کیا تو دیکھتا ہے کہ اگر میں اس کھجور کی ٹہنی کو ہلاؤں تو تو اس کی گواہی دے گا کہ میں اللہ عزوجل کا رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں، اس نے کہا: ہاں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ہلایا تو وہ درخت دوڑتا آیا، پھر فرمایا: لوٹ جا تو وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا، ترمذی رحمہ اللہ نے اس کی تخریج کی اور کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۱۵، مستدرک ج ۲ ص ۱۲۰، مقدمہ سنن دارمی ج ۱ ص ۱۳، ترمذی ج ۹ ص ۲)

سولھویں فصل

کھجور کی ٹہنیوں کا رونا

کھجور کے ستونوں کے رونے کی خبروں کو یہ حدیثیں قوی کرتی ہیں، چونکہ یہ خبر بذاتہ مشہور و معروف اور خبر متواتر کی حد میں ہے اور اہل صحاح نے اس کی تخریج کی ہے اور یہ کہ دس سے زائد صحابہ نے اس کو بیان کیا ہے، ان میں سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۴ ص ۱۵۲-۱۵۵، سنن ترمذی ج ۲ ص ۸ بسند ابن عمر بود، سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۵۴ بسند انس مینز، سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۴۵۴، مقدمہ سنن دارمی ج ۱ سند ابن عمرو بریدہ و جابر و ابوسعید و ابن عباس رضی اللہ عنہم ص ۱۵ تا ۱۹ - یہاں آگے آنے والی مختلف روایتوں کے حوالہ جات اکٹھے لکھ دیے ہیں۔ ادارہ) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد (نبوی) کھجور کے ستونوں پر سقف (چھتی ہوئی) تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تھے، تو ان میں سے ایک ستون سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے منبر بنایا گیا تو ہم نے اس ستون سے ایسی آواز سنی جیسے اونٹنی بچہ جنتے وقت روتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس کے رونے سے مسجد میں ہلچل مچ گئی اور سہل رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ کثرت سے لوگ رونے لگے، جب اس کو انھوں نے روتے دیکھا، مطلب رضی اللہ عنہ اور ابی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ ستون اتنا رویا کہ وہ پھٹ گیا، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا دست مبارک اس پر رکھا، وہ خاموش ہوا، (ایک اور) دوسرے نے اتنا زیادہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا

دست مبارک اس پر رکھا، وہ خاموش ہوا، دوسرے نے اتنا زیادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ ذکر سے محروم ہونے کی وجہ سے روتا ہے، ایک نے اتنا اضافہ کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر میں اس کو نہ لپٹاتا تو قیامت تک ایسے ہی میرے غم میں روتا رہتا، پھر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو منبر کے نیچے دفن کر دیا جائے۔

اسی طرح مطلب، سہل بن سعد اور اسحاق رحمهم الله کی حدیث میں حضرت انس رضی الله عنه سے مروی ہے اور بعض روایتوں میں سہل رحمه الله سے مروی ہے کہ اس کو منبر کے نیچے دفن کر دیا گیا یا چھت میں لگا دیا گیا، ابی رضی الله عنه کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تو اس کے پاس پڑھتے، پس جب مسجد دوبارہ تعمیر کی گئی تو اس کو ابی رضی الله عنه نے لے لیا وہ انھیں کے پاس رہا، یہاں تک کہ زمین نے اس کو کھا لیا اور ریزہ ریزہ ہو گیا۔

اسفرائنی رضی الله عنه نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو اپنی طرف بلایا تو وہ زمین چیرتا آیا، آپ ﷺ نے اس کو لپٹا لیا، پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ اپنی جگہ چلا گیا۔

بریدہ رضی الله عنه کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر چاہے تو میں تجھے اس باغ میں لوٹا دوں جہاں تو تھا تیری شاخیں اگ آئیں گی تیری پوری نگہداشت ہوگی تیری پتیاں اور پھل پیدا ہو جائیں گے اور اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں بو دوں کہ اس میں تیرے پھل میری جانب سے اولیاء الله کھائیں اور میں ایسی جگہ ہوں گا جہاں کوئی خطرہ نہیں، پھر آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے نزدیکی صحابہ ﷺ نے سنا، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے ایسا کر دیا، پھر فرمایا: دار فنا پر اس نے دار بقا کو پسند کیا۔ (سنن دارمی ج۱ص۱۵)

حسن بصری علیہ الرحمہ جب اس حدیث کو بیان کرتے تو رو پڑتے اور فرماتے: اے الله عزوجل کے بندو!

لکڑی تو رسول اللہ ﷺ کے اس اشتیاق میں جو آپ ﷺ کی نزدیکی میں حاصل تھا، اس کی آرزو مند ہو اور اب تم اس سے زیادہ حق رکھتے ہو کہ آپ ﷺ کے لقا کا شوق کرو۔

اس کو روایت کیا حفص بن عبید اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا جاتا ہے کہ حفص بن عبید اللہ اور ایمن اور ابونضرہ اور ابن مسیب و سعید بن ابی کرب اور کریب و ابوصالح ﷺ نے بھی روایت کیا ہے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بھی اس کو روایت کیا، حسن، ثابت، اسحاق ابن ابی طلحہ ﷺ نے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نافع و ابوحیہ نے روایت کیا اور ابونضرہ و ابووداک نے حضرت ابی سعد رضی اللہ عنہ سے اور عمار بن ابی عمار رضی اللہ عنہ سے انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اور ابوحازم و عباس بن سہل نے سہل ان بن سعد رضی اللہ عنہ سے اور کثیر بن زید رضی اللہ عنہ نے مطلب رضی اللہ عنہ سے ان لوگوں نے روایت کیا جن کا ہم نے ذکر کیا اور ان کے سوا ان سے کئی گنا تابعین نے روایت کی ہے، جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا، اس باب میں ان چند گنتی کے سوا مزید علم بھی حاصل ہو سکتا ہے جو تلاش و محنت کرے، اللہ عزوجل دوستی پر ثابت قدم رکھنے والا ہے۔

سترھویں فصل

جمادات سے متعلق معجزات

اسی طرح ہر قسم کے جمادات میں آپ ﷺ کے معجزات مروی ہیں۔

حدیث: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالا سناد حدیث روایت کی، وہ فرماتے ہیں کہ ہم طعام کی تسبیح سنا کرتے تھے، درآنحالیکہ وہ کھایا جارہا ہوتا اور دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھایا کرتے اور اس کی تسبیح سنا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۲ ص ۱۵۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مٹھی میں کنکریاں پکڑیں تو وہ آپ ﷺ کے دست مبارک میں تسبیح کرنے لگیں یہاں تک کہ ہم نے تسبیح کو سنا، پھر ان کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا تو تسبیح کر رہی تھیں، پھر ہمارے ہاتھ میں دے دیں تو انھوں نے تسبیح بند کر دی۔ (مختصر تاریخ دمشق ج ۲ ص ۱۰۸)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس کی مثل روایت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ کنکریوں نے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ہاتھ میں تسبیح جاری رکھی۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۲۳، کشف الاستار ج ۳ ص ۱۳۵ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۹)

حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھے، تو آپ ﷺ مکہ کے کسی گوشہ میں تشریف لے گئے تو کوئی درخت و پہاڑ ایسا نہ تھا جس نے آپ

ﷺ کو السلام علیک یارسول اللہ نہ کہا ہو۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۲۵۳، مقدمہ دارمی ج ۱ ص ۱۲)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مکہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو مجھ پر سلام پیش کرتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ وہ حجر اسود ہے۔(صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۲ ص ۱۷۸۲)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب میرے پاس جبرئیل علیہ السلام پیغام رسالت لائے تو کوئی پتھر اور درخت ایسا نہ تھا جو ''السلام علیک یارسول اللہ'' نہ کہتا ہو۔(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۶۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ جس پتھر اور درخت پر سے گزر فرماتے تو وہ آپ ﷺ کو سجدہ کرتا۔(دائل اللنبوہ للبیہقی ج ۶ ص ۶۹)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے ان پر اور ان کے بیٹوں پر اپنی چادر ڈالی اور ان کے لیے دوزخ سے پناہ کی دعا مانگی جیسا کہ اس وقت چادر میں پناہ دی تو گھر کے ہر در و بام سے آمین آمین کی آواز آئی۔(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۷۱)

حضرت جعفر بن محمد علیہ الرحمہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام ایک طباق جس میں انار و انگور تھا، لائے تو آپ ﷺ نے اس سے کھایا تو اس نے تسبیح کی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم جبل احد پر جب چڑھے تو اس نے حرکت کی، تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے احد، ٹھہر جا، کیا

نہیں دیکھتا تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۳ ص ۱۰)

اور اسی کے مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کوہ حرا کے واقعہ میں مروی ہے اور اتنا انھوں نے زیادہ کیا کہ آپ کے ساتھ حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے، فرمایا: خبر دار تجھ پر نبی ہے یا صدیق یا شہید۔

اور حدث حرا میں حضرت عثمان ﷺ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے ساتھ دس صحابہ تھے اور میں بھی ان میں تھا اور انھوں نے عبدالرحمن اور سعد رضی اللہ عنہما کا اضافہ کیا اور کہا کہ میں دو صحابی کو بھول گیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۲۸۷)

اور سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں بھی اس کے مثل مروی ہے اور انھوں نے اس کو بیان کیا اور اپنا اضافہ کیا۔ (سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۱۵، سنن ابوداؤد کتاب السنۃ ج ۲ ص ۲۶۴)

یقیناً ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب قریش نے آپ ﷺ کو تلاش کیا تو آپ ﷺ سے کوہ شیر نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم مجھ پر سے اتر جائیے، میں ڈرتا ہوں کہ کہیں آپ ﷺ کو میری پشت پر یہ لوگ قتل نہ کر دیں، پھر اللہ عزوجل مجھے عذاب دے، اس وقت کوہ حرا نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم میری طرف تشریف لائیے۔ (مقدمہ سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۳۸)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ پر تلاوت فرمائی:

﴿ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ﴾ اور انھوں نے اللہ کی قدر نہ کی جیسا کہ اس کا حق تھا۔ (الزمر: ۶۷)

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جبار اپنی بزرگی بیان فرماتا ہے کہ میں جبار ہوں، جبار ہوں، میں بہت بڑی شان والا ہوں، تو منبر کانپنے لگا، حتی کہ ہمیں گمان ہوا کہ آپ ﷺ اس سے گر نہ جائیں۔

(مسند امام احمد ج ۲ ص ۷۲، بخاری و مسلم کما فی تفسیر در منثور)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ خانہ کعبہ کے گرداگرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے جن کے پاؤں پتھروں میں رانگ سے جما دیے گئے تھے، پس جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال مسجد حرام میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ کی لکڑی سے اشارہ کیا در آنحالیکہ ان کو چھوتے نہ تھے اور فرماتے جاتے:

﴿ وَ قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ ﴾

حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ (الاسریٰ:۸۱)

تو آپ ﷺ جس بت کے چہرے کی طرف اشارہ فرماتے وہ پیٹھ کے بل گر پڑتا اور جس کی پیٹھ کی طرف اشارہ کرتے وہ منھ کے بل گر پڑتا، یہاں تک کہ ایک بت بھی باقی نہ رہا (تفسیر در منثور ج۵ ص ۳۲۹)

اور اس کے مثل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ آپ ﷺ نیزہ ان کو مارتے اور فرماتے جاتے: حق آگیا اب باطل ظاہر نہ ہوگا اور نہ لوٹے گا۔

(تفسیر در منثور ج۵ ص ۳۲۹)

اور اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جو ابتداء امر میں راہب کے ساتھ ہے، جب آپ ﷺ اپنے چچا کے ساتھ بغرض تجارت تشریف لے گئے تھے تو ایک راہب تھا جو کسی کے لیے نہیں نکلتا تھا، اب وہ نکلا اور ان کے درمیان آگیا حتی کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر کہا: آپ ﷺ سید العالمین ہیں، اللہ عزوجل آپ (ﷺ) کو رحمۃ للعالمین مبعوث فرمائے گا، اس وقت قریش کے صنادید نے کہا: تم کو کیسے معلوم ہوا؟ اس نے کہا کہ کوئی درخت و پتھر ایسا نہیں جو آپ (ﷺ) کو سجدہ کرتا نہ گرا ہو، حالانکہ وہ نبی کے سوا کسی کو سجدہ کرتے ہی نہیں اور سارا قصہ بیان کیا، پھر کہا کہ رسول اللہ (ﷺ) تشریف لائے، درآنحالیکہ بادل آپ پر سایہ کر رہا تھا، پھر جب آپ قوم کے نزدیک ہوئے تو

انھوں نے پایا کہ وہ درخت کے سایہ کی طرف بڑھ رہے تھے، پھر جب آپ ﷺ نے جلوس فرمایا تو وہ بادل کا سایہ آپ ﷺ پر جھک گیا۔

(سنن ترمذی کتاب المناقب ج۵ ص ۲۵۰، دلائل النبوہ ج۲ ص ۲۵، ۲۴)

اٹھارویں فصل

حیوانات سے متعلق معجزات

حدیث: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالا سناد روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ ہمارے پاس ایک بکری تھی، جس وقت ہمارے یہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما ہوتے تو وہ سکون کے ساتھ اپنی جگہ ٹھہری رہتی، نہ وہ آتی نہ جاتی اور جب آپ ﷺ باہر تشریف لے جاتے تو وہ آتی اور جاتی (پریشان کرتی)۔ (مجمع الزوائد ج۹ ص ۴، دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ ص ۳۱، الخصائص الکبری ج۲ ص ۲۳، مسند امام احمد ج۶ ص ۱۱۳، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج۲ ص ۳۸۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی مجلس میں تشریف فرماتھے کہ اچانک ایک اعرابی گوہ کا شکار لے کر آیا، اس نے پوچھا: آپ (ﷺ) کون ہیں؟ صحابہ نے کہا: اللہ عزوجل کے نبی ہیں، تو اس نے کہا: قسم ہے لات و عزیٰ کی (یہ دونوں عرب کے بڑے بتوں کے نام ہیں) میں آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاؤں گا مگر یہ گوہ ایمان لے آئے اور اس گوہ کو آپ ﷺ کے سامنے پھینک دیا، تب اللہ عزوجل کے نبی ﷺ نے فرمایا: اے گوہ! تو اس نے کھلی

زبان میں آپ ﷺ کو جواب دیا اور تمام لوگوں نے اس کو سنا: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ يَازَيْنَ مَنْ وَّافِي الْقِيَامَةِ: یعنی حاضر ہوں، موجود ہوں، اے زینت ان لوگوں کی جو قیامت کی طرف آنے والے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تو کس کو پوجتی ہے، گوہ نے جواب دیا: اس ذات کو جس کا عرش آسمان میں ہے، جس کی سلطنت زمین میں ہے، جس کا راستہ سمندر میں ہے، جس کی رحمت جنت میں اور دوزخ میں اس کا عتاب ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ رب العالمین کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، بلاشبہ وہ بھلائی پر ہے جس نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور وہ نقصان میں ہے جس نے آپ ﷺ کی تکذیب کی، پھر تو اعرابی مسلمان ہو گیا۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۴، دلائل النبوہ للبیھقی ج ۲ ص ۱۳۸، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۱۳۷، الخصائص الکبری ج ۲ ص ۲۵)

اسی قبیل سے بھیڑیے کے کلام کرنے کا مشہور قصہ ہے حضرت ابی سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں چرا رہا تھا، تو ایک بکری کے سامنے بھیڑیا آگیا اور چرواہے سے کہا: کیا تو اللہ عزوجل سے نہیں ڈرتا کہ تو میرے اور میرے رزق کے درمیان حائل ہو گیا، چرواہے نے کہا: تعجب ہے کہ بھیڑیا انسانوں کی بولی میں کلام کرے، اس وقت بھیڑیے نے کہا: کیا میں تجھ کو اس سے زیادہ تعجب خیز بات نہ بتاؤں کہ رسول اللہ ﷺ دونوں ٹیلوں کے درمیان لوگوں کو گزری ہوئی غیبی خبریں بتا رہے ہیں، تب وہ چرواہا نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس کی خبر دی، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کھڑے ہو کر لوگوں کو یہ بات بتا دے، پھر فرمایا: اس نے سچ کہا، آخر حدیث تک، اس میں ایک قصہ ہے اور بعض حدیث لمبی (مضمون زیادہ) ہے۔

(مسند امام احمد، طبقات ابن سعد، بزار، مستدرک، دلائل النبوہ للبیھقی، لابی نعیم، الخصائص الکبری ج ۲ ص ۲۱)

بھیڑیے کی حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا گیا ہے اور بعض سندوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ بھیڑیے نے کہا: تو بہت عجیب ہے کہ تو اپنی بکریوں پر کھڑا ہے اور ایسے نبی علیہ السلام کو چھوڑے ہوئے جبکہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ سے بڑھ کر مرتبہ میں بھی کسی نبی علیہ السلام کو نہ بھیجا بیشک ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیے ہیں اور جنت کے رہنے والے ان کے اصحاب کو لڑتا دیکھ رہے ہیں اور تیرے اور ان کے درمیان صرف یہ گھاٹی حائل ہے، اب تو بھی اللہ عزوجل کے لشکروں میں سے ہو جا۔ چرواہے نے کہا: میری بکریوں کا کون محافظ ہے؟ بھیڑیے نے کہا: میں ان کو چراتا ہوں، یہاں تک کہ تو واپس آئے، تو وہ اپنی بکریاں اس کے سپرد کر کے چلا گیا اور اس (بھیڑیے) کا قصہ بیان کیا اور اسلام لایا اور حضور ﷺ کو پایا کہ آپ ﷺ جہاد کر رہے تھے۔

اس وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو اپنی بکریاں گن لے ان کو پورا پائے گا، تو اس نے ایسا ہی پایا اور بھیڑیے کے لیے ان میں سے ایک بکری ذبح کر دی۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ٦ ص ٣٩، الخصائص الکبری ج ٢ ص ٢٢)

اھبان (الخصائص الکبری ج ٢ ص ٦١، دلائل النبوہ للبیہقی ج ١ ص ٣٣) بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہی اس قصہ کے صاحب تھے، وہ اس کو بیان کرتے اور بھیڑیے کی باتیں ذکر کرتے تھے، سلمہ بن عمر بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے، وہی اس قصہ کے صاحب تھے، وہ اس کو بیان کرتے اور بھیڑیے کی باتیں ذکر کرتے تھے اور ان کے اسلام کا سبب ابی سعید رضی اللہ عنہ کے مثل حدیث بنی ہے۔

اسی طرح ابن وہب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ابی سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ رضی

اللہ عنہما کا قصہ بھیڑیے کے ساتھ ہوا ہے، ان دونوں نے اس کو پایا کہ وہ ایک ہرن پکڑنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا، وہ ہرن حرم میں داخل ہو گیا تو بھیڑیا لوٹ گیا، دونوں نے اس سے تعجب کیا، بھیڑیے نے کہا: اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ محمد بن عبداللہ ﷺ مدینہ میں تم کو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور تم ان کو دوزخ کی طرف بلاتے ہو، ابوسفیان نے کہا: قسم ہے لات وعزیٰ کی اگر تو نے اس کا مکہ میں تذکرہ کیا ہوتا تو ضرور اہل مکہ گھر خالی کر دیتے (اور مدینہ چلے جاتے) اسی طرح ایک خبر مروی ہے کہ ابو جہل اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے بت ضمار کے کلام کرنے سے تعجب کیا کہ اس بت نے اشعار میں نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا تھا، تو اس وقت ایک پرندہ اترا اور کہا: اے عباس (رضی اللہ عنہ)! ضمار کے کلام کرنے سے تعجب کر رہے ہو اور اپنے نفس پر تعجب نہیں کرتے کہ رسول اللہ ﷺ تو اسلام کی دعوت دیں اور تم بیٹھے رہو، یہی واقعہ آپ کے اسلام لانے کا سبب بنا۔

(طبرانی کبیر، کمافی مناہل الصفاص ۱۳۰)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک مرد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ پر ایمان لایا درآنحالیکہ آپ ﷺ خیبر کے ایک قلعہ میں تشریف فرما تھے اور وہ مرد بکریوں کے ریوڑ میں تھا جو اہل خیبر کی بکریاں چراتا تھا، اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم بکریوں کا کیا ہوگا؟ فرمایا: ان کے منھ میں کنکریاں بھر دے، اللہ عزوجل بہت جلد تجھے تیری امانت ادا کر دے گا اور ان کے مالکوں کی طرف بھیج دے گا تو اس نے ایسا ہی کیا تو ایک ایک کر کے ساری بکریاں ان کے مالکوں کے گھر چلی گئیں۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج۴ ص ۲۲۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے وہاں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ

عنہما اور ایک انصاری مرد موجود تھے اور باغ میں ایک بکری بھی تھی تو اس نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا تو حضرت ابوبکر ﷺ نے عرض کیا: اس سے زیادہ ہم مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کو سجدہ کریں، آخر حدیث تک۔ (مجمع الزوائد ج ۹ ص، مسند امام احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں تشریف لے گئے، تو ایک اونٹ آیا اس نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا اور اس طرح بیان کیا اور اسی طرح اونٹ کے بارے میں حضرت ثعلبہ بن ابی مالک اور جابر بن عبداللہ اور یعلی بن مرہ اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۵۷، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۸۲، مستدرک ج ۲ ص ۲۱۷، سنن ابوداؤد کتاب الجہاد ج ۲ ص ۴۰۰) سے مروی ہے اور ہر ایک بیان کرتا ہے کہ جو بھی باغ میں داخل ہوتا وہ اونٹ اس پر حملہ کرتا لیکن جب نبی کریم ﷺ اس کے پاس گئے تو اس کو چپکارا اور اس نے اپنے ہونٹ زمین پر رکھ دیے اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے اس کے نکیل ڈال دی، اس وقت فرمایا: آسمان و زمین کے درمیان کوئی چیز ایسی نہیں مگر یہ کہ وہ جانتی ہے کہ میں اللہ عزوجل کا رسول (ﷺ) ہوں، سوائے نافرمان جنات و انسان کے، اس طرح عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

اونٹ کے بارے میں دوسری حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹ کا حال لوگوں سے پوچھا، تو انھوں نے بتایا کہ وہ اس کے ذبح کرنے کا قصد کر رہے تھے، ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اونٹ نے کام کی زیادتی اور چارہ کی کمی کی شکایت کی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے مجھے شکایت کی ہے کہ تم اس کے بچپنے سے سخت سے سخت کام لینے کے بعد اب ذبح کرنے کا ارادہ کرر ہے ہو، انھوں نے کہا: ہاں۔

حضور ﷺ کی اونٹنی عضباء کے کلام کرنے کے قصہ میں مروی ہے کہ اس نے آپ ﷺ سے اپنا

حال عرض کیا اور یہ کہ چرنے میں اس کی طرف دوسرے جی کرتے ہیں اور وحشی جانور کنارہ کش ہو کر کہتے ہیں کہ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی ہے، وہ اونٹی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد کھانا پینا چھوڑ کر (غم میں) مر گئی، اسفرائنی علیہ الرحمہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ ابن وہب علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ کے کبوتروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سایہ کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو دعائے برکت دی تھی۔

حضرت انس اور زید بن ارقم اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے (بوقت ہجرت) غار والی رات میں ایک درخت کو حکم دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے (غار) کے سامنے وہ اگے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھاک لے اور کبوتروں کے ایک جوڑے کو حکم دیا تو وہ غار کے کنارے بیٹھ گئے اور ایک روایت میں ہے کہ مکڑی (عنکبوت) کو حکم دیا کہ وہ غار کے دہانے پر جالا تن دے، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلاش کرنے والے آئے اور انھوں نے اس کو دیکھا تو کہنے لگے، اگر اس میں کوئی ہوتا تو اس کے دہانے پر کبوتروں کا جوڑا نہ ہوتا، حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی گفتگو سن رہے تھے، تو وہ لوٹ گئے۔

(طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۸۸، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۳۲۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۴۸۲)

حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پانچ یا چھے یا سات اونٹ لائے گئے تاکہ عید قربان کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ذبح فرمائیں، تو ان میں سے ہر ایک کوشش کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے اسے ہی ذبح کریں۔ (مستدرک ج ۴ ص ۲۲۱)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ اسے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صحرا میں تشریف فرما تھے، تو ایک ہرنی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ندا دی: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا بات ہے؟ اس نے کہا: اس اعرابی نے مجھ کو شکار کر لیا، حالانکہ میرے اس پہاڑ پر دو بچے ہیں، تو آپ

ﷺ مجھے آزاد کرا دیجیے تا کہ جا کر دودھ پلا آؤں، آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو ایسا کرے گی؟ ہرنی نے کہا: ہاں، تو آپ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا تو وہ گئی اور واپس آگئی، آپ ﷺ نے اسے باندھ دیا، اتنے میں اعرابی جاگ گیا اور کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم کیا آپ (ﷺ) کو اس کی ضرورت ہے، فرمایا: اس ہرنی کو چھوڑ دو، وہ دوڑتی ہوئی جنگل میں چلی گئی اور کہتی جا رہی تھی: "أشهد أن لا إله إلا الله وإنك رسول الله"۔ (الخصائص الکبری ج۲ ص۲۰)

اور اس باب میں یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غلام سفینہ کو شیر نے گھیر لیا جبکہ آپ ﷺ نے ان کو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف یمن بھیجا تھا، جب وہ شیر کے سامنے ہوئے تو اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں اور آپ ﷺ کا خط ساتھ ہے، تو اس نے کندھے ہلائے اور راستہ پر لگا (راستہ بتا) دیا۔ ''منصرف'' میں اسی کی مثل تذکرہ ہے۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج۴ ص۴۶)

اور ایک روایت میں ہے کہ کشتی ٹوٹ گئی تھی تو وہ ایک جزیرے کی طرف نکل گئے جس میں شیر تھا، تو میں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں، تو اس نے اپنے کندھوں سے اشارہ کیا یہاں تک کہ مجھے راستہ پر لا کھڑا کیا۔

(دلائل النبوۃ ج۲ ص۴۵، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج۲ ص۵۸۴، مجمع الزوائد ج۹ ص۳۲۲، مستدرک ج۳ ص۲۰۶)

حضور ﷺ نے قبیلہ عبدالقیس کی ایک بکری کے کان اپنی دونوں انگلیوں سے پکڑے پھر اس کو چھوڑ دیا تو وہ اس کی علامت بن گئی اور یہ علامت اس میں اور اس کی نسل میں پیدا ہو گئی۔ ابراہیم بن حماد علیہ الرحمہ سے ان کی سند کے ساتھ مروی ہے کہ ایک گدھے نے آپ ﷺ سے کلام کیا جبکہ آپ ﷺ نے اس کو خیبر میں پایا تھا، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: یزید بن

شہاب، پھر آپ ﷺ نے اس کا نام یعفور رکھا۔

آپ ﷺ اس کو اپنے صحابہ کے گھروں میں بھیجتے تھے اور وہ ان کے دروازوں پر سر مارتا اور ان کو بلاتا تھا، آپ ﷺ کی کے وصال کے بعد وہ چیختا چلاتا کنویں میں گر کر مر گیا۔ (الخصائص الکبری ج۲ص۲۴)

حدیث میں مروی ہے کہ ایک اونٹنی نے آپ ﷺ کی خدمت میں گواہی دی تھی کہ اس کے مالک نے اس کو چرایا نہیں بلکہ (جائز طریقہ پر) اس کی ملک ہے۔ (الخصائص الکبری ج۲ص۵۸)

اور حدیث میں مروی ہے کہ ایک بکری آپ ﷺ کی خدمت میں آپ ﷺ کے لشکر میں آئی اور صحابہ پیاسے تھے، کیونکہ انھوں نے ایسی جگہ پڑاؤ نہیں کیا تھا جو پانی کی جگہ ہوتی اور وہ تین سو افراد تھے، تو آپ ﷺ نے اس کا دودھ دوہا اور تمام لشکر کو اس سے سیراب کیا، آپ ﷺ نے رافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تو اس کا مالک بن لیکن میں تجھ کو ایسا دیکھتا نہیں (تو مالک نہ رہے گا) تو رافع رضی اللہ عنہ نے اس کو باندھ لیا، پھر جو دیکھا تو وہ کھل کر کہیں چلی بھی گئی۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ص۱۳۷)

اس حدیث کو ابن قانع رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی روایت کیا اور اس میں ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اسے لایا تھا وہی اس کو لے گیا۔

ایک سفر میں جب آپ ﷺ نماز کو کھڑے ہوئے تو اپنے گھوڑے سے فرمایا: خدا تجھ کو برکت دے جب تک ہم نماز سے فارغ نہ ہوں، جانا نہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو (مثل سترہ) موضع سجود کے آگے کھڑا کر دیا تو اس نے اپنے کسی عضو کو حرکت نہ دی یہاں تک کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے، اس کے ساتھ وہ روایت ہے جس کو واقدی علیہ الرحمہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے جب اپنے قاصدوں کو بادشاہوں کے پاس بھیجا اور ایک دن میں چھ قاصد روانہ کیے، جب انھوں نے صبح کی تو

ان میں ہر ایک اس زبان میں بات کرتا تھا جس قوم کے بادشاہ کی طرف اس کو بھیجا گیا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی ج ۱۴، ص ۳۳۸)

اس باب میں بکثرت احادیث مروی ہیں، ہم ان میں سے صرف دو مشہور حدیثیں لائے ہیں جن کو ہمارے ائمہ رحمھم اللہ نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

انیسویں فصل

مردوں کو زندہ کر کے کلام فرمانا، چھوٹے و شیر خوار بچوں سے کلام فرمانا اور ان سے اپنی نبوت کی شہادت دلوانا

حدیث: حضرت ابو ہریرہ (سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۲۴۹، ۲۴۸) سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی عورت نے خیبر میں ایک بھنی ہوئی بکری حضور ﷺ کی خدمت میں خاص طور پر ہدیہ بھیجی، تو آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے صحابہ نے اس میں سے کھایا، دوران طعام آپ ﷺ نے فرمایا: اپنے اپنے ہاتھ کھینچ لو، اس (بکری) نے مجھے خبر دی ہے کہ یہ زہریلی ہے اور اس زہر کے اثر سے بشر ابن براء رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے، آپ ﷺ نے یہودیہ سے پوچھا: تجھ کو اس پر کس نے برانگیختہ کیا، اس نے کہا: اگر آپ نبی علیہ السلام ہیں تو میری اس زہر آلودہ بکری سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور اگر آپ بادشاہ ہیں تو میں آپ سے لوگوں کو نجات دلاؤں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حکم دیا، چنانچہ وہ (بشر ابن براء رضی اللہ عنہ کے قصاص میں) قتل کر دی گئی۔

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے، اس میں ہے کہ اس یہودیہ نے کہا: میں نے آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ہرگز ایسا نہیں کہ تجھ کو اس پر قدرت دے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ہم اس کو قتل کر دیں؟ فرمایا: نہیں۔

اور ایسا ہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوب رضی اللہ عنہ (سنن ابوداؤد ج۴ ص۶۴۸) کے سوا دوسری روایت میں مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے درپے نہ ہو جاؤ اور یہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں ہے ک مجھ کو اس بکری کی کلائی نے خبر دی ہے اور فرمایا: اس کو سزا دو اور حسن علیہ الرحمہ کی روایت میں ہے کہ اس کی ران نے کہا کہ وہ مسموم (زہریلی) ہے اور ابو سلمہ بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اس بکری نے کہا: میں زہر آلود ہوں، اسی طرح ابن اسحاق علیہ الرحمہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ اس کو چھوڑ دیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری کتاب الھبہ ج۳ ص۱۴۳) کی دوسری روایت میں ہے کہ ہمیشہ اس زہر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لُہات (حلق کا کوا) میں پہچانتا رہا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے اپنے اس دور میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا، فرمایا: خیبر کا وہ لقمہ بار بار ہمیشہ اپنا اثر دکھاتا رہتا ہے، پس اب وقت آگیا ہے کہ وہ میری شہ رگ کاٹ دے۔

(سنن ابوداؤد کتاب الدیات ج۴ ص۶۵۱)

ابن اسحاق علیہ الرحمہ نے بیان کیا کہ مسلمان جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال شہادت سے ہوا ہے باوجودیکہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت عطا فرمائی۔

بیشک ہم نے اس بارے میں مختلف روایتیں بیان کر دی ہیں، جو حضرت ابوہریرہ، انس، جابر رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ اس یہودیہ کو بشر

بن براء رضی اللہ عنہ کے ورثا کے سپرد کر دیا، انھوں نے اسے قصاص میں قتل کر دیا۔

(طبقات ابن سعد ج اص ۱۷۲)

اسی طرح اس شخص کے قتل میں اختلاف ہے جس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا، واقدی علیہ الرحمہ کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس کو معاف کر دینے کی روایت زیادہ ثبوت کو پہنچی ہے اور ان میں سے یہ بھی مروی ہے ک آپ ﷺ نے اس کو قتل کرا دیا تھا اور بزار علیہ الرحمہ نے ابی سعید رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی اور اس کے مثل بیان کیا مگر یہ کہ اس کے آخر میں کہا کہ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا: بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ، پس ہم نے بسم اللہ پڑھ کر کھایا اور کسی کو کوئی ضرر نہ پہنچا۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۵)

ائمہ نظر رحمھم اللہ کا اس باب میں اختلاف ہے، بعض کا مذہب یہ وہ کلام ہے جس کو اللہ عزوجل مردہ بکری اور پتھر و درخت میں پیدا فرما دیتا ہے اور وہ حروف و آواز ہیں کہ ان میں وہ پیدا کر دیتا ہے جو بغیر کسی اشکال اور نقل ہیئت کے ان سے مسموع ہوتی ہیں، یہی مذہت ہے شیخ ابوالحسن اور قاضی ابو بکر رحمھم اللہ کا، اور دیگر ائمہ نظر کا یہ مذہب ہے کہ ان میں پہلے نئی زندگی پیدا کی جاتی ہے پھر وہ کلام کرتے ہیں، ہمارے شیخ ابوالحسن علیہ الرحمہ سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک میں احتمال ہے، واللہ اعلم۔

اس لیے کہ ہم وجود حروف و آواز کے لیے حیاۃ شرط نہیں کہتے کیونکہ کلام نفسی بغیر حیات کے پایا نہیں جاتا، اس میں جبائی علیہ الرحمہ کا اختلاف ہے جو تمام متکلّمین کے خلاف ہے، وہ کلام لفظی اور حروف واصوات (آوازوں) کے وجود کو سوائے اس زندہ کے جو اس ترکیب سے مرکب ہے کہ جس سے حروف و اصوات کے ساتھ گویائی صحیح ہو، محال کہتا ہے اور میں نے کنکریوں، اونٹ اور کلائی (ذراع) وغیرہ کے کلام کرنے میں التزام کیا ہے نہیں مانتے کیونکہ ان کا وجود فقط حیات کے معدوم ہونے کے

ساتھ محال نہیں لیکن جب ان کو کلام نفسی کہا جائے تو اس کے لیے حیات شرط ہے۔

وہ کہتا ہے کہ بیشک اللہ عزوجل نے اس میں حیات پیدا کی اور اس کو منھ اور زبان دی اور وہ آلات پیدا کیے جن سے وہ کلام کر سکے اور اگر یہ بات یونہی ہوتی تو یقیناً اس کی نقل اور اس کا اہتمام تسبیح یا اس کے رونے کے اہتمام سے زیادہ تاکیدی ہوتا، حالانکہ اس بارے میں کسی مورخ و اہل سیر نے کچھ نقل نہ کیا، لہذا اس میں یہ دعوی ساقط الاعتبار ہے، اس کے باوجود غور و فکر کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اللہ عزوجل ہی توفیق ہدایت فرمانے والا ہے۔ وکیع علیہ الرحمہ فہد بن عطیہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک بچہ لایا گیا جو جوان ہو گیا تھا اور قطعاً کلام نہیں کرتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا، میں کون ہوں؟ اس نے کہا: آپ اللہ کے رسول (ﷺ) ہے۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج۶ ص۶۰)

معرض بن معیقیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے ایک عجیب بات دیکھی کہ بچہ جس دن وہ پیدا ہوا، آپ کے پاس لایا گیا پہلی حدیث کے موافق بیان کی ا، یہ حدیث مبارک یمامہ رضی اللہ عنہ کی ہے اور یہ حدیث اس کے راوی شاصونہ کے نام سے مشہور ہے۔

اس میں ہے کہ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تو نے سچ کہا، اللہ عزوجل تجھ کو برکت دے، پھر اس کے بعد اس بچہ نے جوان ہونے تک کوئی بات نہ کی اور اس بچہ کا نام مبارک یمامہ رکھ دیا گیا، یہ واقعہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ کا ہے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج۶ ص۵۹)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور بیان کیا کہ اس نے ایک بچی فلاں جنگل میں چھوڑ دی تھی، تب آپ ﷺ اس کے ساتھ اس طرف تشریف لے گئے اور اس کو اس کے نام کے ساتھ پکارا، اے فلانی اللہ عزوجل کے حکم سے میرا جواب

دے، پس وہ یہ کہتی نکلی، لبیک و سعدیک (حاضر ہوں، حاضر ہوں) آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے ماں باپ تو دونوں مسلمان ہو گئے، اب اگر تو چاہتی ہے تو تجھ کو ان دونوں کی طرف لوٹا دوں، لڑکی نے کہا مجھے ان دونوں کی حاجت نہیں، میں نے اللہ عزوجل کو ان دونوں سے بہتر پایا۔ (یہاں پر یہ خیال رہنا چاہیے کہ زمانہ جاہلیت میں دستور تھا کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ (مترجم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک انصاری جوان فوت ہو گیا، اس کی ایک اندھی بوڑھی ماں تھی، ہم نے اس جوان کی تجہیز و تکفین کی اور اس کو تسلی دی، اس بوڑھی نے کہا کہ میرا بیٹا مر گیا، ہم نے کہا: ہاں، بوڑھی نے کہا: اے خدا اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیری طرف اور تیرے رسول ﷺ کی طرف اس امید پر ہجرت کی ہے کہ تو میری ہر مصیبت میں مدد کرے گا تو تو مجھے اس مصیبت کے بوجھ میں ہرگز نہ ڈالے گا، پھر کچھ دیر نہ گزری کہ جوان نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹایا اس نے کھانا کھایا اور ہم نے بھی کھایا۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ص۵۰)

عبداللہ بن عبید اللہ انصاری رضی اللہ عنہ ان سے منقول ہے کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کو دفن کیا تھا اور وہ یمامہ میں شہید ہوا تھا، جب ہم نے اس کو قبر میں اتارا تو وہ کہہ رہے تھے کہ محمد ﷺ اللہ عزوجل کے رسول اور ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق، عمر رضی اللہ عنہ شہید عثمان رضی اللہ عنہ نیکوکار اور رحیم ہیں، پھر ہم نے جب غور سے دیکھا تو وہ مردہ تھے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں مردہ ہو کر گر پڑے، ان کو اٹھایا گیا اور کپڑا ڈال دیا گیا، مغرب و عشاء کے درمیان جب عورتیں اس کے گرو بین (چیخنا چلانا) کر رہی تھیں تو یہ کہتے سنا: خاموش ہو جاؤ، خاموش ہو جاؤ، اس وقت

اس کے چہرے سے کپڑا ہٹایا گیا، تب اس نے کہا: محمد ﷺ اللہ عزوجل کے رسول نبی امی اور خاتم النبیین ہیں اور یہ بات پہلی کتابوں میں مکتوب ہے، پھر کہا کہ حضور ﷺ نے سچ فرمایا، سچ فرمایا اور اس نے حضرت ابوبکر و عثمان رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا، پھر کہا السّلام علیک یا رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، پھر دوبارہ وہ ایسے مردہ ہو گئے جیسے کہ تھے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۵۷-۵۲)

بیسویں فصل

بیماروں اور مریضوں کو تندرست کرنا

حدیث: ابن قتادہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے اور ایک جماعت صحابہ نے احد کا طویل قصہ بیان کیا اور ابن اسحاق علیہ الرحمہ نے کہا کہ ہمارے مشائخ مذکورین نے کہا کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (سنن ترمذی کتاب المناقب ص ۳۱۴، الخصائص الکبری ج ۱ ص ۲۱۵) فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ مجھ کو ایسا تیر دیا کرتے کہ جس کا لوہا نہ ہوتا تھا، پھر فرماتے: (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۷) اس کو پھینکو اور وہ تیر کام کرتا (یہ آپ کا معجزہ تھا) اور رسول اللہ ﷺ نے اس دن اپنی کمان سے اتنے تیر چلائے کہ وہ ٹوٹ گئی اور اس دن قتادہ یعنی ابن نعمان رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں تیر لگا، یہاں تک کہ وہ حلقہ سے باہر نکل کر رخسار پر آ پڑی، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنے مقام پر لوٹا دیا، تو وہ آنکھ دوسری سے بہت اچھی ہو گئی۔

عاصم بن عمر بن قتادہ اور یزید بن عیاض بن عمر بن قتادہ رضی اللہ عنہما نے قتادہ رضی اللہ عنہ کے قصے کو بیان کیا اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ذی قرد (جگہ کا نام ہے) کے دن ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر جہاں تیر کا زخم تھا، لعاب دہن آپ ﷺ نے لگایا، ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ پر نہ زخم کا اثر رہا اور نہ پیپ پڑی۔ (بیہقی ج ۱، ص ۲۵۰)

نسائی علیہ الرحمہ نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کی، ایک نابینا (اندھے) نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! اللہ عزوجل سے دعا کیجیے کہ میری آنکھوں کی روشنی کھول دے، آپ

ﷺ نے فرمایا: جاؤ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھو، اس کے بعد یہ دعا پڑھو: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ وَأَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَامُحَمَّدُ إِنِّي أَتَوَجَّهُ بِكَ إِلٰى رَبِّكَ أَنْ يَّكْشِفَ عَنْ بَصَرِيْ اَللّٰهُمَّ شَفِّعْهُ فِيَّ: اے اللہ عزوجل! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف اپنے نبی محمد ﷺ جو نبی رحمت ہیں کے ذریعہ متوجہ ہوتا ہوں اے محمد صلی اللہ علیک وسلم میں آپ ﷺ کے ذریعے آپ ﷺ کے رب عزوجل کی طرف متوجہ ہوتا ہوں کہ وہ میری روشنی کھول دے، اے خدا میرے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت قبول فرما۔

راوی کا بیان ہے کہ وہ اس حال میں واپس آیا کہ اللہ عزوجل نے اس کی آنکھیں روشن کر دی تھیں۔

(سنن ترمذی کتاب الدعوات ج۵ ص ۲۲۹، سنن ابن ماجہ ج۱ ص ۱۴۴۱ عمل الیوم واللیلۃ ص ۲۰۵-۲۰۴)

منقول ہے کہ ایک نیزے باز کے لڑکے کو مرض استقاء ہو گیا تھا، تو اس نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں قاصد بھیجا، پھر آپ نے ایک مٹھی زمین کی مٹی لے کر اس پر تھوکا پھر اس کے قاصد کو دے دیا، اس نے متحیر ہو کر لیا، وہ گمان کرتا تھا کہ (معاذاللہ) اس سے تمسخر کیا گیا ہے، تو وہ اس کو لے کر آیا در آنحالیکہ مریض قریب مرگ تھا، تو اس کو (گھول کر) پلادیا، اللہ عزوجل نے اس کو تندرست کر دیا۔

(واقدی کتاب المغازی ج۱ ص ۳۵۰، دلائل النبوۃ لابی نعیم ص ۵۱۲)

عقیلی علیہ الرحمہ نے حبیب ابن فویک رضی اللہ عنہ (جن کو فریک کہا جاتا ہے) سے روایت کی ہے کہ ان کے والد کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں (یعنی پانی اتر کر روشنی جاتی رہی تھی) حتیٰ کہ دونوں سے کچھ نظر نہ آتا تھا، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی دونوں آنکھوں میں پھونک ماری (لعاب دہن ڈالا) تو وہ روشن (بینا) ہو گئی، میں نے ان کو دیکھا کہ وہ سوئی میں ڈورا ڈال لیا کرتے تھے، حالانکہ ان کی عمر اسی سال کی تھی۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ ص ۱۷۳)

کلثوم بن حصین رضی اللہ عنہ کے گلے میں غزوہ احد کے دن تیر لگا تو رسول اللہ ﷺ نے اس میں لعاب دہن لگایا وہ اس وقت اچھے ہو گئے۔

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کے زخم پر آپ ﷺ نے لب مبارک لگایا تو اس کی پیپ جاتی رہی۔ (زخم اچھے ہو گئے)۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۹۸)

حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کی آنکھوں میں آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا در آنحالیکہ ان کی آنکھیں پر آشوب تھیں تو انھوں نے صحت کے ساتھ صبح کی۔ (بخاری ج ۵ ص ۱۹، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۸۷)

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی کے زخم پر خیبر کے دن آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا تو وہ اس وقت اچھی ہو گئی۔ (صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۱۰، سنن ابوداؤد کتاب الطب ج ۴ ص ۲۱۹)

اور زید بن معاذ رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں اس وقت لعاب دہن لگایا جبکہ اس نے کعب بن اشرف کو قتل کیا تھا اور اس نے ان کی ایڑھی پر تلوار ماری تھی تو وہ اس وقت اچھے ہو گئے۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۳ ص ۱۹۹-۱۹۲- واقدی کتاب المغازی ج ۱ ص ۱۸۷)

علی بن حکم رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر غزوہ خندق کے دن جبکہ وہ ٹوٹ گئی تھی آپ ﷺ نے لعاب دہن لگایا تو وہ اس جگہ تندرست ہو گئے اور اپنے گھوڑے سے اترے بھی نہیں۔

(امام بغوی فی معجم کمافی مناہل الصفاء ص ۱۳۷)

حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور ﷺ سے ایک بیماری کی شکایت کی، آپ ﷺ نے دعا مانگی اور کہا: اے اللہ عزوجل ان کو شفا دے یا فرمایا: ان کو آرام دے، پھر آپ ﷺ نے پائے اقدس سے ایک ضرب لگائی، اس کے بعد کبھی ان کو اس درد کی شکایت نہ ہوئی۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۱۷۹)

معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ (جو تیرہ سالہ مجاہد تھے) کا ہاتھ ابو جہل نے بدر کے دن کاٹ ڈالا تو وہ اپنا ہاتھ اٹھا کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعاب دہن لگا کر جوڑ سے ملا دیا تو وہ جڑ گیا، اس کو ابن وہب رضی اللہ عنہ نے روایت کیا۔

ان کی روایت میں یہ بھی ہے کہ حبیب بن یساف رضی اللہ عنہ کو بدر کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کے کندھوں پر تلوار کی ایک ضرب پڑی جس سے وہ لٹک گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے مقام پر لوٹا کر اس پر لعاب دہن لگا دیا، حتی کہ بالکل تندرست ہو گیا۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۶ ص ۱۷۸)

قبیلہ خثعم کی ایک عورت ایک بیمار بچے کو ساتھ لے کر خدمت میں حاضر ہوئی وہ کلام نہیں کرتا تھا، آپ ﷺ نے پانی منگوایا تو آپ ﷺ نے پانی سے منھ دھویا اور اپنے دونوں دست مبارک دھو لیے، پھر وہ پانی اس کو دیا اور اس کو پینے اور جسم پر ملنے کا حکم دیا، تو وہ بچہ اس وقت تندرست ہو گیا اور عقل مند ہو گیا اور دوسروں سے زیادہ عقل والا ہو گیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۴۹۲، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۴۶۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت پاگل بچے کو لے کر آئی، آپ ﷺ نے اس کے سینہ کو ملا، اس کو زور کی کھانسی آئی اور اس کے پیٹ میں سے کوئی ایسی چیز نکلی جو سیاہ کتے کے بچے کی مانند ہو اور بھاگ گئی۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۶ ص ۱۸۷)

محمد ابن حاطب رضی اللہ عنہ جب وہ بچہ تھا تو اس کے ہاتھ (کلائی) پر گرم ہانڈی لوٹ گئی تھی، آپ ﷺ نے اس کو دست مبارک سے مسح کیا اور اس کے لیے دعا فرمائی اور اس پر لب لگایا تو وہ اسی وقت اچھا ہو گیا۔

(تحفۃ الاشراف ج ۸ ص ۳۵۵، عمل الیوم واللیلۃ ص ۲-۷۷-۲۹۵، دلائل النبوللبیہقی ج ۲ ص ۱۷۴)

شرجیل جعفی رضی اللہ عنہ کی ہتھیلی پر رسولی ہو گئی تھی جو تلوار اور گھوڑے کی لگام پکڑنے سے روکتی تھی، نبی کریم ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ اپنے دست مبارک سے ملتے رہے یہاں تک وہ جاتی رہی اور اس کا کوئی نام ونشان تک باقی نہ رہا۔

ایک لونڈی نے آپ ﷺ سے اس وقت کھانا مانگا جب کہ آپ ﷺ تناول فرما رہے تھے، آپ ﷺ نے اس کو اپنے آگے سے کھانا اٹھا کر دینا چاہا، اس میں چونکہ حیا کم تھی، عرض کیا: میری مراد یہ ہے کہ اپنے منھ کا لقمہ مرحمت فرمادیں، تو آپ ﷺ نے وہی نکال کر عنایت فرمادیا، آپ ﷺ کی عادت کریمہ یہی تھی، آپ ﷺ سے کوئی سوال کیا جائے آپ ﷺ اس کو رد نہ فرماتے تھے پس جب وہ لقمہ طیبہ اس کے پیٹ میں گیا تو وہ ایسی حیادار بن گئی کہ مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر کوئی حیادار عورت نہ بھی۔ (طبرانی کبیر ج ۸ ص ۲۷۵، ۲۳۲)

اکیسویں فصل

اجابت دعا

حضور ﷺ کی دعاؤں کے قبول ہونے کا باب بہت وسیع ہے اور لوگوں کے لیے آپ ﷺ کی دعائیں ان کے نفع و نقصان میں تواتر کے ساتھ ثابت ہیں، فی الجملہ یہ بدیہی معلوم ہے۔

بلاشبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کے لیے دعا فرماتے تو وہ دعا اس کے لیے اور اس کے بیٹے اور پوتوں کے لیے ہوتی۔ (مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۶۸)

حدیث: حضرت انس ﷺ سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم انس (رضی اللہ عنہ) آپ ﷺ کا خادم ہے، اس کے لیے اللہ عزوجل سے دعا فرمائیے، تو آپ ﷺ نے دعا مانگی: اے اللہ عزوجل اس کے مال و اولاد میں کثرت عطا فرما اور جو تو اس کو دے اس میں برکت مرحمت فرما۔

(صحیح بخاری کتاب الدعوات ج۸ ص ۱۳، صحیح مسلم کتاب الفصائل ج۴ ص ۱۹۲۸، مسند امام احمد ج۳ ص ۲۴۸-۱۰۸-۱۸۸)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم میرے پاس بہت مال ہے اور میرے بیٹے اور پوتے آج سو کے قریب ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ میں نہیں جانتا کوئی مجھ سے زیادہ عیش و آرام میں ہو، میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے سو بیٹوں کو دفن کیا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ کچے گرے تھے یا وہ پوتے تھے، (مطلب یہ کہ وہ میری اپنی اولاد تھی۔ ادارہ) لیکن ان میں سے حضور ﷺ کی دعائے برکت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لیے ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں پتھر اٹھاتا تو مجھے امید ہوتی کہ اس کے نیچے سونا ہوگا، اللہ عزوجل نے ان کو بہت مال دیا، جب وہ فوت ہوئے تو ان کے ترکہ سے وہ سونا جو سونا زمین میں دبا ہوا تھا پھاوڑے سے نکالا گیا یہاں تک کہ ہاتھ سرخ ہو گئے اور ان کی چاروں بیویوں کو اسی اسی ہزار دینار دیے گئے اور ایک روایت میں ایک ایک لاکھ دینار، بعض کہتے ہیں کہ ایک عورت سے اس ہزار دینار پر صلح کی گئی تھی کیونکہ اس کو بیماری میں طلاق دے دی تھی اور زندگی میں مختلف صدقات مشہورہ اور احسانات عظیمہ کے بعد پچاس ہزار کی وصیت کی تھی۔

ایک دن میں غلام آزاد کیے اور ایک مرتبہ سات سو اونٹ جو مختلف سامان سے لدے ہوئے ان کے پاس آئے تھے، مع ان تمام سامان، پالان و پوشش وغیرہ کے صدقہ کر دیے (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۴۴۶، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۸۲) اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے حکومت کی دعا مانگی سو وہ انھیں حاصل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لیے دعا مانگی، خدا نے اسے بھی قبول فرمایا، غرضیکہ جس کے لیے بھی آپ ﷺ نے دعا مانگی اللہ عزوجل نے اسے قبول فرمایا۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۶ ص ۱۸۹، سنن ترمذی کتاب المناقب ج ۵ ص ۳۱۳)

حضور ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ یا ابوجہل کے ذریعے غلبہ اسلام کی دعا مانگی تو وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے قبول ہوگئی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ہمیشہ عزت کے ساتھ رہے جس دن سے حضرت عمر اسلام لائے۔

ایک غزوہ میں لوگوں کو پیاس کی تکلیف پہنچی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی آپ ﷺ سے درخواست کی، آپ ﷺ نے دعا مانگی تو بادل آئے اور ہماری ضرورتیں پوری کر کے کھل گئے، طلب بارش (استسقاء) کے لیے دعا کی گئی تو بارش ہونے لگی، جب بارش کی شکایت کی گئی تو آپ

ﷺ نے دعا کی بادل کھل گیا۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی کہ تمھارا چہرہ کامیاب ہوا اللہ عزوجل ان کے بالوں اور جسم میں برکت دے تو وہ جس وقت فوت ہوئے باوجودیکہ ستر سال کے تھے مگر پندرہ سال کے نوجوان معلوم ہوتے تھے۔

آپ ﷺ نے نابغہ رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا، اللہ عزوجل تمھارے منھ کو نہ توڑے تو ان کا ایک دانت بھی نہ گرا، ایک روایت میں ہے کہ وہ دانتوں کی وجہ سے سب سے بڑھ کر خوبصورت تھے، جب کوئی دانت گرتا تو دوسرا اس کی جگہ نکل آتا، حالانکہ وہ ایک سو بیس سال حیات رہے اور ایک روایت اس سے زیادہ بھی ہے۔

آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی، اے اللہ عزوجل ان کو دین کی سمجھ (فقاہت) عطا فرما اور ان کو تفسیر کا علم دے تو اس کے بعد ان کا نام حبر (بڑا عالم) اور ترجمان القرآن مشہور ہو گیا۔ (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۳۶۴)، آپ ﷺ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے لیے ان کے خرید و فروخت میں دعا کی تو وہ جو چیز خریدتے اس میں نفع ہوتا۔ (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۳۶۷)

آپ ﷺ نے مقداد رضی اللہ عنہ کے لیے برکت کی دعا مانگی تو ان کے پاس بہت مال جمع ہو گیا، اسی طرح عروہ بن ابی جعد رضی اللہ عنہ کے لیے برکت کی دعا کی۔ (وہ فرماتے ہیں) اگر میں کساد بازاری میں کھڑا ہوتا تو جب لوٹتا تو مجھے چالیس ہزار کا نفع ہوتا، امام بخاری اپنی حدیث میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ مٹی خریدتے تو اس میں بھی نفع ہوتا، اسی طرح غرقدہ رضی اللہ عنہ کے لیے مروی ہے۔

حضور ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی، آپ ﷺ نے دعا کی تو ہوا اس کو گھیر کر آپ ﷺ کی خدمت میں واپس لے آئی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کی والدہ کے لیے دعا کی تو وہ اسلام لے آئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کی کہ گرمی اور سردی سے محفوظ رکھ، تو وہ سردی میں گرمی کے کپڑے اور گرمی میں سردی کے کپڑے پہنتے تو انھیں سردی ستاتی نہ گرمی۔

اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعا کی وہ بھی بھوکی نہ رہیں، تو وہ فرماتی ہیں کہ میں کبھی بھوکی نہ رہی۔

طفیل ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے لیے آپ ﷺ سے کوئی نشانی مانگی تو آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ عزوجل اس کو نور دے تو ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان چمکنے لگا، پھر انھوں نے کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں لوگ مثلہ یعنی برص کا داغ نہ کہنے لگیں، تو وہ نور ان کے کوڑے کی طرف پھیر دیا گیا، پس وہ اندھیری رات میں چمکتا تھا، اسی وجہ سے ان کا نام صاحب نور پڑ گیا۔

قبیلہ مضر پر آپ ﷺ نے بددعا کی تو ان پر قحط اتنا شدید پڑا کہ قریش نے آپ ﷺ سے رحم کی درخواست کی، پھر آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی اور وہ سیراب ہوئے۔

اور فارس کے بادشاہ کسریٰ پر آپ ﷺ نے اس وقت بددعا کی جب اس نے آپ ﷺ کا گرامی نامہ چاک کیا، آپ ﷺ نے کہا: اے اللہ عزوجل اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے، تو اس کا ملک اس کے لیے باقی نہ رہا، حالانکہ فارس کی حکومت دنیا میں رہی ہے۔

آپ ﷺ نے اس بچے پر بددعا کی جس نے آپ ﷺ کی نماز توڑی تھی کہ اے اللہ عزوجل اس کا نشان قطع کر دے تو وہ مفلوج ہو کر بیٹھ گیا۔

ایک مرد کے لیے فرمایا جبکہ وہ بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، فرمایا: اپنے داہنے ہاتھ سے کھا تو اس نے کہا کہ میں اس کی قدرت نہیں رکھتا، آپ ﷺ نے فرمایا: تو کبھی اس کی قدرت نہیں پائے گا، پھر کبھی وہ ہاتھ منھ تک نہ اٹھا سکا۔

آپ ﷺ نے عتبہ ابن ابی لہب کے لیے بد دعا کی، اے اللہ عزوجل تو اس پر اپنے کتوں میں سے کتا مسلط کر دے، چنانچہ اس کو شیر نے کھالیا، یہ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے مشہور ہے کہ قریش نے اوجھ کو جس میں گوبر اور خون تھا جبکہ آپ ﷺ سجدہ میں تھے پیٹھ پر رکھ دیا، تو آپ ﷺ نے نام بنام ذکر کر کے بد دعا کی، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک ہم نے ان سب کو دیکھا کہ بدر کے دن وہ سب مارے گئے۔

حکم ابن ابی عاص پر آپ ﷺ نے بد دعا کی کیونکہ وہ آپ ﷺ کو منھ چڑاتا اور آنکھ کے اشارے کرتا تھا، یعنی یونہی نہیں بلکہ تمسخر (مذاق) کرتا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو ایسا ہی ہو جائے گا، چنانچہ اس کا چہرہ ویسا ہی ہو گیا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔

محلم بن جثامہ پر آپ ﷺ نے بد دعا کی تو وہ سات دن میں مر گیا اور زمین نے اس کو اگل دیا، پھر وہ دبایا گیا پھر اس کو اگل دیا، یہ کئی مرتبہ ہوا، تب اس کو دو وادیوں کے درمیان ڈال دیا اور لوگوں نے اس پر پتھر پھینکے۔ (الصُّدُّ) وادی کے کنارے کو کہتے ہیں۔

ایک شخص نے گھوڑا آپ ﷺ کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کیا، حالانکہ اس بارے میں اس کی خزیمہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے لیے گواہی دی تھی، بعد کو آپ ﷺ نے گھوڑا اس پر واپس کر دیا اور فرمایا: اے خدا اگر یہ جھوٹا ہے تو اس میں برکت نہ دے تو جب صبح ہوئی تو گھوڑے نے ٹانگیں اٹھالیں۔ (یعنی وہ مر گیا)

اس باب میں تو اس کثرت سے معجزات ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، دعا کے سلسلے میں گزری تمام احادیث کی تخریج مناہل الصفاء للسیوطی ص ۱۳۹ میں دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۲ ص ۵۸۱ درج ہے، یہ حوالہ تمام احادیث کا بھی ہو سکتا ہے یا کچھ کا بھی مزید تحقیق کے لیے محققین حضرات عربی کتب دیکھیں۔

بائیسویں فصل

حضور ﷺ کے معجزات و برکات اور جو چیز آپ ﷺ سے مس کر گئی اس کی حقیقت کا بدلنا

حدیث: حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ ایک رات اہل مدینہ (خوفناک آواز کی وجہ سے) گھبرا گئے تو رسول اللہ ﷺ ابی طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر تشریف لے گئے اور وہ گھوڑا قطاف یعنی سست رفتار تھا اور دوسروں نے کہا کہ وہ آہستہ آہستہ چلتا تھا، پھر جب واپس آئے تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا، میں نے تمھارے گھوڑے کو دریا کی مانند پایا چنانچہ وہ گھوڑا کبھی کسی سے پیچھے نہ رہا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کے پاؤں پر آپ ﷺ نے ایک لکڑی ماری کیونکہ وہ بہت سست اور کم چال تھی پھر تو وہ ایسی تیز ہوئی کہ اس کی لگام سنبھالی نہ جاتی تھی۔

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے جعیل اشجعی رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کے پاؤں پر لکڑی ماری اور برکت کی دعا فرمائی تو وہ اتنی تیز ہو گئی کہ اپنا سر قبضہ میں رکھنا مشکل ہو گیا اور اس سے جو بچے ہوئے وہ بارہ ہزار کے فروخت ہوئے۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے سست رفتار گدھے پر ایک مرتبہ آپ ﷺ سوار ہوئے، پھر جب آپ ﷺ نے اس کو واپس کیا تو وہ اس قدر تیز ہو گیا کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور ﷺ کے چند بال تھے تو وہ جس جہاد اور جنگ

میں مصروف پیکار ہوئے یقیناً انھیں فتح ہوئی۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انھوں نے اطلسی جبہ نکالا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ اس کو پہنا کرتے تھے، ہم اس کو دھو کر مریضوں کو پلاتے ہیں تو وہ اس کی برکت سے شفایاب ہوجاتے ہیں۔

جہجاہ غفاری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں سے وہ لکڑی (جو حضور ﷺ کے پاس رہتی تھی) لی تاکہ اس کو گھٹنے پر توڑ دے اس پر لوگ چلائے تو (اس بے ادبی کی وجہ سے اس کے پاؤں میں) کلہ یعنی ناسور ہوگیا، پھر اس کو کٹوایا مگر ایک سال کے اندر اندر وہ مر گیا۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی قبا کے کنوئیں میں ڈال دیا، پھر اس کے بعد اس کا پانی کبھی نہ ٹوٹا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ص۱۳۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے کنوئیں میں جوان کے گھر میں تھا ایک مرتبہ آپ ﷺ نے لعاب دہن ڈالا، تو مدینہ طیبہ میں کے کنوئیں سے زیادہ شیریں پانی کسی میں نہ تھا۔

(ابونعیم کمانی مناہل الصفا للسیوطی ص۱۴۰)

ایک سفر میں آپ ﷺ کا ایک ایسے پانی پر گزر ہوا جو کھاری تھا، آپ ﷺ نے اس کا نام پوچھا: اس کنوئیں کا نام بیسان بتایا گیا، آپ ﷺ نے فرمایا نہیں وہ نعمان ہے اور اس کا پانی طیب و عمدہ ہے تو وہ میٹھا ہوگیا۔

ایک ڈول میں زمزم کا پانی لایا گیا، آپ ﷺ نے اس میں لعاب دہن ڈالا تو اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ پاکیزہ گئی۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ص۲۹، الفتح الربانی ج۲۲ص۶۷) حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے منھ میں اپنی زبان دی انھوں نے اس کو چوسا حالانکہ وہ پیاس کی شدت میں رو رہے

تھے تو وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ (طبرانی کما فی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۴۰)

ام مالک رضی اللہ عنہا کے پاس ایک گھی کی کپی تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس وہ گھی بھیجا کرتی تھیں تو ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اس کو نچوڑنا نہیں، پھر واپس کر دیا، پس کیا دیکھتی ہیں کہ گھی ویسا کا ویسا ہی بھرا ہوا تھا، تو ان کے پاس ان کے بچے آتے اور سالن مانگتے اگر ان کے پاس کوئی چیز نہ ہوتی تو اس کپی کے پاس آتیں اور اس سے گھی نکال کر دے دیتیں وہ گھی اس میں مدت تک رہا حتی کہ ایک دن نچوڑ لیا۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۳ ص ۱۷۸۴، دلائل النبوہ ج ۱ ص ۱۱۳)، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شیر خوار بچوں کے منھ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا کرتے وہ ان کو رات تک کفایت کرتا رہتا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۳۶)

اسی قبیل سے یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دست مبارک سے جو چیز چھو جاتی اس میں برکت ہوتی، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مالک نے جب ان کو مکاتب بنایا تو یہ شرط لکھائی تھی کہ یہ تین سو چھوٹی کھجوروں کے درخت لگائیں اور اس باغ کی قیمت مالک کے لیے ہے، اس کے پھل لگیں اور کھائی جائیں، اس کے علاوہ چالیس اوقیہ سونا اپنی قیمت میں ادا کریں (تب وہ آزاد ہوں گے یا ایک اوقیہ کا وزن چالیس درم ہوتا ہے) تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہوئے اور اپنے دست مبارک سے ان کے لیے باغ لگایا، سوائے ایک درخت کے کہ اس کو دوسرے نے لگایا تھا تو سب نے پھل دیے سوائے اس درخت کے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو اکھیڑ کر دوبارہ لگایا اور اس سے پھل حاصل کیے۔

بزار علیہ الرحمہ کی کتاب میں ہے کہ ایک کے سوا سب نے کھجوریں کھلائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو اکھیڑ کر دوبارہ لگایا تو وہ بھی اس سال پھل لے آیا اور ایک مرغی کے انڈے کے برابر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنا لب لگا کر سونا ان کو دیا، ان کے مالکوں نے اس میں سے چالیس اوقیہ تول کر لے لیا اور ان کے پاس جتنا دیا تھا اتنا ہی باقی رہا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۹۷، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۳۳۷-۳۳۶)

حنش بن عقیل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گھونٹ ستو پی کر آخر میں مجھے پلایا تو اب مجھے بھوک لگتی ہے تو اس کی سیری پاتا ہوں اور جب پیاس لگتی ہے تو اس کی سیرابی اور ٹھنڈک پاتا ہوں۔

(رواہ قاسم فی الدلائل بطریق موسی بن عقبہ عن المسور بن مخرمۃ کما فی مناہل الصفا للسیوطی ص ۱۴۱)

ایک تاریک اندھیری رات میں قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے ایک شاخ دی اور فرمایا: لے جاؤ یہ تمھیں تمھارے دس گز آگے اور دس گز پیچھے تک روشنی دے گی اور جب تم گھر میں داخل ہوگے تو اس کو سیاہ دیکھوگے تو اس کو مارنا یہاں تک کہ وہ سیاہی نکل جائے کیونکہ وہ شیطان ہے، پس چلے تو اس ٹہنی نے روشنی دی، حتی کہ جب گھر میں داخل ہوئے تو اس میں سیاہی پائی تو انھوں نے اس کو مارا یہاں تک کہ وہ سیاہی دور ہوگئی۔

(مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۵)

انھیں واقعات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ نے عکاشہ رضی اللہ عنہ کو ایک لکڑی کی جڑ دی جبکہ ان کی تلوار بدر کے دن ٹوٹ گئی تھی، فرمایا: اس سے مارو تو وہ لکڑی ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی، جو کاٹتی تھی اور لمبی، سفید اور نہایت تیز تھی، اس سے لڑتے رہے پھر وہ ہمیشہ ان کے پاس رہی یہاں تک کہ اس سے بکثرت جہاد کیے، حتی کہ مرتدین کی لڑائی میں (خلافت صدیقی) میں وہ شہید ہوگئے، اس تلوار کا نام انھوں نے عون رکھا تھا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۹۸)

اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو احد کے دن جب ان کی تلوار جاتی رہی تو آپ ﷺ نے کھجور کی ٹہنی دی، تو وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵۰)

انھیں برکات میں سے یہ بھی ہے کہ ان بکریوں کا دودھ زیادہ ہوگیا جو بے دودھ تھیں یا حاملہ نہ تھیں، جیسے

ام معبد (طبقات ابن سعد ج ا ص ۲۳۰) معاویہ بن ثور رضی اللہ عنہ (طبقات ابن سعد ج ا ص ۳۰۴) کے بکریوں کا قصہ ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بکری اور آپ ﷺ کی مرضعہ دائی حلیمہ (الخصائص الکبری ج ا ص ۵۴) کی بکریوں کے ریوڑ اور ان کی دبلی اونٹنی اور حضرت عبداللہ بن مسعود (مسند امام احمد ج اص ۴۶۲، دلائل النبوہ للبیہقی ج ٦ ص ۸۳) کی وہ بکری جس کو نر نے نہ چھوا تھا اور مقداد رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم کتاب الاطعمہ ج ۳ ص ۱۲۲۵) کی بکری کے قصے ہیں اور انھیں برکات میں سے آپ ﷺ کا پانی کی مشک میں صحابہ کے لیے پانی زیادہ کرنا ہے (ابن سعد کما فی مناہل الصفاء ص ۱۳۲) جبکہ آپ ﷺ نے اس کے دہانہ کو باندھ دیا تھا اور اس میں دعا کی تھی، پس جب نماز کا وقت ہوا تو وہ اترے اور مشکیزہ کا دہانہ کھولا تو اس میں عمدہ دودھ مکھن والا تھا۔

حماد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر دست مبارک پھیر کر برکت کی دعا فرمائی تو جب انھوں نے اسی سال کے ہو کر انتقال کیا تو وہ جوان معلوم ہوتے تھے۔

اس قسم کے واقعات بہت سے لوگوں سے مروی ہیں، ان میں سے صائب بن یزید (دلائل النبوہ للبیہقی ج ا ص ۲۰۸) اور مدلوک رضی اللہ عنہ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۲۱۵) کے واقعات ہیں اور عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۲۲) کی خوشبو عورتوں کی خوشبوؤں پر غالب تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دونوں دست مبارک کو ان کے پیٹ اور پیٹھ پر پھیرا تھا اور آپ نے عائذ بن عمر رضی اللہ عنہ (طبرانی کبیر ج ۱۸ ص ۲۰، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۴۱۲) کے چہرہ سے خون کو اپنے دست مبارک سے صاف کیا جبکہ وہ حنین کے دن زخمی ہو گئے تھے اور ان کے لیے دعا فرمائی تو ان کا چہرہ اسی طرح دکھنے لگا تھا جیسے گھوڑے کی سفید پیشانی چمکتی ہے۔

آپ نے قیس بن زید رضی اللہ عنہ (الاصابہ لابن ابی ج ج ۳ ص ۲۳۷) جذامی (کوڑھی) کے سر پر دست

مبارک پھیر کر دعا فرمائی، تو وہ سو سال کے ہو کر فوت ہوئے، ان کا سر سفید تھا مگر جہاں آپ ﷺ کا دست مبارک پھرا تھا اس جگہ کے بال سیاہ تھے، ان کا نام ہی اغر یعنی روشن پیشانی والا پڑ گیا۔

اس طرح عمرو بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۲۱۲) کی حکایت بھی مروی ہے، ایک اور شخص (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۲۹۹) کے چہرے کو آپ ﷺ نے چھوا تو اس کے چہرہ پر ہمیشہ نور رہا اور آپ ﷺ نے قتادہ بن ملحان رضی اللہ عنہ (دلائل العدہ للبیہقی ج ۲ ص ۳۱۷، فتح الربانی ج ۲ ص ۳۴۱) کے چہرے کو مس فرمایا تو ان کا چہرہ چمکنے لگا، یہاں تک کہ لوگ ان کے چہرے میں ایسے دیکھتے تھے جیسے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔

آپ نے حنظلہ بن حذیم رضی اللہ عنہ (دلائل النبو للبیہقی ج ۲ ص ۲۱۴) کے سر پر اپنا دست مبارک رکھ کر ان کے لیے دعائے برکت فرمائی تو ان کا یہ حال تھا کہ ان کے پاس وہ آدمی لایا جاتا جس کے چہرے پر ورم ہوتا یا وہ بکری لائی جاتی جس کے تھن میں ورم ہوتا تو وہ اس جگہ مس کرتے جہاں آپ نے اپنی ہتھیلی رکھی تھی تو وہ ورم چلا جاتا۔

زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا (الاستیعاب ج ۲ ص ۳۲۰) کے چہرہ پر آپ نے پانی کے چھینٹے مارے تو وہ حسن و جمال میں ایسی مشہور ہوگئیں کہ کسی عورت میں ایسا نہ تھا، ایک بچے (الخصائص الکبری لابی نعیم ج ۲ ص ۷۱-۷۰) کے سر پر جو گنجا وغیرہ تھا آپ نے اپنا دست مبارک پھیرا اور وہ اسی وقت ٹھیک ہو گیا، اور اس کے بال برابر نکل آئے۔

ان کے علاوہ بہت سے بچوں، مریضوں اور پاگلوں کو آپ ﷺ نے تندرست فرمایا، آپ کے پاس ایک شخص لایا گیا جس کے فوطے بڑھے ہوئے تھے تو اس کو فرمایا کہ اس کو اس پانی سے چھینٹے دو جس میں آپ ﷺ نے کلی کر دی ہے، اس نے ایسا کیا اور اچھا ہو گیا، طاؤس علیہ الرحمہ سے مروی ہے کہ جو

دیوانہ پاگل بھی آپ ﷺ کی خدمت میں لایا جاتا آپ ﷺ اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرتے تو اس کا جنون جاتا رہتا۔

ایک کنوئیں (الفتح الربانی ج۲ص۸۸) سے پانی نکال کر اس ڈول میں آپ نے کلی کی، پھر وہ پانی اس میں ڈال دیا گیا، تو اس سے مشک کی خوشبو آنے لگی، غزوہ حنین (صحیح مسلم کتاب الجھاد والسیر ج۳ص۱۳۰۲) کے دن آپ ﷺ نے ایک مٹھی لے کر "شاہت الوجوہ" پڑھ کر کفار کے چہروں پر پھینکی تو وہ الٹے پاؤں آنکھوں سے مٹی صاف کرتے بھاگے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ج۴ص۱۹۳۱–۱۹۳۹، صحیح بخاری کتاب العلم ج۱ص۲۹) نے آپ سے نسیان (بھول) کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے دامن پھیلانے کا حکم دیا، آپ ﷺ نے چلو کی طرح بھر بھر کر اس میں ڈالا پھر اس کو سینے سے ملانے کا حکم دیا تو انھوں نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد پھر کبھی بھول کی شکایت نہ ہوئی۔

اس نسیان کے دور کرنے کے بارے میں آپ ﷺ سے بکثرت روایتیں مروی ہیں اور جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (صحیح مسلم کتاب الفضائل ج۲ص۱۹۲۵، صحیح بخاری کتاب المناقب ج۴ص۳۳) کے سینے پر آپ ﷺ نے ہاتھ مار کر ان کے لیے دعا فرمائی، انھوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی تھی کہ وہ گھوڑے پر ٹھہر نہیں سکتے، اس کے بعد وہ عرب کے شہسواروں اور گھوڑے پر جم کر بیٹھنے والوں میں ہو گئے، عبدالرحمن بن زید بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سر پر آپ ﷺ نے ہاتھ پھیرا کیونکہ وہ بچپن میں چیچک زدہ تھے اور آپ ﷺ نے ان کے لیے دعائے برکت فرمائی تو وہ لوگوں میں لمبا اور خوبرو ہو گیا۔

تیئسویں فصل

آپ ﷺ کو غیب پر اطلاع ہونا

انھیں معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو غیوب پر مطلع فرمایا اور آئندہ ہونے والے واقعات سے باخبر کیا، اس باب میں احادیث کا وہ بحر ذخار ہے کہ کوئی اس کی گہرائی کو جان ہی نہیں سکتا اور نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے۔

آپ ﷺ کے معجزات میں سے یہ ایسا معجزہ ہے جس کی قطعیت معلوم ہے اور ہم تک اس کی خبریں متواتر طریقہ سے کثرت سے پہنچی ہیں کیونکہ اس کے راوی اس کثرت سے ہیں کہ وہ اپنے معنی میں غیب پر مطلع ہونے پر متفق ہیں۔

حدیث: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بالا سناد روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ ہم میں رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا تو آپ ﷺ نے کوئی چیز نہ چھوڑی جو قیامت تک اپنی جگہ ہونے والی ہو کہ اس کو آپ ﷺ نے بیان فرمایا جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا، یہ میرے ساتھی ان کو جانتے ہیں بیشک اس میں سے کوئی بات ہو جاتی ہے تو میں اس کو پہچان لیتا ہوں اور یاد کر لیتا ہوں، جیسا کہ آدمی اس شخص کے چہرے کو جان لیتا ہے جو اس سے غائب ہو جائے، پھر جب اس کو دیکھتا ہے تو وہ پہچان لیتا ہے، اس کے بعد حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نہیں جانتا میں میرے ساتھی اسے بھول گئے ہیں یا وہ بھلا دیے گئے ہیں، خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک جتنے فتنہ پیدا کرنے والے قائد (لیڈر و رہنما) ہوں گے کسی کو نہ چھوڑا، ان کی تعداد تین

سو سے زائد تک پہنچتی ہے بیشک آپ ﷺ نے ان کے نام اور ان کے باپ اور ان کے قبیلہ کے نام تک بیان فرما دیے ہیں۔ (سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۴۴۳-۴۳۱، بخاری کتاب القدر جلد ۸ ص ۱۰۵، صحیح مسلم کتاب الفتن ج ۴ ص ۲۲۱۷، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۳۱۳)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسا پرندہ تک نہ چھوڑا جو آسمان میں اپنے پر مارتا مگر آپ نے اس کو ہم سے بیان فرمایا۔ (ابی نعیم کمافی الخصائص الکبری ج ۲ ص ۱۰۸)

اہل صحاح اور ائمہ رحمھم اللہ نے بلاشک وہ باتیں بیان کی ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کو بتائی ہیں اور ان کو ان کے دشمنوں پر غلبہ کا اور فتح مکہ (صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۵ ص ۱۳۲۰، ۱۲۱، مسلم کتاب الجہاد ج ۳ ص ۱۴۰۵) وبیت المقدس (صحیح بخاری کتاب الجزیہ ج ۴ ص ۸۰، دلائل النبوہ ج ۲ ص ۳۳۱) یمن وشام (صحیح مسلم کتاب الحج، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۶ ص ۳۲۰) اور عراق کا وعدہ کیا اور امن وامان کے ظہور کی خبر دی تھی حتی کہ ایک عورت (صحیح مسلم کتاب المناقب ج ۳ ص ۱۵۷، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۳۲۳) بلا خوف وخطر حیرہ سے مکہ مکرمہ تک چلی جائے گی، اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا اور یہ کہ مدینہ (مسلم کتاب الحج ج ۳ ص ۱۰۹، صحیح بخاری کتاب الحج ج ۳ ص ۱۹) پر عنقریب لڑائی ہوگی اور کل حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر فتح خیبر (صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۵ ص ۱۱ صحیح مسلم کتاب الجہاد ج ۳ ص ۱۴۴۱) ہوگا اور اللہ عزوجل آپ کی امت پر دنیا فتح فرمائے گا، اس کی نعمتیں ان کو ملیں گی (صحیح مسلم کتاب الذکر ج ۵ ص ۲۰۹۸، کتاب الزکوۃ ج ۲ ص ۷۲۹، ابن ماجہ وترمذی کتاب الفتن الی آخرہ) اور کسری وقیصر کے خزانے ان پر تقسیم ہوں گے (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۳۲۳، صحیح مسلم کتاب الامارۃ ج ۳ ص ۱۳۵۳، کتاب الفتن ج ۳ ص ۲۲۳۷) اور آپ نے ان باتوں کی خبر دی جو ان میں فتنے اور اختلاف اور اہل ہوا پیدا ہوں (صحیح بخاری کتاب الفتن، مسلم کتاب الفتن، ولائل النبوہ للبیہقی ج ۶ ص ۳۸۷) گے اور یہ کہ دو پہلوں کے راستوں (بخاری کتاب الاعتصام ج ۲ ص ۸۳، مسلم کتاب العلم ج ۳ ص ۲۰۵۷) پر

چل کر ان کے تہتر ٹکڑے ہو جائیں گے (سنن ترمذی کتاب الایمان ج ۳ ص ۱۳۴، ابن ماجہ کتاب الفتن ج ۲ ص ۱۳۲۱) اور ان میں ایک فرقہ نجات پانے والا ہو گا۔

اور یہ بھی بتایا کہ ان کے فرش نفیس ہوں گے (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۳۱۹، ۳۲۰) اور صبح و شام لباس بدلیں گے، ان کے آگے ایک کھانے کا برتن اٹھایا جائے گا اور دوسرا رکھا جائے گا، وہ اپنے گھروں میں پردے ڈالیں گے جیسے کعبہ معظمہ پر پردے پڑتے ہیں۔ (دلائل النبوہ ج ۶ ص ۵۲۳ - الاصابہ ج ۲ ص ۲۳۱) پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر کلام میں فرمایا:

حالانکہ آج کے دن تم آنے والے دنوں سے بہت بہتر ہو جبکہ وہ لوگ اکڑ کر چلیں گے اور ان کی خدمت میں فارس و روم کی لڑکیاں ہوں گی (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۵۲۳، ترمذی کتاب الفتن) اس وقت اللہ عزوجل ان میں باہمی عداوت ڈال دے گا، اور ان کے برے لوگوں کو ان کے اچھوں پر مسلط کر دے گا اور یہ کہ وہ ترک، خزر اور روم سے جنگ کریں گے۔ (ترمذی کتاب الفتن ج ۳ ص ۱۳۳۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۳۳۶، ابوداؤد کتاب الفتن ج ۴ ص ۴۸۶، صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۲۳۳) کسریٰ و فارس کا ملک تباہ ہو گا، پھر کبھی کسریٰ اور فارس نہ ہوں گے اور نہ قیصر اس کے بعد ہو گا (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۲۳۷، مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۱۲، ۴۷۷، ۵۰۱ ترمذی کتاب الفتن ج ۲ ص ۳۳۷) اور بیان فرمایا کہ ایک روم کی جماعت آخر تک آئے گی اور اشراف کے مرجانے کی خبر دی۔ (صحیح بخاری ج ۳ ص ۴۴) فرمایا: اشراف مرجائیں گے، زمانہ چھوٹا ہو جائے گا، (صحیح بخاری ج ۳ ص ۴۱۰۰، صحیح مسلم کتاب العلم ج ۴ ص ۲۰۵۷) (الی آخرہ) علم قبض کر لیا جائے گا اور فتنہ اور جنگ و جدال کا ظہور ہو گا اور فرمایا: عرب کے لیے افسوس ہے کہ برائیاں قریب ہو گئی ہیں اور بیان فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تمام زمین سمیٹ دی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مشارق و مغارب کو ملاحظہ فرمایا اور عنقریب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت ان کی مالک ہو گی جتنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زمین سمیٹی گئی

اور مشرق میں زمین ہند سے لے کر دور مغرب میں طنجہ تک اس کے بعد آبادی نہیں آپ ﷺ کی امت کی ملوکیت دراز کردی گئی اور یہ وہ مقام ہے کہ جس کی کوئی امت پہلے مالک نہیں ہوئی اور جنوب و شمال میں اس قدر ملک نہیں بڑھا(صحیح بخاری کتاب ظہور الفتن ج۱۰ص۴۱،۴۰صحیح مسلم کتاب العلم ج۴ص۲۰۵۷) (الی آخرۃ)اور آپ ﷺ نے فرمایا:

ہمیشہ عرب کے لوگ حق پر غالب رہیں گے حتیٰ کہ قیامت قائم ہوجائے۔(صحیح مسلم کتاب الامارۃ ج۳ ص۱۵۲۵)ابن مدینی علیہ الرحمہ اس طرف گئے ہیں کہ وہ عرب کے لوگ ہیں کیونکہ وہی لوگ عرب یعنی ڈول سے داخل کریں گے،پس جنھوں نے ان سے دشمنی کی وہ خوارج اور ناصبی ہیں اور وہ روافض ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں کہ انھوں نے تکفیر کی اور فرمایا:حضرت عثمان(ذوالنورین) رضی اللہ عنہ اس حال میں شہید کیے جائیں گے کہ وہ تلاوت قرآن میں مشغول ہوں گے(سنن ترمذی کتاب المناقب ج۵ص ۲۹۳)اور اللہ عزوجل بہت ج ان کو ایسی قمیص پہنائے گا کہ وہ فسادی اس کے اتارنے کی کوشش کریں گے (سنن ترمذی کتاب المناقب ج۵ص۲۹۲)اور یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون اللہ عزوجل کے فرمان فسیکفیکھم اللہ پر ٹپکے گا(مستدرک ج۳ص۱۰۳)اور آپ ﷺ نے فرمایا:جب تک حضرت عمر(رضی اللہ عنہ)حیات ہیں فتنے ظاہر نہ ہوں گے(صحیح بخاری کتاب الفتن صحیح مسلم کتاب الفتن،دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ص۳۸۲)اور آپ ﷺ نے حضرت زبیر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی لڑائی کی خبر دی(دلائل النبوۃ للبیہقی ج۲ص۴۱۴)اور یہ کہ آپ ﷺ کی ایک بیوی پر حواب(ایک جگہ کا نام)کے کتے بھونکیں گے(مسند امام احمد ج۶ص۵۲،۹۷)اور ان کے قریب بہت سے لوگ قتل ہوں گے۔(کشف البزار ج۲ص۹۴)اس کے بعد وہ نجات کے قریب ہوں گی تو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بصرے کی طرف نکلتے وقت کتے بھونکے۔

اور فرمایا کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی لوگ شہید کریں گے۔(صحیح مسلم کتاب الفتن ج۴ ص ۲۲۳۹، دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ ص ۴۴۰) تو ان کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لوگوں نے شہید کیا اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: تم کو لوگوں سے افسوس ہے (مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۷، تاریخ الخلفاص ۲۱۴، تاریخ دمشق ج۷ ص ۴۰۱) اور لوگوں کو تم سے افسوس ہے اور قزمان کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخی ہے حالانکہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہادری کے ساتھ لڑا۔(صحیح بخاری کتاب القدر ج۸ ص ۱۰۴، مسلم کتاب الایمان ج۱ ص ۱۰۲) مگر (زخموں کی تاب نہ لاکر اس نے خودکشی کرلی تھی) اور آپ ﷺ نے ایک جماعت سے فرمایا: جس میں حضرت ابوہریرہ، سمرہ بن جندب اور حذیفہ رضی اللہ عنہم تھے کہ تم میں سے جو سب سے آخر میں مرے گا آگ میں مرے گا۔(دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ ص ۴۵۹-۴۵۸) تو وہ اصحاب آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے تھے، پس وہ سمرہ رضی اللہ عنہ تھے جو سب کے آخر میں فوت ہوئے، جو بہت بوڑھے ہوکر عقل خراب ہوگئی اور وہ آگ تاپنے لگے تھے، تو اس نے ان کو جلادیا۔

حضرت حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ان کی بیوی سے پوچھو کیونکہ میں نے ان کو فرشتوں کو غسل کراتے دیکھا تو جب ان سے دریافت کیا تو کہا کہ وہ جنبی نکلے تھے اور جہاد کی جی میں غسل نہ کرسکے تھے، حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکتے دیکھا (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج۲ ص ۳۵۸) اور آپ ﷺ نے قریش میں خلافت کے بارے میں فرمایا کہ ہمیشہ خلافت قریش میں رہے گی جب تک وہ دین کو قائم رکھیں گے۔(مسند امام احمد ج۴ ص ۱۱۸۵، ترمذی کتاب الفتن ج۳ ص ۳۴۲) اور فرمایا: قبیلہ ثقیف میں کذاب اور ظالم ہوں گے۔(صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ ج۴ ص ۱۹۸۲-۱۹۸۱) چنانچہ لوگوں نے حجاج اور مختار کو دیکھا اور فرمایا کہ مسیلمہ کو اللہ عزوجل قتل کرادے گا۔(صحیح مسلم کتاب الرویا ج۴ ص ۱۷۸۰، صحیح بخاری باب علامات نبوت ج۲ ص ۱۶۲) اور فرمایا:

کہ اہل بیت میں سب سے پہلے (حضرت خاتون جنت) فاطمہ رضی اللہ عنہا وصال کر کے (صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ، صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ، مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۳۰-۷۷) ملیں گی اور مرتدین کے فتنہ سے ڈرایا (صحیح کتاب الایمان ج ۱ ص ۸۲، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۱ ص ۳۲۰) اور فرمایا کہ میرے بعد تیس سال تک خلافت (بلا فصل) رہے گی، پھر بادشاہت ہو جائے گی۔ (سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۳۶، مسند امام احمد ج ۵ ص ۴۳ سنن ترمذی کتاب الفتن ج ۳ ص ۳۴۱) چنانچہ یہ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت تک پوری ہوئی اور فرمایا:

بیشک یہ بات نبوت و رحمت سے شروع ہوئی پھر رحمت و خلافت ہوگی، پھر زبردست بادشاہت بنے گی پھر امت میں سرکش و جابر اور فسادی پیدا ہوں گے (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۳۴۰) اور آپ نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کا حال بیان فرمایا (صحیح مسلم ج ۴ ص ۹۲۸، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۱ ص ۳۷۵) اور ان حاکموں کی خبر دی جو نمازوں کو اپنے وقتوں سے مؤخر کر دیتے ہیں (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۷۹) اور فرمایا: عنقریب امت میں تیس کذاب (جھوٹے) ظاہر ہوں گے اور ان میں چار عورتیں ہوں گی (مسند امام احمد ج ۲ ص ۱۰۴) اور دوسری حدیث میں ہے کہ امت میں ایسے مرد کذاب (جھوٹے) ہوں گے اور ان میں سے دجال کذاب ہو گا کہ ہر ایک ان میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) پر جھوٹ بولے گا (صحیح بخاری کتاب الفتن ج ۳ ص ۴۹، صحیح مسلم کتاب الفتن ج ۴ ص ۲۲۴۰) اور فرمایا:

قریب ہے کہ تم میں سے بکثرت ایسے بھی لوگ ہوں گے جو مال غنیمت کھائیں گے اور تمھاری گردنیں کاٹیں گے (کشف الاستار ج ۴ ص ۱۲۸) اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک ایک ایک مرد قحطانی لاٹھی سے لوگوں کو نہ ہکائے (صحیح بخاری کتاب الفتن ج ۹ ص ۴۹، صحیح مسلم کتاب الفتن ج ۴ ص ۲۲۳۲) اور فرمایا: تمھارے لیے سب سے بہتر زمانہ میرا عہد حاضر ہے، پھر جو اس سے متّصل ہے، اس کے بعد

پھر ایک ایسی قوم آئے گی جو گواہی دے گی حالانکہ ان سے گواہی نہ مانگی جائے گی، وہ خائن ہوں گے امانت دار نہیں ہوں گے، وعدے کریں گے مگر پورا نہ کریں گے، وہ موٹے ہوں گے۔ (صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ ج ۳ ص ۱۹۶۴، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۵۵۲) اور فرمایا: کوئی زمانہ ایسا نہیں آئے گا جس کے بعد شر نہ ہو (صحیح بخاری کتاب الفتن ج ۹ ص ۴۱) اور فرمایا:

میری امت کی ہلاکت قریش کے بچوں کے ہاتھوں پر ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو تم کو ان کے نام بھی بتا دوں کہ وہ فلاں کے بیٹے اور فلاں کے بچے ہیں (صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات نبوت، مسلم کتاب الفتن ج ۴ ص ۲۲۳۶، دلائل النبوہ للبیہقی) اور آپ ﷺ نے فرقہ قدریہ (سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۲۱، مستدرک ج ۱ ص ۸۴، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۱ ص ۵۴۸) اور فرقہ رافضیہ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۵۴۸، مسند امام احمد ج ۱ ص ۱۰۳) کے نکلنے کی خبر دی اور ان میں سے پچھلا پہلوں کو گالی دے گا اور فرمایا: انصار تھوڑے رہ جائیں گے، حتیٰ کہ آٹے میں نمک کی مانند (صحیح بخاری کتاب الفصائل ج ۵ ص ۲۸) ان کا معاملہ ہمیشہ تفرقہ میں رہے گا، یہاں تک کہ وہ باقی نہ رہیں گے اور یہ لوگ بہت جلد اس کے بعد اثر پائیں گے۔ (صحیح بخاری کتاب الفصائل ج ۵ ص ۲۸) اور آپ ﷺ نے خوارج کا حال بیان فرمایا اور ان کی صفت میں فرمایا کہ ان میں ایک ناقص الخلقت ہو گا اور ان کے سر منڈھے ہوں گے اور فرمایا: بکریوں کے چرانے والے لوگوں کے حاکم ہوں گے اور ننگے بدن والے اونچے محل بنائیں گے اور باندی اپنی مالکہ کو جنے گی۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۲-۱۵، صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۳۸)

اور فرمایا: قریش اور ان کے گروہ بھی مجھ سے نہ لڑیں گے مگر یہ کہ میں ہی ان سے لڑوں گا (صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۵ ص ۹۲) اور آپ ﷺ نے اس وبا کی خبر دی جو بیت المقدس کی فتح کے بعد پھیلی تھی (صحیح بخاری کتاب الجزیۃ ج ۴ ص ۸۰، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۳۲۱) اور یہ کہ بھرے والوں کو حوادث کی خبر دی اور

فرمایا کہ وہ سمندروں میں جنگ کریں گے جیسے بادشاہ تخت پر ہوتے ہیں (صحیح بخاری کتاب الجہاد ج ۲ ص ۱۵، صحیح مسلم کتاب الامارۃ ج ۳ ص ۱۵۱۹) اور فرمایا: اگر یہ دین ثریا پر چلا جائے تو ہمارے لیے دین کو ابنائے فارس کے کچھ لوگ اتار لائیں گے۔ (صحیح مسلم کتاب فضائل صحابہ ج ۴ ص ۱۹۷۲، صحیح بخاری فی تفسیر ج ۱ ص ۱۳۶) (چنانچہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بشارت بتائی جاتی ہے۔ مترجم) اور جب آپ ﷺ ایک جہاد میں مصروف تھے تو تیز ہوا چلی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک منافق کے مرنے کے لیے چلی ہے۔ (صحیح مسلم کتاب المنافقین ج ۴ ص ۲۱۳۶) پس جب آپ ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے تو ایسا ہی پایا گیا اور اس کی ساتھی قوم سے فرمایا:

ایک شخص تم میں سے ایسا ہے جس کی داڑھ احد پہاڑ سے بڑی ہے اور وہ جہنم میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم تو مرگئی مگر میں اور ایک اور شخص (اس حال کا واقف) باقی ہے، پھر وہ شخص بھی یمامہ کے دن مرتد ہو کر مر گیا (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۳۹) اور آپ ﷺ نے اس شخص کو خبر دی جس نے ایک یہودی کی کمان کا چلہ چرایا تھا اور وہ اس کے سامان میں ملا تھا (سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۱۵۵، سنن ابن ماجہ باب الجہاد ج ۲ ص ۹۵۰) اور آپ ﷺ نے اس کی خبر دی جس نے دنبہ چرایا تھا اور وہ اس کے پاس تھا (صحیح بخاری ج ۵ ص ۱۱۵، صحیح مسلم کتاب الایمان ج ۱ ص ۱۰۸) اور آپ ﷺ نے اس اونٹنی کی خبر دی جو گم ہو گئی تھی اور کس طرح ایک مہار درخت میں اٹک گئی تھی (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۴ ص ۵۹، دلائل النبوہ لابی نعیم ج ۲ ص ۵۱۲) اور آپ ﷺ نے حاطب کے خط کی خبر دی، جب اس نے مکہ والوں کو لکھا تھا اور آپ ﷺ (صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۵ ص ۱۳۰، مسلم کتاب فضائل صحابہ ج ۳ ص ۱۹۴۱) نے عمیر کے اس واقعہ کی خبر دی جو صفوان سے خفیہ شرط ہوئی تھی کہ نبی کریم ﷺ کو وہ شہید کر دے، پس جب عمیر قتل کے ارادے سے نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس کو اس کے ارادہ اور خفیہ شرط کی خبر

دی اور وہ مسلمان ہو گیا (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۳ ص ۱۴۸) اور آپ ﷺ نے اس مال کی خبر دی جو حضرت عباس نے اپنی بیوی ام فضل کو چھپا کر سپرد کیا تھا، تو انھوں نے کہا اس مال کو اس کے اور میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا، پھر وہ اسلام لے آئے اور آپ ﷺ نے خبر دی کہ عنقریب ابی ابن خلف مارا جائے گا (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵-۲۲) اور عقبہ بن ابی لہب کے بارے میں فرمایا: اس کو اللہ عزوجل کا ایک کتا کھا جائے گا اور آپ ﷺ نے اہل بدر کو (کفار کے صنادید کے) مارے جانے کے نشانات بتائے اور ویسا ہی ہوا جیسا کہ فرمایا (صحیح مسلم کتاب الجہاد ج ۳ ص ۱۴۰۴) اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

یہ میرا بیٹا سید ہے، اللہ عزوجل ان کے ذریعے مسلمانوں کے دو گروہ میں صلح کرائے گا (صحیح بخاری کتاب فضائل صحابہ ج ۵ ص ۲۲) آپ ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: غالباً یہ تمھاری عمر زیادہ ہو اور مسلمان تو تم سے فائدہ اٹھائیں اور کفار تم سے نقصان (صحیح بخاری کتاب الوصیۃ ج ۴، مسلم کتاب الوصیۃ ج ۳ ص ۱۲۵۱) آپ ﷺ نے اہل موتہ کے مارے جانے کی اس وقت خبر دی جبکہ آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان ایک مہینہ یا اس سے زائد کا فاصلہ تھا (صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۵ ص ۱۸) اور آپ ﷺ نے نجاشی (بادشاہ حبش) کے مرنے کی خبر دی جبکہ وہ اپنے ملک میں فوت ہوئے (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۳۱۰، صحیح بخاری کتاب الجنائز) اور آپ ﷺ نے فیروز کو خبر دی جبکہ وہ کسریٰ کا ایلچی بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تھا کہ آج کسری مر گیا، جب فیروز کو یہ بات متحقق ہو گئی تو وہ مسلمان ہو گیا۔

(دلائل النبوہ للبیہقی ج ۴ ص ۱۳۹۰)

اور آپ (مسند امام احمد ج ۲ ص ۴۵۷) نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ان کے نکالے جانے کی خبر دی جہاں بھی وہ ہوں اور ان کو مسجد میں سوتا ہوا پایا تو فرمایا: (مسند امام احمد ج ۵ ص ۱۵۵، سنن ابن ماجہ فی ذکر الاخبار

وصف موت ابی ذر ج ۲ ص ۲۳۴، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۴۰۲) اس وقت تمھارا کیا حال ہو گا جب تم یہاں سے نکالے جاؤ گے، عرض کیا: میں مسجد حرام میں ٹھہر جاؤں گا، فرمایا اور جب تم وہاں سے بھی نکالے جاؤ گے اور آخر حدیث میں آپ ﷺ نے ان کی تنہائی کی زندگی اور تنہائی کی موت کی خبر دی اور آپ (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ ج ۲ ص ۱۹۰۷) نے اپنی بیویوں میں سے ان کو جی ملنے کی خبر دی جس کے ہاتھ لمبے تھے، تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو صدقات زیادہ دینے کی وجہ سے طویل ہاتھ سے تعبیر کیا اور آپ ﷺ (مسند امام احمد ج ۳ ص ۲۷۵-۲۳۲، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۱ ص ۴۹۸) نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو طرف (کربلا) میں شہید ہونے کی خبر دی اور مقتل کی مٹی اپنے ہاتھ سے نکالی اور فرمایا: یہ اس جگہ ان کا ٹھکانہ ہو گا اور زید بن صوحان رضی اللہ عنہ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۱ ص ۳۱۶) کے بارے میں فرمایا کہ ان کا ایک عضو جنت میں ان سے پہلے جائے گا چنانچہ جہاد میں ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا اور آپ ﷺ نے ان حضرات کے بارے میں فرمایا: جب وہ آپ ﷺ کے ساتھ کوہ حراء پر تھے ٹھہر جا کیونکہ تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہے پھر حضرت علی، عمر، عثمان، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم شہید ہوئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور حضرت سراقہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اس وقت تمھاری کیا شان ہو گی جب کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۲ ص ۲۳۵) چنانچہ جب وہ لائے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پہنائے اور کہا: اس اللہ عزوجل کی تمام حمد ہے جس نے ان کو کسی سے چھینا اور سراقہ (رضی اللہ عنہ) کو پہنایا اور فرمایا کہ ایک شہر دجلہ اور دجیل، قطربل اور صراط کے درمیان بنایا جائے گا، اس کی طرف اس قدر زمین کے خزانے آئیں گے کہ وہ بوجھ سے دھنس جائے گی یعنی بغداد (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۲۸) اور فرمایا:

عنقریب اس امت میں ایک مرد ہو گا جس کو ولید کہا جائے گا، وہ اس امت کے لیے فرعون جیسا اپنی قوم

کے لیے تھا اس سے بدتر (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۵۰۵) ہوگا اور فرمایا: قیامت اس وقت تک نہ آئے گی جب تک دو ایسی جماعتیں جن کا ایک ہی دعوی ہوگا آپس میں نہ لڑیں (صحیح بخاری کتاب المناقب باب علامات نبوت، صحیح مسلم کتاب الفتن، مسند امام احمد ج ۲ ص ۳۱۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۳۱۸) اور آپ ﷺ نے حضرت عمر سے حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: اے عمر (رضی اللہ عنہ)! یہ ایسے مقام پر بہت جلد کھڑا ہوگا جس سے تم خوش ہو جاؤ گے۔ (مستدرک ج ۳ ص ۲۸۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۳۶۷) چنانچہ ایسا ہی ہوا تو وہ مکہ مکرمہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جگہ کھڑے ہوئے جبکہ نبی کریم ﷺ کے وصال کی خبر پہنچی اور انھوں نے ویسا ہی خطبہ دیا اور لوگوں کو ثابت قدم رکھا اور ان کی سمجھوں کو مضبوط کیا اور آپ ﷺ نے حضرت خالد ﷺ سے فرمایا:

جب ان کو اکیدر کی طرف بھیجا کہ تم اس کو جنگلی گائے (نیل گائے) کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۲۵۳-۲۵۰) تو یہ تمام باتیں کل کی کل آپ ﷺ کی حیات ظاہری اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد ہوئیں، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا یہاں تک کہ وہ باتیں بھی پوری ہوئیں جن کو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے اسرار اور ان کے پوشیدہ امور کی خبریں دی تھیں اور جو منافقین کے اسرار اور ان کی کفری باتیں اور جو آپ ﷺ کے اور مسلمانوں کے بارے میں تھیں ان کی خبر دی۔

یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے کہہ دیتے کہ خاموش رہو کیونکہ خدا کی قسم اگر کوئی آپ ﷺ کے پاس خبر دینے والا نہ ہوگا تو یہ بطحا کے پتھر بھی آپ ﷺ کو خبر دے دیں گے اور آپ ﷺ نے اس جادو کی حالت کی خبر دی جو لبید ابن اعصم نے کیا تھا۔ (بخاری کتاب الطب ج ۷ ص ۱۸، صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۷۲۰) یعنی وہ ایک کنگھی اور بال تھے جو نر کھجور کی جڑ میں رکھے ہوئے تھے اور یہ کہ وہ ذروان کے کنوئیں میں

ڈالے ہوئے تھے، پس ویسا ہی نکلا جیسا کہ فرمایا تھا اور اسی حالت میں پایا گیا اور آپ ﷺ نے قریش کو خبر دی کہ ان کا وہ صحیفہ جس کے ذریعہ بنی ہاشم پر غلبہ پاتے تھے اور اس کے ذریعہ قطع رحم کرتے تھے اس کو دیمک نے کھالیا ہے، اس میں صرف اتنی جگہ باقی ہے جہاں اللہ عزوجل کا نام ہے۔

تو انھوں نے ویسا ہی پایا جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اور آپ ﷺ نے کفار قریش کو بیت المقدس (طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۴۳۴، البدایہ والنہایہ ج ص ۱۹۸) کی اس وقت اس کی نشانیاں بتائیں جب کہ انھوں نے شب معراج کی خبر پر آپ ﷺ کو جھٹلایا تھا اور آپ ﷺ نے اس کی ایسی تعریف بیان فرمائی جیسے آپ ﷺ کے پیش نظر ہے اور آپ ﷺ نے ان کو اونٹوں کی خبر دی جو آپ ﷺ کی راہ گزر میں جا رہے تھے اور ان کے پہنچنے کے وقت کی خبر دی، پس یہ سب کے سب جیسے فرمایا ویسے ہی ہوئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ان حادثات کی خبر دی جو آپ ﷺ کے بعد ہوں گے اور ابھی تک نہیں ہوئے تھے۔

ان میں سے وہ مقدمات میں جو ظاہر ہوں گے، جیسے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیت المقدس (سنن ابوداؤد ج ۴ ص ۴۸۴) کی آبادی اور یثرب (مدینہ) کی ویرانی جنگ وجدال کا پیش خیمہ ہوگا اور لڑائی کا ظہور فتح قسطنطنیہ ہوگا اور انھیں میں سے قیامت کی علامتیں اور ان کی نشانیاں اور حشر ونشر کا بیان کرنا ہے اور نیکوں، بدوں، جنت ودوزخ اور میدان قیامت کی خبریں ہیں۔

اس اعتبار سے تو فصل ایک ایک جز پر ایک مستقل دیوان بن جائے گا اور جو کچھ ہم نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے یہ سب ان پوری احادیث کے ٹکڑے ہیں جن کو ہم نے کتابوں سے بیان کیا ہے اور ان میں سے اکثر ہمارے ائمہ رحمھم اللہ کے نزدیک صحیح ہیں۔

چوبیسویں فصل

عصمت نبی ﷺ

آپ ﷺ کو اللہ عزوجل کی حفاظت لوگوں کے شر سے اور اس کی کفایت جو آپ ﷺ کو اذیت دے، حاصل تھی۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾

اور اللہ تمھاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ (المائدہ:٦٧)

اور فرماتا ہے:

﴿وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا﴾

اور اے محبوب! تم اپنے رب کے حکم پر ٹھہرے رہو کہ بے شک تم ہماری نگہداشت میں ہو۔ (الطور:٤٨)

اور فرماتا ہے:

﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ﴾ کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں۔ (الزمر:٣٦)

اور کہا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے دشمن مشرکین پر تمھیں کافی ہیں اور بھی معنی بیان کیے گئے ہیں اور فرمایا:

﴿اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾

بے شک! ان بننے والوں پر ہم تمھیں کفایت کرتے ہیں۔ (الحجر:٩٥)

اور فرمایا: ﴿اِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾

اور اے محبوب! یاد کرو جب کافر تمھارے ساتھ مکر کرتے تھے۔ (الانفال:۳۰)

حدیث: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالاسناد روایت کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حفاظت کی جاتی تھی، یہاں تک کہ اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ﴾

اور اللہ تمھاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ (المائدہ:٦٧)

تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے قبہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا: اے لوگو! اب چلے جاؤ بیشک میرے رب عزوجل نے میری حفاظت فرمائی۔ (ترمذی تفسیر سورۃ المائدہ ج۳ ص۳۱۷، در منثور ج۳ ص۱۱۸)

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب کسی منزل میں قیام پذیر ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے کسی درخت کو پسند کرتے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے نیچے قیلولہ (دوپہر کا آرام) فرمائیں، تو ایک اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر تلوار سونت لی پھر کہنے لگا: اب کون آپ کو مجھ سے بچائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل، تو اس اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگا اور اس کی تلوار گر پڑی اور اس نے اپنے سر کو درخت سے مارا یہاں تک کہ اس کے دماغ سے خون بہنے لگا، اس وقت یہ آیت اتری۔

بیشک یہ قصہ صحیح روایت کیا گیا ہے اور غورث بن حارث صاحب قصہ ہیں، اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو معاف کر دیا، جب وہ اپنی قوم میں واپس گیا تو کہنے لگا: میں تمھارے پاس لوگوں میں سب سے بہتر کے پاس سے آیا ہوں۔ (تفسیر در منثور ج۳ ص۱۱۹)

اور اس حکایت کی مثل بیان کیا گیا ہے کہ جو بدر کے دن اس کو پیش آیا، یعنی جب آپ قضائے حاجت کے

لیے اپنے صحابہ سے علاحدہ ہوئے تب منافقوں میں سے ایک شخص آپ ﷺ کے پیچھے آیا اور اس قصہ کے مثل بیان کیا۔

اسی طرح مروی ہے کہ ایسا ہی ایک واقعہ غزوۂ غطفان (تفسیر در منثور ج ۳ ص ۱۱۸) میں ذی امر کے مقام پر ایک شخص کے ساتھ پیش آیا جس کو دعثور بن حارث کہا جاتا ہے اور یہ کہ بعد میں وہ مسلمان ہو گیا، جب وہ اپنی اس قوم کی طرف واپس گیا جس نے اس کو ورغلایا تھا کیونکہ میدان کا سردار اور بہادر تھا، تو وہ کہنے لگے کہ تیری وہ بات کیا ہوئی حالانکہ تو قابو پا چکا تھا اس نے کہا کہ میں نے ایک سفید طویل مرد کو دیکھا جس نے میرے سینے پر ہاتھ مارا تو میں پیٹھ کے بل گر پڑا اور تلوار گر پڑی، اس وقت میں نے جان لیا کہ وہ فرشتہ ہے، اب میں مسلمان ہوں، کہا گیا ہے کہ اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ هَمَّ قَوۡمٌ اَنۡ يَّبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ فَكَفَّ اَيۡدِيَهُمۡ عَنۡكُمۡ﴾

اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے ان کے ہاتھ تم پر سے روک دیے۔ (المائدہ:۱۱)

اور خطابی علیہ الرحمہ کی روایت میں ہے کہ غورث بن حارث محاربی نے ارادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ کو قتل کرے، آپ ﷺ کو معلوم نہ ہوا یہاں تک کہ وہ تلوار سونت کر آپ ﷺ کے سر پر کھڑا ہو گیا، تب آپ ﷺ نے فرمایا: اے خدا مجھے اس سے محفوظ رکھ جس طرح تو چاہے تو وہ درد کمر سے چہرے کے بل گر پڑا، یہ درد اس کے دونوں کندھوں میں ہوا اور اس کی تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ (زلخہ درد کمر کو کہتے ہیں) اور اس قصہ میں اس کے سوا اور بھی کہا گیا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اس بارے میں یہ آیت اتری

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ﴾

اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے ان کے ہاتھ تم پر سے روک دیے۔ (المائدہ:۱۱)

اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قریش سے خوف رکھتے تھے (تفسیر در منثور ج ۳ ص ۱۲۰) جب یہ آیت اتری تو آپ ﷺ سیدھے لیٹ گئے، پھر فرمایا: جو شخص چاہے میری مدد چھوڑ دے۔

عبد بن حمید علیہ الرحمہ نے بیان کیا ﴿حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ (تبت:۲) (ابولہب کی بیوی) یعنی لکڑیاں اٹھانے والی، آپ ﷺ ان کے راستہ میں جلتی ہوئی لکڑیاں رکھا کرتی تھی تو آپ ﷺ کیا ہم اس کو ایسے پامال کرتے تھے جیسے ریت ہو۔

ابن اسحاق علیہ الرحمہ نے اس سے بیان کیا کہ جب اس کو سورہ "تَبَّتْ یَدَاۤ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ": تباہ ہو جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ (بتت:۱) کے نازل ہونے کی خبر پہنچی اور یہ کہ اللہ عزوجل نے اس کی برائی بھی بیان کی ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی درآنحالیکہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے، اس کے ہاتھ میں پتھر تھے جب وہ دونوں کے پاس کھڑی ہوئی تو اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا آپ ﷺ کو نہ دیکھا، اس وقت اللہ عزوجل نے اس کی نظروں سے اپنے نبی ﷺ کو چھپا لیا، اس نے کہا: اے ابوبکر! تمھارے صاحب کہاں ہیں؟ مجھے خبر پہنچی ہے کہ انھوں نے میری مذمت کی ہے، خدا کی قسم اگر میں ان کو اس وقت پالوں تو ان پتھروں سے (خاک بدہن) ان کا منہ کچل دوں۔

حکم ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کے بارے میں معاہدہ کیا یہاں

تک کہ ہم نے مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو ہم نے پیچھے سے ایک (ہولناک) آواز سنی، اس وقت ہم نے گمان کیا کہ تہامہ میں کوئی (زندہ) باقی نہ رہا ہو گا، تو ہم غش کھا کر گر پڑے تو ہم اس وقت ہوش میں آئے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز ختم کر کے گھر تشریف لے گئے تھے، پھر ہم نے دوسری رات معاہدہ کیا اور ہم آئے یہاں تک کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا اس وقت صفا مروہ آکر ہمارے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان حائل ہو گیا۔ (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۷، تفسیر در منثور ج ۷ ص ۴۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے اور ابوجہم ابن حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا معاہدہ کیا تو ہم آپ کی قیام گاہ پر آئے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تلاوت کرتے سنا کہ آپ سورہ الحاقہ پڑھ رہے ہیں، جب آپ نے ﴿فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ﴾ تو تم ان میں سے کسی کو بچا ہوا دیکھتے ہو۔ (الحاقہ: ۸) کو پڑھا تو ابوجہم نے عمر رضی اللہ عنہ کے بازو پر ہاتھ مارا اور کہا کہ نجات پاؤ، تو ہم دونوں وہیں سے بھاگے (تفسیر در منثور ج ۸ ص ۲۶۳) تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے مقدمات تھے اور ان میں وہ مشہور عبرت اور کفایت نامہ ہے کہ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قریش نے خوفزدہ کیا (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۲ ص ۴۷۵ تفسیر در منثور ج ۷ ص ۴۴، دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۲۰۴، ۲۰۱) اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر سب مجتمع ہو کر رات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کو گھیر لیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور ان کے سروں پر کھڑے ہو گئے اور بیشک اللہ عزوجل نے ان کی آنکھوں پر مار لگائی اور ان کے سروں پر مٹی ڈالی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے محفوظ رکھا اور اللہ عزوجل کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حمایت غار میں ان کے دیکھنے سے ظاہر ہے، بسبب ان نشانیوں کے جن کو اللہ عزوجل نے مہیا فرمایا، مثلاً مکڑی کا جالا بننا وغیرہ۔

یہاں تک کہ امیہ بن خلف سے جب انھوں نے کہا کہ ہم اس غار میں داخل ہوں تو اس نے کہا: کیا تم اس

کے دہانہ پر دیکھتے نہیں کہ اس پر مکڑی کا جالا ہے جس کو (حضور ﷺ) کی ولادت سے پہلے دیکھ رہا ہوں اور یہ کہ دو کبوتر غار کے دہانہ پر موجود ہیں، تو قریش نے کہا کہ اگر اس میں کوئی ہوتا تو یہ کبوتر اس جگہ کیسے ہوتے؟

اور ہجرت کے وقت آپ ﷺ کا وہ قصہ جو سراقہ ابن مالک ابن جعشم کے ساتھ پیش آیا (صحیح بخاری ج ۵ ص ۵۱، مسلم ج ۳ ص ۱۵۹۲) اور بیشک قریش نے آپ ﷺ کے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں انعام مقرر کیا تھا اور اس کی سراقہ کو خبر دی گئی تو وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آپ ﷺ کے تعاقب میں چلا، حتی کہ جب وہ آپ ﷺ کے بالکل قریب ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس پر بددعا کی تو اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور وہ اس سے گر پڑا اور تیروں سے فال نکالنے لگا، تو وہ بات نکلی جو اسے ناپسند تھی، پھر وہ سوار ہوا اور قریب آیا یہاں تک کہ اس نے نبی کریم ﷺ سے قرات کو سنا، درآنحالیکہ آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ نہ تھے مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے، تو انھوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم پر کوئی آ گیا، تب آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ غم نہ کھا بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (التوبہ:۴۰)

تو دوبارہ وہ گھٹنوں تک دھنس گیا اور اس سے گر پڑا، پھر اس نے گھوڑے کو ڈانٹا تو وہ گھوڑا اس حال میں اٹھا کہ اس کے پاؤں سے مشل دھوئیں کے اٹھ رہا تھا تو اس وقت اس نے امان مانگی، تب آپ ﷺ نے اس کو امان لکھ دی، اس امان نامہ کو فہیرہ رضی اللہ عنہ نے لکھا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لکھا، پھر اس نے قریش کی خبریں سنائیں اور نبی کریم ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ جو بھی راستہ میں تلاش کرنے والا ملے اسے نہ چھوڑنا کہ وہ آپ ﷺ سے ملے، پھر وہ لوٹ گیا اور لوگوں سے کہتا تھا کہ بس تمھیں کافی ہے اب وہ یہاں نہیں ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے

آپ ﷺ سے کہا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تم دونوں نے مجھ پر بددعا کی ہے، پس اب میرے لیے دعا کرو، تو وہ نجات پا گیا اور اس وقت اس کے دل میں آپ ﷺ کا اثر جاگزیں ہو گیا۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک چرواہے نے آپ دونوں کی خبریں معلوم کیں تو وہ جی سے چلا کہ قریش کو خبر دے دے پس جب وہ مکہ آیا تو اس کے دل سے وہ بات بھلا دی گئی، پس وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا کرنا ہے اور وہ بھول میں پڑ گیا کہ کیوں نکلا تھا، یہاں تک کہ وہ اپنی جگہ واپس آ گیا۔

ابن اسحاق علیہ الرحمہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ابو جہل (دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۲۰۵) ایک پتھر لے کر آیا درآنحالیکہ آپ ﷺ سجدہ میں تھے اور قریش دیکھ رہے تھے کہ اب وہ پتھر آپ ﷺ پر ڈالتا ہے مگر وہ پھر اس کے ہاتھ میں چمٹ گیا اور اس کے دونوں ہاتھ گردن تک خشک ہو گئے، تب وہ الٹے پاؤں لوگوں کی طرف پیچھے بھاگا، پھر اس نے آپ ﷺ ہی سے سوال کیا کہ اس کے لیے دعا فرمائیں تو اس کے ہاتھ کھل گئے، حالانکہ اس نے قریش کے ساتھ اس کا وعدہ کیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ اگر آپ ﷺ کو دیکھے گا تو ضرور (خاک بدہن) آپ ﷺ کا سر کچل دے گا۔

پھر قریش نے اس سے آپ ﷺ کی بابت پوچھا تو اس نے بیان کیا کہ پہلے تو مجھے ایک ایسا اونٹ ملا کہ اس جیسا میں نے کبھی نہ دیکھا تھا، وہ ارادہ کر رہا تھا کہ مجھے کھا جائے، تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا: وہ جبرئیل علیہ السلام تھے اگر قریب ہوتا تو وہ اس کو پکڑ لیتے۔

سمرقندی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ بنی مغیرہ کا ایک مرد نبی کریم ﷺ کے پاس آیا تاکہ وہ آپ ﷺ کو معاذ اللہ قتل کر دے تو اللہ عزوجل نے اس کی بینائی پر طمانچہ مارا تو اس نے آپ ﷺ کو نہ دیکھا حالانکہ وہ آپ ﷺ کی باتیں سن رہا تھا، پس وہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ گیا، تو اس نے ان کو نہ دیکھا حتی کہ اس کو پکارا، اور مذکور ہے کہ ان دونوں قصوں پر یہ آیت اتری:

﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا﴾: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق کر دیے ہیں۔ (یٰس:۷)

(دلائل النبوة لابی نعیم ج ۱ ص ۲۰۰)

اور اسی میں سے وہ آپ ﷺ کا قصہ ہے جس کو ابن اسحاق علیہ الرحمہ نے بیان کیا کہ آپ ﷺ جب اپنے اصحاب کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف تشریف لے گئے اور آپ ﷺ ایک اونچے مکان کے نیچے بیٹھے تو ان میں سے ایک کو عمرو بن حجاش ابھارتا تھا کہ آپ ﷺ پر چکی کا پاٹ ڈال دے پھر نبی کریم ﷺ کھڑے ہوگئے اور مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو یہ قصہ بتایا اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اس قصہ کی بابت یہ آیت اتری:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ فَكَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ﴾

اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں تو اس نے ان کے ہاتھ تم پر سے روک دیے۔ (المائدہ:۱۱)

سمرقندی علیہ الرحمہ بیان کرتے ہیں کہ آپ نام بنی نضیر کی طرف تشریف لے گئے، بنی کلاب کے دو مردوں کے بارے میں جن کو عمرو ابن امیہ نے قتل کیا تھا، تو آپ ﷺ سے حی بن اخطب نے کہا: بیٹھیے اے ابوالقاسم یہاں تک کہ ہم آپ کو کھانا کھلائیں اور جو آپ ﷺ چاہتے ہیں وہ دیں، تب نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بیٹھ گئے اور حی نے کفار کے ساتھ آپ ﷺ کو قتل کرنے کا مشورہ کیا تو جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دے دی، آپ ﷺ ایسے کھڑے ہوئے جیسے آپ ﷺ کو کوئی ضرورت لاحق ہوگئی ہے، یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے۔ (دلائل النبوہ للبیہقی ج ۳ ص ۱۸۰، دلائل النبوة لابی نعیم ج ۲ ص ۴۹۱)

اہل تفسیر نے اس حدیث کے معنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیے ہیں کہ ابو جہل نے قریش سے وعدہ کیا کہ اگر حضور ﷺ کو نماز پڑھتا دیکھے تو وہ آپ ﷺ کی گردن پامال کر دے گا، جس وقت آپ ﷺ نے نماز پڑھنی شروع کی تو قریش نے اس کو بتایا تو وہ آگے آیا، جب وہ آپ ﷺ کے قریب ہوا تو ایڑیوں کے بل الٹا چیختا ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچاتا بھاگا۔

جب اس سے پوچھا گیا تو کہا کہ میں جب (آپ ﷺ کے) قریب ہوا تو ایک ایسی کھائی (خندق) کے کنارے پہنچا جو آگ سے بھری ہوئی تھی، قریب تھا کہ میں اس میں گر پڑوں، مجھے بہت ڈر معلوم ہوا اور پروں کا ملنا دیکھا جس سے زمین بھر گئی تھی، تب حضور ﷺ نے فرمایا: وہ فرشتے تھے، اگر وہ قریب ہوتا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے، پھر آپ ﷺ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى﴾

ہاں ہاں بیشک آدمی سرکشی کرتا ہے۔ (آخر سورت تک) (علق:٦)

(صحیح مسلم ج۴ ص ۲۱۵۳، تحفۃ الاشراف ج۱۰ ص ۹۲)

مروی ہے کہ شیبہ بن عثمان حجبی نے غزوہ حنین کے دن آپ ﷺ کو پایا کیونکہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کے باپ اور چچا کو قتل کر دیا تھا تو میں نے کہا آج میں ان کا بدلہ آپ سے لوں گا، چنانچہ جب لوگ گھتم گتھا ہو گئے تو وہ آپ ﷺ کے پیچھے سے آیا اور اس نے تلوار کھینچ کر آپ ﷺ پر وار کرنا چاہا، راوی نے کہا کہ جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو میری طرف ایک آگ کی لپٹ بجلی سے زیادہ تیز لپکی تو میں الٹے قدم بھاگا، جب حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو مجھے بلایا اور اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا درانحالیکہ آپ ﷺ مخلوق میں میرے نزدیک سب سے زیادہ دشمن تھے، ابھی آپ ﷺ نے دست مبارک سینہ سے اٹھایا نہ تھا کہ آپ ﷺ مجھے مخلوق میں

سب سے زیادہ محبوب معلوم ہونے لگے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: قریب ہو اور جہاد کر، تو میں آپ ﷺ کے آگے ہو کر اپنی تلوار سے کفار کو مارتا تھا اور آپ ﷺ کو اپنی جان سے بچاتا تھا، مگر اس وقت میرا باپ بھی سامنے آجاتا تو یقیناً میں اس پر آپ ﷺ کے بچانے کی خاطر حملہ کرتا۔

(دلائل النبوۃ لابی نعیم ج ۱ ص ۱۹۵)

فضالہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: میں نے فتح مکہ کے دن قصد کیا کہ آپ ﷺ کو شہید کر دوں، در آنحالیکہ آپ ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے، پس جب میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو فرمایا: کیا فضالہ ہے؟ میں نے کہا: ہاں، فرمایا: تو اپنے دل میں کیسی باتیں کرتا ہے؟ میں نے کہا: کچھ نہیں، تو آپ ﷺ مسکرا دیے اور میرے لیے استغفار کیا اور اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا میرے دل میں سکون و قرار ہو گیا، خدا کی قسم ابھی آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اٹھایا نہ تھا کہ مخلوق الٰہی میں آپ ﷺ سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہ معلوم ہوئی۔

یہ بات تو مشہور ہے کہ عامر بن طفیل اور ارید بن قیس جب وفد بن کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور عامر نے ارید سے کہا تھا کہ میں جب آپ (ﷺ) کے چہرہ انور کو اپنی باتوں میں مشغول کر لوں تو تو تلوار کی ضرب لگانا تو اس نے نہیں دیکھا کہ وہ کچھ کرے، بعد کو جب اس بارے میں اس سے بات کی تو ارید نے کہا کہ خدا کی قسم میں قصد کر رہا تھا کہ تلوار ماروں مگر میں نے تجھ کو اپنے اور آپ (ﷺ) کے درمیان حائل پایا تو کیا میں تجھ کو مارتا۔ (دائل النبوہ لابی نعیم ج ۲ ص ۲۰۷)

اسی طرح اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کی حفاظت بہت سے موقعوں پر یہود اور کاہنوں سے فرمائی کہ انھوں نے آپ ﷺ سے لوگوں کو ڈرایا اور قریش کی انھوں نے مدد کی اور انھیں بتایا کہ آپ (ﷺ) اپنی سطوت (حکومت) تم پر چاہتے ہیں اور آپ ﷺ کے قتل پر ان کو ابھارا، تو اللہ

عزوجل نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی، یہاں تک کہ ان میں امرالٰہی پورا ہوا اور اسی قبیل سے آپ ﷺ کی نصرت اور ایک ایک مہینہ کی مسافت تک آپ ﷺ کے آگے اور پیچھے آپ ﷺ کا رعب ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

پچیسویں فصل

آپ ﷺ کے روشن معجزات

اور آپ ﷺ کے روشن معجزات میں سے یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو علوم و معارف کا جامع کیا اور تمام دین و دنیا کے مصالح پر آپ ﷺ کو مطلع کر کے مخصوص فرمایا اور آپ ﷺ کو امور شرعیہ، قوانین دینیہ، سیاست دینیہ (حکومت کے آئین) کی معرفت عطا فرمائی اور آپ ﷺ سے پہلی گزری ہوئی امتوں کے حالات کی خبر دی اور انبیا و رسل علیہم السلام اور بادشاہوں کے قصے اور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ ﷺ کے زمانہ اقدس تک تمام گزرے ہوئے زمانوں کی اطلاع بخشی اور ان کی شریعتوں اور کتابوں سے باخبر کیا اور ان کی سیرتیں، ان کی خبریں، ان میں اللہ عزوجل کے دنوں، ان کے اشخاص کی صفات، ان کی مختلف رائیں، ان کی عمروں کی مدتیں، ان کے عقلمندوں کی حکمتیں، ہر ایک امت کے کفار سے جھگڑے، ہر فرقے کا ان کی ان کتابوں سے معارضے ہیں جو وہ کتابیں رکھتے تھے ان کے بھیدوں اور ان کے چھپے ہوئے علوم کی خبریں دینا اور ان خبروں کو بتانا جس کو وہ چھپاتے تھے، لغات عرب کے ان تغیرات کو بتانا جن کو وہ بدل چکے تھے اور مختلف فرقوں کے

نادر الفاظ، ان کی فصاحت کے اقسام کا احاطہ ان کے دلیل و بند اور مثالوں حکمتوں اشعار کے معانی وغیرہ کی حفاظت سے سب اللہ عزوجل نے آپ ﷺ پر کھول دیے۔

اور آپ ﷺ کو جوامع کلم، امثال صحیحہ کے منطبق کرنے کی معرفت، روشن حکمتیں تا کہ باریک باتیں سمجھ کے قریب ہوں، مشکل الفاظ کی وضاحت عطا فرمائی اور قواعد شرعیہ کی بایں طور درستگی فرمائی کہ جس میں تناقض و تخاذل نہ ہو اور آپ ﷺ کی شریعت پاکیزہ اخلاق، عمدہ تعریف و آداب کی حامل ہو اور ہر چیز اس خوبی کے ساتھ مفصل ہو کہ کسی منکر ملحد، صاحب عقل سلیم کو کسی جہت سے تنگی محسوس ہو بلکہ جو بھی اس کا منکر وہ کافر اور جاہل ہو جب اس کو سنے اور اس کی طرف بلایا جائے تو اس کو درست و مستحسن ہی مانے اور کسی دلیل و حجت کے قائم کرنے کی اس پر حاجت نہ رہے۔

پھر مسلمانوں کے لیے وہ چیزیں حلال کی گئیں جو طیب ہیں اور ان پر خبیث چیزوں کو حرام کیا گیا اور ان کی حیاتوں، عزتوں اور مالوں کو آخرت کے عذاب اور جی حدود کے نفاذ سے اور مدت تک عذاب نار سے ڈرا کر بچایا یہاں تک کہ وہ بہت سے علوم وفنون کو شامل ہے جن کو جاننے والا ہی جانتا ہے، جیسے فن طب، تعبیر، فرائض، حساب اور نسب وغیرہ اور ان کے بعض علما نے تو حضور ﷺ کے کلام مبارک کو بطور سند واصول کے اپنے علوم میں بیان کیا ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: خواب سب سے پہلے دیکھنے والے کے لیے ہے (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۲۸۸) اور وہ پرندے کے پاؤں پر ہے (سنن ابوداؤد ج ۵ ص ۲۸۱، سنن ترمذی ج ۳ ص ۳۲۲، ابن ماجہ کتاب الرویا ج ۲ ص ۱۳۸۸) (یعنی فوراً ہونے والی ہے) اور فرمایا: خواب تین قسم کے ہوتے (صحیح مسلم کتاب الرویا ج ۴ ص ۱۷۷۲، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۳۸۵) ہیں: ایک رویا حق ہے دوسرا رؤیا وہ کہ جو مرد کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ (خطرہ وغیرہ) اور تیسیرا رویا غمگین ہے جو شیطان کے وسوسہ سے ہے اور یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب زمانہ قریب ہو گا (قرب قیامت یا دن رات کی

برابری) تو مسلمان کی خواب جھوٹی نہ ہوگی (صحیح مسلم کتاب الرویا ج ۴ ص ۱۷۷۳، سنن ابوداؤد کتاب الادب ج ۵ ص ۲۸۲، سنن ترمذی ج ۳ ص ۳۱۳) اور یہ کہ آپ نے فرمایا: ہر بیماری کی جڑ بدہضمی (البردۃ) ہے۔

حضرت ابی ہریرہ ﷺ (مع الزوائد ج ۵ ص ۸۲، والملالی لمصنف ج ۲ ص ۲۰۸) نے آپ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں اس میں آنے والی ہیں اگرچہ اس حدیث کو ہم صحیح نہیں کہتے کیونکہ دارقطنی علیہ الرحمہ اس کو موضوع بیان کرنے میں کلام کرتے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہتر دوا جو تم کرتے ہو وہ سعوط (نسوار) اور لدود (جو دوائی پی جائے) اور پچھنے (حجامت) اور مسہل (سنن ترمذی کتاب الطب ج ۳ ص ۲۲۳) ہے، حجامت کے لیے بہتر دن ۱۷، ۱۹، ۲۱ تاریخ (قمری) ہے (مستدرک کتاب الطب ج ۴ ص ۲۱۰) اور عود ہندی کے بارے فرمایا: اس سے سات بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ منجملہ ان میں ذات الجنب ہے (صحیح بخاری کتاب الطب ج ۷ ص ۱۹۸) اور فرمایا: ابن آدم نے پیٹ سے بڑھ کر کوئی بڑا برتن نہیں بھرا یہاں تک فرمایا کہ اگر ضروری ہی بھرنا ہو تو تہائی کھانے کے لیے ایک تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے۔ (ترمذی ج ۵ ص ۳۹)

اور فرمایا: بیشک سبا کے بارے میں پوچھا گیا کیا وہ مرد ہے یا عورت یا زمین، فرمایا: وہ مرد حق جس کے دس بیٹے تھے چھ یمن میں اور چار شام میں جا کر آباد ہوئے۔ (ترمذی، مسند امام احمد حسن ابن عباس، کمانی مناہل الصفاء للسیوطی ص ۱۲۱) یہ حدیث طویل ہے، اسی طرح قضاعہ کے نسب کے بارے میں جواب دیا۔ (مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۹۵، ۱۹۴) اس کے علاوہ وہ باتیں جن میں عرب پریشان تھے بتائیں باوجودیکہ وہ لوگ نسب میں مشغول رہا کرتے تھے مگر آپ ﷺ سے پوچھنے میں مجبور تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا حمیر عرب کا سردار تھا اور اچھا تھا، اور اس کا مذحج سر اور گردن ہے اور ازد اس کا کاہل یعنی پیٹھ اور کھوپڑی ہے، شکم دان اس کا غارب (کثیر) اور چوٹی ہے (کشف الاستار ج ۳ ص ۳۰۵، مجمع

الزوائد ج اص ۳) اور فرمایا زمانہ بیشک دور میں ہے، اپنی اس کے ساتھ جس دن سے اللہ عزوجل نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا (صحیح بخاری ج اص ۵۵، صحیح مسلم ج ۳ص ۱۳۰۵) اور حوض کوثر کے بارے میں فرمایا: اس کے زاویے (گوشے) برابر ہیں (صحیح مسلم کتاب الفضائل ج ۴ص ۱۷۹۳) اور ذکر کی حدیث میں فرمایا۔ (سنن ابوداؤد کتاب الادب ج ۵ص ۳۰۹، سنن ابن ماجہ کتاب الاقامہ ج اص ۲۹۹) ایک نیکی دس گنا ہوگی، پس وہ ایک سو پچاس تو (نماز میں) زبان پر ہیں اور ایک ہزار پانچ سو میزان میں ہیں اور ایک جگہ کے بارے میں فرمایا: یہ حمام کی اچھی جگہ ہے (طبرانی، مجمع الزوائد) اور فرمایا: مشرق و مغرب کے مابین (مکہ میں) قبلہ ہے (سنن ترمذی کتاب الصلوۃ ج اص ۲۱۴) اور عیینہ یا اقرع سے فرمایا کہ میں تم سے زیادہ گھوڑے کو پہچانتا ہوں اور آپ ﷺ نے اپنے کاتب سے فرمایا: قلم کو اپنے کانوں پر رکھ کیونکہ یہ لکھنے والے کو خوب یاد دلاتا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب الطہارۃ ج اص ۱۹) اس کو یاد رکھو کہ باوجود اس کے کہ آپ ﷺ لکھتے نہ تھے مگر اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو ہر چیز کا علم دیا ہے حتی کہ بلاشبہ ایسی حدیثیں مروی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ حروف کی کشش کو جانتے تھے اور اس کی خوبصورتی کو پہچانتے ہیں، جیسے کہ آپ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم کو لمبا نہ لکھو۔ (الفردوس ج اص ۲۹۲) ابن شعبان علیہ الرحمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی سند سے اس کو روایت کیا، دوسری وہ حدیث جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے لکھ رہے تھے اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: دوات کو ٹھیک کرو اور قلم کی نوک نکالو باء کو کھڑا کرو اور سین کے دندانہ نکالو اور میم کے دائرے کو بند نہ کرو، لفظ اللہ کو خوبصورت لکھو اور الرحمن کو لمبا لکھو اور لفظ الرحیم کو عمدہ لکھو۔ (مسند الفردوس دیلمی کمافی مناہل الصفا للسیوطی ص ۱۲۸) یہ باتیں یاد رکھنے کی ہیں۔

اگرچہ یہ بات ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے کچھ لکھا ہو مگر یہ آپ ﷺ سے بعید نہیں کیونکہ آپ

ﷺ کو ہر چیز کا علم تو دیا گیا ہو مگر پڑھنے لکھنے سے منع کر دیا ہو لیکن لغات عرب کا آپ ﷺ کو علم ہونا اور اشعار کے معانی کا یاد کرنا یہ ایسی چیزیں ہیں جو مشہور و معروف ہیں، بیشک کتاب (شفا) کے اول فصلوں میں اس پر ہم نے تم کو خبردار کر دیا ہے، اسی طرح گزشتہ امتوں کی بہت سی نعمتوں کا یاد کرنا ثابت ہے، جیسا کہ حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: سنہ سنہ جس کے معنی حسنہ حبش کی لغت میں ہے۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس ج ۷ ص ۱۳۱) اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا: ہرج بہت ہو گیا یعنی قتل بہت ہو گیا۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن ج ۹ ص ۴۱، صحیح مسلم کتاب العلم ج ۲ ص ۲۰۵۶)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اشکنب (سنن ابن ماجہ کتاب الطب ج ۲ ص ۱۳۵) درد یعنی فارسی زبان میں پیٹ کے درد کو کہتے ہیں، اس کے علاوہ اور بہت سے ایسے علوم ہیں جن کے کل یا بعض کو وہی اچھی طرح جان سکتا ہے جس نے ساری عمر کتابوں کے پڑھنے میں صرف کی ہو اور ہر وقت کتابوں میں ہی مشغول ہو اور اہل فن سے لگاؤ رکھتا ہو۔

اور آپ ﷺ ایسے مرد تھے کہ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ آپ ﷺ امی ہیں جو لکھتے ہیں نہ پڑھتے ہیں اور نہ ایسے لوگوں کی مجلسوں میں رہے ہیں، جن کی یہ صفت تھی اور نہ ان کے علموں میں سے کسی علم کو پڑھا اور نہ پہلے آپ ﷺ ان میں سے کسی علم میں مشہور تھے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ﴾ (العنکبوت:۴۸)

اور اس سے پہلے تم کوئی کتاب نہ پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے کچھ لکھتے تھے۔

اہل عرب کا انتہائی علم یہ تھا کہ وہ نبیوں کو اور پہلوں کی خبروں کو اور شعر و بیان کو صرف جانتے تھے اور یہ بھی ان کو جب حاصل ہوتا تھا جبکہ وہ حصول علم کی کوشش کرتے اور طلب علم میں مشغول رہتے اور اہل علم سے مذاکرہ کرتے تھے، حالانکہ یہ فن تو آپ ﷺ کے دریائے علم کا صرف ایک قطرہ اور نقطہ ہے

اور جو چیزیں ہم نے بیان کی ہیں ان میں ملحدین کے انکار کی اصلاً گنجائش نہیں اور کفار کو تو اس کے رفع کرنے میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا جو ہم نے واضح کیا ہے، کہ وہ یہ کہیں کہ یہ تو پچھلوں کی کہانیاں ہیں اور یہ کہ یہ تو انسان کا سکھایا ہوا ہے، تو اللہ عزوجل نے ان کے اس قول کو مردود کر دیا کہ جو یہ نسبت جس کی طرف کرتے ہیں وہ تو عجمی ہے حالانکہ فصیح عربی زبان ہے۔

پھر وہ جو انھوں نے کہا وہ تو صریح مکابرہ ہے کیونکہ وہ جس کی طرف آپ ﷺ کی تعلیم کی نسبت کرتے تھے وہ یا تو مسلمان تھے یا رومی بلعام، حالانکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے نے تو آپ ﷺ کو ہجرت کے بعد پہچانا اور (اس سے پیشتر) قرآن بکثرت نازل ہو چکا تھا اور بے شمار نشانیاں اور معجزات ظاہر ہو چکے تھے۔ اسی طرح رومی بلعام، وہ بھی اسلام لا چکے تھے اور آپ ﷺ سے قرآن پڑھتے تھے، ان کے نام میں اختلاف ہے۔

اور بعض کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ کوہ مروہ پر اس کے پاس بیٹھا کرتے تھے (بہر صورت) یہ دونوں عجمی زبان والے تھے اور یہ جھگڑالو (کفار) فصحا اور تیز و طرار خطبا بلاشبہ معارضہ میں قرآن کا مثل لانے میں عاجز رہے بلکہ اس کے وصف، ترکیب سوز اور نظم کلام کی سمجھ سے بھی قاصر تھے تو عجمی (لوگوں) کا کیا شمار۔

لیکن ہاں! حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہوں! بَلْعَامُ رُوْمِیْ یَا یَعِیْشُ یَا جَبْرٌ یَا یَسَارٌ کہ جس کے نام میں اختلاف ہے، یہ ان کے سامنے ان سے مدۃ العمر کلام کرتے رہے تھے تو کیا کوئی بھی یہ کہتا ملا کہ یہ جو آپ ﷺ لائے ہیں، یعنی قرآن وہ ویسا ہی ہے جیسے یہ باتیں کرتے ہیں اور کیا ان میں سے ایک سے بھی یہ باتیں مشہور ہوئی ہیں اور اس وقت دشمن کو باوجود ان کی کثرت تعداد اور سخت طلب معارضہ اور انتہائی حسد کے کسی نے ان کو نہ روکا تھا کہ وہ بھی ان میں کسی کے پاس بیٹھ کر ان سے حاصل کر

کے معارضہ کرے اور ان سے ایسی باتیں سیکھیں جو معارضہ و مجادلہ میں ضروری ہیں۔

جیسا کہ نضر بن حارث نے کیا کہ وہ کتابوں سے من گھڑت خبریں بیان کرتا تھا، حالانکہ نبی کریم ﷺ کسی وقت بھی اپنی قوم سے غائب نہ رہے اور نہ کثرت کے ساتھ اہل کتاب کے شہروں میں میل جول رہا۔

جو یہ کہا جاتا کہ آپ ﷺ نے ان سے مدد لی ہے، بلکہ آپ ﷺ ہمیشہ ان کے سامنے اپنے بچپنے اپنی جوانی میں انبیاعلیھم السلام کی عادت کے مطابق بکریاں چراتے رہے، پھر یہ کہ کبھی آپ ﷺ ان کے شہروں سے باہر نہ نکلے مگر ایک یا دو سفروں میں ان دونوں سفروں میں بھی اتنی مدت نہ لگائی جس سے احتمال ہو کہ آپ ﷺ نے تھوڑی سی بھی تعلیم حاصل کی چہ جائیکہ کثیر، بلکہ آپ ﷺ کے سفروں میں بھی آپ ﷺ کی قوم ساتھ رہی ہے اور اپنے اقربا کی رفاقت سے کسی حال میں پوشیدہ نہ رہے اور مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں بھی آپ ﷺ کی حالت نہ بدلی کہ آپ ﷺ تعلیم پانے اور نہ کسی یہودی عالم یا نصرانی راہب یا نجومی یا کاہن کے پاس رہے بلکہ اگر یہ سب باتیں بھی ہوتیں تب بھی آپ ﷺ کا وہ چیز لانا جو قرآن کا اعجاز ہے، یقیناً ان کے ہر ایک عذر کو قطع کرنے والا اور ہر دلیل کو دور کرنے والا اور ہر امر کو صاف کرنے والا ہے۔

چھبیسویں فصل

آپ ﷺ کی بتلائی ہوئی غیبی خبریں

آپ ﷺ کی خصوصیات و کرامات اور ظاہر معجزات میں سے وہ غیبی خبریں ہیں جو ملائکہ اور جنات کے ساتھ ہوئیں اور فرشتوں کے ذریعے اللہ عزوجل کا آپ ﷺ کی مدد فرمانا اور جنات کو آپ ﷺ کا مطیع فرمان بنانا اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا ان کو دیکھنا ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

﴿وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَ جِبْرِيْلُ﴾

اور اگر ان پر زور باندھو تو بیشک اللہ ان کا مددگار ہے اور جبریل۔ (تحریم:۴)

اور فرمایا:

﴿اِذْ يُوْحِىْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓىٕكَةِ اَنِّىْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾

جب اے محبوب تمھارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو ثابت رکھو۔ (الانفال:۱۲)

اور فرمایا:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ﴾

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمھاری سن لی کہ میں تمھیں مدد دینے والا ہوں۔ (الانفال:۹)

اور فرمایا: ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ﴾

اور جب کہ ہم نے تمھاری طرف کتنے جن پھیرے کان لگا کر قرآن سنتے۔ (الاحقاف:۲۹)

حدیث: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی﴾

بیشک اپنے رب کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔ (النجم:۱۸)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو پر تھے۔

اور حدیث میں آپ ﷺ کا جبریل و اسرافیل علیہما السلام وغیرہ کے ساتھ باتیں کرنا ثابت ہے اور شب معراج آپ ﷺ کا بڑی اور چھوٹی صورتوں میں ان کو بکثرت مشاہدہ کرنا مشہور ہے اور بیشک آپ ﷺ کی مجلس میں مختلف مقامات پر جماعت صحابہ نے ان کو دیکھا، پس آپ ﷺ کے اصحاب مسعود رضی اللہ عنہم (صحیح بخاری کتاب الایمان، مسلم کتاب الایمان ج ا ص ۳۷-۳۱، سنن ترمذی کتاب الایمان، مقدمہ سنن ابوداؤد ج ا ص ۲۴، کتاب المناقب ج ۵ ص ۲۴۳، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۸۲) نے آپ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام کو ایک مرد کی صورت میں دیکھا کہ وہ آپ ﷺ سے اسلام اور ایمان کے بارے میں سوال کر رہے ہیں اور حضرت ابن عباس (صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۹۰۷، صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۹۴، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۷ ص ۲۸) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ نے آپ کے پاس جبریل علیہ السلام کو دحیہ کلبی مسعود رضی اللہ عنہ کی صورت میں دیکھا اور سعد رضی اللہ عنہ (صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۳۸، مسلم ج ۴ ص ۱۸۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۲۵۵) نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے داہنے اور بائیں حضرت جبریل و میکائیل علیہما السلام دو آدمیوں کی صورت میں ہیں جن پر سفید کپڑے ہیں، اس کے مثل دوسروں سے بھی مروی ہے اور بعض صحابہ نے بدر کے دن ملائکہ کو اپنے گھوڑوں کو جھڑکتے سنا (صحیح مسلم کتاب الجہاد ج ۳ ص ۱۳۸۴، دلائل

النبوۃ للبیہقی ج ۳ ص ۵۲) اور بعض صحابہ نے کفار کے سروں کو اڑتے تو دیکھا مگر مارنے والے کو نہ دیکھا۔(دلائل النبوۃ للبیہقی ج۳ص۵۷)

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے اس دن چند سفید پوش مردوں کو چتکبرے گھوڑوں پر سوار زمین و آسمان کے درمیان دیکھا اور کوئی ان جیسا خوبصورت نہیں ہو سکتا۔(دلائل النبوۃ للبیہقی ج۳ص۵۲) اور بیشک فرشتے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مصافحہ کیا کرتے تھے۔(صحیح مسلم ج۲ص۱۸۹۹،دلائل النبوۃ للبیہقی ج۷ص۸۱) نبی کریم ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو خانہ کعبہ میں جبریل علیہ السلام کو دکھایا تو وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔(مسلم کتاب ج۲ص۸۹۹،دلائل النبوۃ للبیہقی ج۷ص۸۱)

اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنوں والی رات میں جنات کو دیکھا اور ان کی باتیں سنیں اور ان کو قوم زط سے تشبیہ دی۔(دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ص۲۳۱،تفسیر در منثور ج۸ص۳۰۷)

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جب احد کے دن شہید ہو گئے تو ان کا جھنڈا فرشتے نے پکڑ لیا جو ان کی صورت پر تھا بس نبی کریم ﷺ فرماتے تھے، آگے بڑھو اے مصعب (رضی اللہ عنہ)! فرشتے نے آپ ﷺ سے عرض کیا: میں مصعب رضی اللہ عنہ نہیں ہوں تو اس وقت معلوم ہوا کہ وہ فرشتہ ہے۔(الخصائص الکبری ج۱ص۲۱۵)

بکثرت مصنفین نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک بوڑھا جس کے ہاتھ میں عصا تھا، آیا، اس نے آپ ﷺ پر سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تو جن کی آواز ہے تو کون ہے؟ اس نے کہا: میں ہامہ بن الھیم بن لاقس بن ابلیس ہوں۔ اس نے بیان کیا کہ میں حضرت نوح علیہ السلام سے ملا ہوں اور ان کے بعد اور پیغمبروں سے، یہ حدیث طویل ہے، اس کے بعد

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو قرآن کی چند سورتیں لکھائیں۔ (دلائل اللنبوہ للبیہقی ج ۵ ص ۳۱۸)

واقدی علیہ الرحمہ نے ذکر کیا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عزی کے گراتے وقت اس کالی عورت کو جو برہنہ بدن منتشر بالوں کے ساتھ نکلی تھی اپنی تلوار سے قتل کر ڈالا اور اس کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: وہ عزی تھی (یعنی وہ بت جس کو لوگ پوجتے تھے اس کے ساتھ اس جنی کو تشبیہ دی) (تحفۃ الاشرف ج ۴ ص ۱۳۳۵، دلائل النبوہ للبیہقی ج ۵ ص ۷۷)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ شیطان نے آج رات ارادہ کیا کہ میری نماز قطع کر دے تو اللہ عزوجل نے مجھے اس پر قدرت دی اور میں نے اس کو پکڑ لیا، میں نے چاہا کہ مسجد کے کسی ستون سے اسے باندھ دوں تاکہ تم سب لوگ اسے دیکھو، لیکن مجھے اپنے بھائی (رسالت میں) حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا یاد آگئی کہ انھوں نے اللہ عزوجل سے عرض کیا تھا: ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا﴾ اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر۔ (ص:۳۵) پس اللہ عزوجل نے شیطان کو ناکام کر کے مردود کر دیا یہ باب بھی بہت وسیع ہے۔ (صحیح بخاری ج ۴ ص ۹۹، کتاب بدء الخلق)

ستائیسویں فصل

دلائل و علامات نبوت و رسالت

آپ ﷺ کی نبوت کے دلائل اور رسالت کی علامتوں میں وہ احادیث ہیں جو راہبان و احبار اور علما اہل کتاب سے آپ ﷺ کی اور آپ کی امت کی تعریف اور آپ ﷺ کے نام و علامات میں مروی ہیں اور آپ ﷺ کی اس مہر کا ذکر ہے جو دونوں کندھوں کے درمیان تھی اور اس بارے میں پچھلے موحدین کے اشعار میں جیسے تبع، اوس بن حارثہ، کعب بن لوئی، سفیان بن مجاشع قس بن ساعدہ وغیرہ سے منقول ہیں اور وہ جو زید بن عمرو بن نفیل اور ورقہ بن نوفل اور عشکلان حمیری، علمائے یہود اور ان کا عالم شامول جو تبع کا مصاحب تھا نے آپ ﷺ کی تعریف اور خبریں بیان کیے ہیں اور وہ جو توریت و انجیل میں وحی کی گئی ہیں، جس کو علما نے جمع کیا اور بیان کیا ہے اور ان دونوں کتابوں سے اسلام لانے کے بعد ان کے ثقہ حضرات نے نقل کیا ہے، جیسے عبداللہ بن سلام، بنی سعیۃ، ابن یامین، مخزیق اور کعب رضی اللہ عنھم وغیرہ جو علما یہود میں سے مسلمان ہو گئے تھے اور بجیراء، نصطور حبشہ اور صاحب بصری اور ضغاطر اور شام کے پادری اور جارود اور سلمان اور نجاشی اور حبشہ کے نصاری، نجران کے پادری وغیرہ سے منقول ہے جو نصاری کے علما میں سے مسلمان ہوئے تھے۔ نصاری کے عالم و سردار ہرقل اور صاحب رومہ نے اس کا اقرار کیا اور مقوقس صاحب مصر اور اس کا مصاحب شیخ اور ابن صوریا اور ابن اخطب اور اس کا بھائی اور کعب بن اسد اور زبیر بن باطیا وغیرہ علمائے یہود نے اقرار کیا جن کو حسد نے بقا پر بدبختی کو برانگیختہ کیا، اس بارے میں خبریں بکثرت ہیں، جن کا حصر نہیں کیا جا سکتا۔

بلاشبہ آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ کے کانوں کے پردوں کو جھنجوڑا کہ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کی اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنھم کی صفتیں ہیں اور ان پر حجت قائم کی کہ ان کے صحیفے ان پر مشتمل ہیں اور ان کی تحریف، کتمان (چھپانا) اور نبی آخر زمان کی صفت کے اظہار کے وقت زبانوں کے مرنے کی آپ ﷺ نے مذمت فرمائی اور مباہلہ کا چیلنج کیا کہ تم جھوٹے ہو۔

تو ان میں سے ہر ایک معارضہ سے بھاگا اور جو الزام ان کی کتابوں سے کیا گیا، اس کے اظہار سے وہ کئی کترا گئے کیونکہ اگر وہ اپنی کتابوں میں آپ ﷺ کے فرمان و الزام کے خلاف پاتے تو یقیناً اس کا اظہار ان پر آسان ہوتا بہ نسبت جانوں اور مالوں اور گھروں کی بربادی اور جنگ و جدال کے۔

آپ ﷺ نے ان سے فرمایا اگر تم سچے ہو تو توریت کو لاکر اس کی تلاوت کرو، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے کاہنوں کو بھی ڈرایا جیسے شافع بن کلیب، شق، سطیح، سواد بن قارب، خنافر افعی، نجران، جذل بن جذل کندی، ابن خلعۃ دوی، سعید بن بنت کریز، فاطمہ بنت نعمان اور وہ لوگ جن کا شمار ان کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہوسکتا، حتیٰ کہ بتوں کی زبانوں پر آپ ﷺ کی نبوت اور بوقت اظہار رسالت آپ ﷺ کا اظہار تھا اور غیبی آوازوں سے اور بتوں پر قربانیوں سے اور عورتوں کے شکموں سے سنا گیا اور وہ چیزیں جن پر نبی کریم ﷺ کے نام مبارک اور آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی پتھروں اور قبروں پر پرانے خط میں مکتوب تھا پائی گئیں اور وہ بہت سی چیزیں اس قسم کی مشہور ہیں اور جو لوگ ان اسباب معلومہ و مذکورہ کی وجہ سے اسلام لائے بیان ہو چکا ہے۔

اٹھائیسویں فصل

بوقت ولادت معجزات

اور آپ ﷺ کے معجزات میں دو نشانیاں ہیں جو بوقت ولادت ظاہر ہوئیں جن کو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ نے بیان کیا اور ان عجائبات کو ان لوگوں نے بیان کیا جو اس وقت موجود تھے، وہ یہ کہ آپ ﷺ کی ولادت کے وقت آپ ﷺ کا سر مبارک اٹھا ہوا تھا اور آپ ﷺ کی نظر میں آسمان کی طرف تھیں (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۳) اور آپ ﷺ کی والدہ نے اس نور کو دیکھا (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۸۳-۸۰، مسند امام احمد ج ۴ ص ۱۲۷، ۱۳۸) جو آپ ﷺ کی ولادت کے وقت آپ ﷺ کے ساتھ نکلا اور ان عورتوں نے دیکھا جو آپ ﷺ کی ولادت کے وقت موجود تھیں۔

اس وقت اُم عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ستارے قریب آ گئے اور یہ کہ بوقت ولادت نور نکلا یہاں تک کہ ہر طرف نور ہی نور پھیل گیا۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۱ ص ۱۵، دلائل النبوہ لابی نعیم ج ۱ ص ۱۳۵) عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی والدہ شفا کہتی ہیں کہ جب آپ ﷺ پیدا ہو کر میرے ہاتھ پر لائے گئے تو آپ ﷺ کو چھینک آئی تو اس وقت کسی کہنے والے کو کہتے سنا کہ رَحِمَکَ اللّٰہُ (اللہ عزوجل تم پر رحم کرے) اور مشرق و مغرب کے درمیان مجھے روشنی معلوم ہوئی حتیٰ کہ میں نے روم کے محل دیکھ لیے۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ص ۱۲، دلائل النبوہ لابی نعیم ج ۱ ص ۱۳۶)

حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شوہر جو آپ ﷺ کے رضاعی والدین ہیں، نے آپ ﷺ کی برکت کی تعریف کی ہے کہ ان کا اور ان کی اونٹنی کا دودھ بڑھ گیا تھا اور بکریاں فربہ ہو گئی تھیں

اور آپ کی نشو و نما بہت جلد ہوئی تھی۔

(مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۲۰، سیرت ابن اسحاق ج اص ۱۳۳، دلائل النبوۃ للبیہقی ج اص ۱۳۳)

شب ولادت کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا اور کنگرے گر پڑے، بحیرہ طبرمیہ کا پانی کم ہو گیا، فارس کی آگ بجھ گئی جو ایک ہزار سال سے برابر جل رہی تھی (دلائل النبوۃ للبیہقی ج اص ۱۴۹) اور یہ کہ جب آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب اور ان کے بچوں کے ساتھ اپنے بچپنے میں کھاتے تو سب کے سب شکم سیر ہو جاتے اور جب آپ ﷺ ان کے ساتھ نہ ہوتے اور وہ سب مل کر کھاتے تو وہ شکم سیر نہ ہوتے تھے اور ابو طالب کے بچے جب صبح کو اٹھتے تو پراگندہ حال اٹھتے مگر آپ ﷺ صبح کرتے تو خوش باش اور سرمگین اٹھتے۔ (طبقات ابن سعد ج اص ۱۳۰، ۱۹، دلائل النبوہ لابی نعیم ج اص ۱۲۲)

ام ایمن رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کی محافظ تھیں وہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کے بچپنے میں، میں نے کبھی بھوک و پیاس کی شکایت نہ سنی اور نہ آپ ﷺ کے بڑے ہونے کے بعد سنی (دلائل النبوہ لابی نعیم ج اص ۱۲۷) اور آپ ﷺ کے عجائبات ولادت میں سے یہ ہے کہ شہاب ثاقب سے آسمان کا محفوظ رہنا اور شیطان کی گھات کا موقوف ہونا اور ان کا چوری چھپے سننے سے رکنا ہے۔

اور آپ ﷺ کو بچپن سے ہی بتوں سے نفرت اور امور جاہلیت سے اجتناب تھا اور اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو عمدہ اخلاق کے ساتھ مخصوص فرمایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی پردہ پوشی کے بارے میں یہ خبر مشہور ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب آپ ﷺ نے اپنے تہبند کے دامن میں پتھر بھر کر کاندھے پر رکھنے کا ارادہ کیا تو وہ کھل گیا اور آپ ﷺ برہنہ ہو گئے، زمین پر گر پڑے حتیٰ کہ آپ نے فوراً تہبند باندھ لیا۔

اس وقت آپ ﷺ کے چچا نے آپ ﷺ سے کہا کہ تمھارا کیا حال ہے، تب آپ ﷺ نے

فرمایا: مجھے برہنہ ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ (بخاری کتاب الصلوۃ، مسلم ج۱ص۲۹۷، دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ص۳۲)
انھیں میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ پر اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کے سفر میں بادلوں سے سایہ کیا (سنن ترمذی ج۵ص۲۵۰، دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ص۲۵-۲۴) اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا اور دوسری عورتوں نے جب آپ ﷺ سفر سے واپس آئے تو دیکھا کہ دو فرشتے آپ ﷺ پر سایہ کررہے ہیں، اس کا انھوں نے میسرہ (ان کے غلام تھے) سے تذکرہ کیا تو انھوں نے ان کو بتایا کہ جب سے آپ ﷺ سفر کے لیے نکلے ہیں اسی طرح دیکھا ہے۔

(طبقات ابن سعد ج۱ص۱۵۷)

حضرت دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انھوں نے بادل کو دیکھا کہ وہ آپ ﷺ پر سایہ کررہا ہے وہ آپ ﷺ کے ساتھ تھیں اور اس بارے میں آپ ﷺ کے رضاعی بھائی سے مروی ہے، ان میں سے یہ کہ ایک سفر میں آپ ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے ایک خشک درخت کے نیچے اترے تو اس نے تروتازہ ہوکر آپ ﷺ کے گرداگرد سایہ کردیا اور دیکھتے دیکھتے اس کی شاخیں نکل آئیں (طبقات ابن سعد ج۱ص۱۵۷، الخصائص الکبری ج۱ص۹۱) اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ پر ایک درخت نے جھک کر سایہ کیا (سنن ترمذی ج۵ص۲۵۰، دلائل النبوہ للبیہقی ج۲ص۲۵، ۲۴) اور یہ بھی منقول ہے کہ آپ ﷺ کے وجود گرامی کا چاند و سورج کے وقت سایہ نہ پڑتا تھا (الخصائص الکبری ج۱ص۲۸) کیونکہ آپ ﷺ نور تھے اور مکھی آپ ﷺ کے جسم اور کپڑوں پر بیٹھتی تھی۔

(خصائص الکبری ج۱ص۲۸)

اور اس میں سے یہ ہے کہ آپ ﷺ کو خلوت پسند تھی یہاں تک کہ آپ ﷺ کی طرف وحی کی گئی پھر آپ ﷺ نے اپنے وصال (موت طبعی) کی اور اپنی مدت حیات ظاہری کے پورے ہونے

کی خبر دی (صحیح بخاری، صحیح مسلم، فضائل فاطمہ رضی اللہ عنہا ج ۲ ص ۱۹۰۵، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۱۲۵) اور یہ کہ آپ ﷺ کی قبر مبارک مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے گھر میں ہوگی اور یہ کہ آپ ﷺ کے حجرہ شریف (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۲۵۹) اور مسجد میں منبر کے درمیان ریاض جنت کا ایک باغ ہے اور یہ کہ اللہ عزوجل نے آپ ﷺ کو اپنے وصال کا اختیار دیا۔

(دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۱۹۳-۲۷۹، مستدرک ج ۳ ص ۶۰-۵۹)

اور حدیث وفات میں بہت سی آپ ﷺ کی کرامتیں اور بزرگیاں شامل ہیں اور یہ کہ فرشتوں نے آپ ﷺ کے جسد اقدس پر صلوۃ وسلام پڑھا، اس روایت کی بنا پر جن کو ہم نے بعض علما سے روایت کیا ہے اور یہ کہ ملک الموت نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی حالانکہ آپ ﷺ سے پہلے کسی سے اجازت قبض روح کی نہ مانگی اور بوقت غسل ایسی آوازیں سنی گئیں کہ آپ ﷺ کی قمیص مبارک نہ اتارو (سنن ابوداؤد ج ۳ ص ۵۰۲، دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۷ ص ۲۴۲، ۲۴۳) اور یہ کہ حضرت خضر اور ملائکہ نے اہل بیت سے وصال کے بعد تعزیت کی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے صحابہ پر آپ ﷺ کی کرامتیں، برکتیں اور آپ ﷺ کی حیات و وفات میں بکثرت ظاہر ہوئیں، جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے چچا کے توسل سے بارش کی دعا کی اور بہت سوں نے آپ ﷺ کی اولاد سے برکتیں حاصل کیں۔ (صحیح بخاری کتاب الاستقاء ج ۱ ص ۲۳)

انتیسویں فصل

قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ

قاضی ابوالفضل عیاض (علیہ الرحمہ) فرماتے ہیں کہ بیشک ہم نے اس باب میں آپ ﷺ کے ظاہر معجزات کے چند اشارے اور علامات نبوت میں سے ظاہر تر جو ملے بیان کیے ہیں، جو ایک (قرن) کو کافی ووافی ہوں گے اور بکثرت ہم نے چھوڑ دیے جن کا ہم نے ذکر ہی نہیں کیا اور اکثر طویل حدیثوں میں سے صرف اصل مطلب اور گوہر مقصود پر اکتفا کیا اور بہت سی حدیث اور غریب میں سے وہ جو صحیح اور مشہور ہیں، لی ہیں اور بہت کم وہ غریب حدیثیں لی میں جن کو مشاہیر ائمہ نے نقل کیا ہے اور ان کی سندوں کو بوجہ اختصار حذف کر دیا اور اس باب کو اس مضمون کے اعتبار سے پوری طرح پر لکھا جائے تو ایک جامع دیوان بن جائے جو کئی جوں پر مشتمل ہو۔

اور ہمارے نبی کریم ﷺ کے معجزات دیگر انبیا و رسل علیہم السلام کی بہ نسبت دو وجہوں پر زیادہ ظاہر ہیں، اول یہ کہ وہ بکثرت ہیں کیونکہ جس قدر نبیوں کو معجزات دیے گئے ان سب کے برابر ہمارے نبی ﷺ کو عطا ہوئے یا ان سے بڑھ کر آپ ﷺ کو ملے اور بیشک لوگوں نے اس پر اطلاع دی ہے، پس اگر تم چاہو تو اس باب کی فصلوں پر غور کرو اور گزشتہ نبیوں کے معجزات پر سوچو گے تو انشاء اللہ عزوجل تمھیں معلوم ہو جائے گا کہ آپ ﷺ کے معجزات زیادہ ہیں۔

پس یہ قرآن ہی سارے کا سارا معجزہ ہے اور بعض ائمہ محققین کے نزدیک جس میں کم سے کم معجزے ہیں وہ سورۂ کوثر ہے یا اس کی برابر کوئی ایک آیت اور بعض ائمہ رحمھم اللہ کا یہ مذہب ہے کہ اس کی ہر

آیت وہ جیسی بھی ہے معجزہ ہے اور دوسروں نے اتنا زیادہ کیا کہ قرآن کا ہر جملہ منتظمہ (مرکبہ) معجزہ ہے، اگر چہ وہ ایک کلمہ یا دو کلمے ہی کیوں نہ ہوں اور حق و صحیح وہ ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ﴾ تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ۔ (البقرہ:۲۳)

پس کم سے کم ہے جس کے ساتھ کفار سے تحدی (طلب معارضہ) کیا گیا ہے باوجودیکہ نظر و تحقیق اس کی تائید کرتی اور مختصر کو طویل کرتی ہے اور جب یہ بات ایسی ہے تو قرآن میں تقریباً ستر ہزار کلمے اور بعضوں کے شمار پر اس سے زیادہ ہیں اور ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ (الکوثر:۱) میں دس کلمے ہیں، تو اب ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ کے عدد پر پورے قرآن کی تقسیم کرو تو سات ہزار جزء سے زیادہ ہوں گے اور ہر ایک ان میں سے فی نفسہ معجزہ ہے۔

پھر اس کا اعجاز جیسا گزر چکا دو وجہوں پر ہے، اس کی بلاغت کے اعتبار سے دوسرا اس کے نظم کے اعتبار سے تو اب ہر ایک جزء اس اعتبار سے دو معجزے ہو گئے، اس طرح پر اب اس کی تعداد دوگنی ہو گئی پھر قرآن میں دوسرے اعجاز کے وجوہات بھی ہیں، مثلاً غیبی علوم کے ساتھ خبریں وغیرہ، لہٰذا اس تجزیہ کے اعتبار سے ہر ایک سورت غیبی چیزوں میں ایک خبر ہو گی اور اس کی ہر خبر فی نفسہ معجزہ ہے اور دوبارہ اس کی تعداد دوگنا ہو جائے گی، پھر دوسری وہ وجوہات اعجاز میں جن کو ہم نے ذکر کیا ہے تو قرآن کے حق میں ہی ان کی تعداد کئی گنا لازمی طور پر بڑھ جاتی ہے، پس قریب ہے کہ کوئی عدد اس کے معجزات کی تعداد کو نہ لے سکے گا اور نہ اس کے دلائل کا حصر کر سکے گا پھر آپ ﷺ سے وہ احادیث مرویہ اور اخبار منقولہ جو اس باب میں مروی ہیں اور وہ چیزیں جو اس پر دلالت کرتی ہیں اور جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا تو فی الجملہ کس تعداد تک پہنچیں گی۔

دوسری وجہ یہ کہ حضور ﷺ کے معجزات واضح ہیں کیونکہ دیگر رسولوں کے معجزات ان کے زمانہ کے

لوگوں کی ہمتوں کی تعداد اور اس فن کے اعتبار سے تھیں جو ان کے زمانہ میں رائج تھے پس حضرت موسی علیہ السلام کا زمانہ آیا تو اس زمانہ کے لوگ جادو میں کمال رکھتے تھے تو موسی علیہ السلام کو اس کے مشابہ معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا جس پر وہ قدرت کا ادعا کرتے تھے، تو وہ ان کے پاس وہ معجزہ لائے جو (چیز) ان کی عادتوں کو مجبور کرتی تھی اور جو ان کی قدرت سے باہر تھا جس کے ذریعے ان کے جادو کو باطل کیا۔

اسی طرح حضرت عیسی علیہ السلام کے زمانہ میں فن طب کمال پر تھا اور اس میں لوگ بھرپور تھے، تو وہ ان کے پاس ایسا معجزہ لائے جس پر وہ قدرت نہ رکھتے تھے اور وہ چیز سامنے لائے جس کا وہ گمان بھی نہ کر سکتے تھے، جیسے مردوں کا زندہ کرنا اور بغیر معالجہ طبی کے جذامی اور کوڑھی کو تندرست کرنا وغیرہ اسی طرح تمام انبیا علیہم السلام کے معجزات ہیں۔

پھر اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو مبعوث فرمایا، درآنحالیکہ عرب کے جملہ معارف وسلوم چار تھے:

۱۔ بلاغت، ۲۔ شعر، ۳۔ خبر اور ۴۔ کہانت۔

تو اللہ عزوجل نے آپ ﷺ پر قرآن نازل فرمایا جو ان چاروں فصلوں میں خارق اور برخلاف عادت ہے یعنی فصاحت، اختصار، وہ بلاغت جو ان کے کلام کے طرز و طریق سے خارج ہے اور اس میں وہ نظم غریب اور اسلوب عجیب ہے کہ نظم میں جن کی ادائیگی سے وہ واقف ہی نہ تھے اور وہ لوگ اور ان کے طریقوں کے سوا اور اسلوب جانتے ہی نہ تھے اور یہ کہ اس میں گزشتہ و آئندہ کی خبریں ہیں اور واقعات و اسرار، خفیہ باتیں اور دلوں کے حالات کی خبریں ہیں تو وہ ویسی ہی ہوئیں جیسی کہ بیان کی گئیں اور وہ اس کی صحت پر خبر دینے والے کا اعتراف کرتا ہے اور اس کی تصدیق کرتا ہے، اگرچہ کتنا ہی بڑا دشمن ہو اور کہانت کو باطل کیا جو ایک مرتبہ سچی ہوتی ہے اور دس مرتبہ جھوٹی اور اس کے پانسہ پھینکنے اور ستاروں کی

گھاتوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور قرآن میں گزشتہ زمانوں کی خبریں، نبیوں اور ان کی گزری ردہ امتوں کے حالات اور سابقہ واقعات کا ذکر ہے کہ اس شخص کو جو اس علم کے لیے مشغول ہو اس کے بعض حصہ ہی اس کو عاجز کر دیتے ہیں چہ جائیکہ کل قرآن ان وجوہ کے اعتبار سے جن کو ہم نے بیان کیا اور اس میں ہم نے معجزات کا ذکر کیا ہے۔

پھر یہ جامع معجزہ ان وجوہ و فصول کے ساتھ جن کو ہم نے اعجاز قرآن میں بیان کیا قیامت تک ثابت و باقی رہے گا اور ہر آنے والی امت کے لیے حجت ظاہرہ رہے گا اور اس کے وجوہ اس پر مخفی نہیں جو اس میں غور و فکر کرے اور اس کے وجوہ اعجاز میں تدبر کرے کہ کس طرح اور کس نہج پر اس میں غیبی خبریں ہیں۔

پس اب کوئی عہد اور زمانہ ایسا نہ گزرے گا جس میں اس کے مخبر کا صدق ظاہر و غالب نہ رہے اور خبر واقع کے مطابق نہ ہو، پس ایمان تازہ ہوتا رہے گا اور دلائل ظاہر ہوتے رہیں گے حالانکہ خبر عینی مشاہدہ کے برابر نہیں ہوتی اور مشاہدہ سے یقین زیادہ ہوتا ہے اور دل عین الیقین سے بہ نسبت علم الیقین کے زیادہ مطمئن ہوتا ہے، اگر چہ ہر ایک اس کے نزدیک حق ہوتا ہے اور انبیا و رسل علیہم السلام کے تمام معجزات ان کی مدت کے بعد ختم ہو گئے اور ذاتوں کے ساتھ ان کا وجود معدوم ہو گیا لیکن ہمارے نبی کریم ﷺ کا معجزہ نہ پرانا ہوا اور نہ منقطع ہوا اور اس کی نشانیاں تازہ ہوتی رہتی ہیں جو کبھی کمزور نہیں ہوتیں، اس لیے حضور ﷺ نے اپنے فرمان میں ارشاد فرمایا۔

حدیث: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بالاسناد روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کو ان کے مطابق معجزات دیے گئے جس پر لوگ ایمان لاتے رہے اور جو چیز مجھ پر وحی کی گئی یا جو اللہ عزوجل نے مجھ پر وحی فرمائی میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن اس کے اتباع کرنے والے ان سے

زیادہ ہوں گے، حدیث کے یہ معنی بعض علما کے نزدیک ہیں، یہی ظاہر و صحیح ہے۔ انشاء اللہ عزوجل اور اکثر علما نے اس حدیث کی تفسیر میں اور آپ ﷺ کے معجزات کے ظہور میں دوسرے معنی بیان کیے ہیں۔ یعنی ان کا ظہور یہ ہے کہ یہ وحی اور کلام ہے جس میں تخیل یا حیلہ جوئی یا تشبیہ کا امکان نہیں ہے کیونکہ دوسرے نبی و رسول علیہم السلام کے معجزات میں بیشک معائدین نے قصد کیا کہ اس میں دوسری چیزیں ملا دیں اور انھوں نے اس کی خواہش کی ان کو خیال بنا کر ضعیف الاعتقاد لوگوں کو پھیر دیں جیسے کہ جادوگروں کا رسی اور لکڑیاں وغیرہ ڈالنا یہ اس کے مشابہ ہے کہ جادوگر اس کو خیال بنا سکے یا اس میں حیلہ کر سکے اور قرآن ایسا کلام ہے جس میں حیلہ اور جادوگروں کے تخیل کی گنجائش ہی نہیں۔

پس اس وجہ سے ان علما کے نزدیک دیگر معجزات سے زیادہ ظاہر ہے، جیسا کہ جو شاعر اور خطیب نہ ہو وہ کسی حیلہ یا بناوٹ سے شاعر و خطیب نہیں بن سکتا لیکن پہلی تفسیر اور معنی زیادہ صاف اور پسندیدہ ہے اور یہ دوسری تفسیر و معنی وہ ہے جس پر آنکھ بند ہوتی ہے اور جھپکتی ہے۔

تیسری وجہ اعجاز کی اس مذہب پر ہے جو پھیر دینے کے قائل ہیں کیونکہ معارضہ کرنا انسان کی قدرت میں تھا پس وہ اس سے پھیر دیے گئے یا اہل سنت کے دو مذہبوں میں سے ایک مذہب پر یہ ہے کہ اس کی مثل کا لانا انسان کی قدرت کی جنس سے ہے لیکن وہ ایسا نہ پہلے کر سکے اور نہ بعد میں کریں گے کیونکہ اللہ عزوجل نے ان کو قدرت ہی نہ دی اور نہ وہ اس پر ان کو قدرت دے گا اور دونوں مذہبوں کے درمیان ظاہر فرق ہے اور دونوں مذہبوں کا اجتماع ہے کہ عرب اس چیز کو نہ لا سکے جو ان کے مقدور میں تھا یا ان کے مقدور کے جنس میں سے تھا اور ان کا بلا جلاوطنی، اسیری اور ذلت (جزیہ) نیز احوال، جان و مال کی اضاعت، زجر و توبیخ، مجبوری و لاچاری اور دھمکی و ڈراوے پر راضی ہونا، اس کے مثل لانے سے عاجز ہونے پر کھلی دلیل ہے اور اس کے معارضہ سے منھ موڑ گئے اور بلاشبہ وہ اس چیز سے روک دیے

گئے تھے جو ان کے مقدور کی جنس سے تھا، یہ مذہب امام ابوالمعالی جوینی وغیرہ رحمھم اللہ کا ہے۔

امام ابوالمعالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بات ہمارے نزدیک فی نفسہ خرق عادت میں زیادہ بہتر ہے بہ نسبت قادرہ افعال کے جیسے لاٹھی کو اژدھے سے پھیرنا وغیرہ کیونکہ دیکھنے والے کے دل میں فوراً یہ خدشہ گزرتا ہے کہ یہ خصوصیت اس کے صاحب میں اس لیے ہے کہ اس فن اور علم میں اس کی معرفت زیادہ ہے حتیٰ کہ کوئی صحیح النظر ہی اس خدشہ سے اس کو پھیرتا ہے۔

لیکن صدہا سالوں سے ایسے کلام کے ساتھ جو ان کے کلام کی جنس سے ہے، تحدی اور معارضہ کرنا کہ اس کی مثل لاؤ، پس وہ نہ لا سکے، اس کے بعد اب باقی نہیں ہے کہ معارضہ پر پورے وجوہات بیان کر میں پھر ان کا نہ لانا سوائے اس بات کے نہیں کہ اللہ عزوجل نے اس کے مثل لانے سے مخلوق کو روک دیا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے کہ اگر نبی علیہ السلام یہ فرمائیں کہ میری نشانی یہ ہے کہ اللہ عزوجل مخلوق کو قیام سے روک دے باوجود اس پر ان کی قدرت کے اور ایک زمانہ اس پر گزر جائے، پس اگر ایسا ہو جائے اور اللہ عزوجل قیام سے ان کو عاجز کر دے تو یقیناً یہ اسی نبی علیہ السلام کی روشن نشانی اور معجزہ اور نبوت پر ظاہر دلیل ہوگی۔ وباللہ التوفیق۔

اور بیشک بعض علما پر آپ ﷺ کے معجزات دیگر تمام نبیوں کے معجزات پر غالب ہونے کی وجہ پوشیدہ رہی، یہاں تک کہ اس بارے میں اس عذر کے محتاج ہوئے کہ عرب کی عقلیں دقیق تھیں ان کی ذکاوت تیز تھی اور ان کی سمجھ پوری تھی اور انھوں نے اپنی فطرت سے جان لیا کہ اس میں معجزہ ہے اور ہر بات ان کو اپنی سمجھ کے موافق حاصل تھی اور ان کے علاوہ قبطی، بنی اسرائیل وغیرہ کی کیفیت یہ نہ تھی بلکہ وہ لوگ غبی اور کم سمجھ تھے، اسی وجہ سے تو فرعون نے ان پر جائز رکھا کہ وہ ان کا رب (خدا) ہے، (معاذ

اللہ) اور سامری نے جائز رکھا کہ اس بچھڑے میں (معاذ اللہ) خدا ہے یہ بات ان کے ایمان لانے کے بعد ہوئی اور مسیح کی انھوں نے پرستش کی باوجودیکہ ان کا یہ اجماع ہے کہ وہ مصلوب ہوئے۔

﴿وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ﴾ (النساء:۱۵۷)

اور یہ کہ نہ انھوں نے اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا۔

(پس ایسے بے سمجھوں کے لیے) ظاہر اور کھلے معجزات آئے جو ان کی موٹی سمجھوں کے موافق تھے تاکہ اس میں انھیں شک و شبہ نہ ہو باوجود اس کے انھوں نے کہا۔

﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾

ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ (پا البقرہ:۵۵)

ہمیں اللہ کو واضح طور پر دکھاؤ اور من و سلوی پر انھوں نے صبر نہ کیا، اور

﴿اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ﴾

کیا اوٹی چیز کو بہتر کے بدلے مانگتے ہو۔ (البقرہ:۶۱)

اور عرب اپنی جاہلیت کے باوجود ان میں سے بہت زیادہ خدا کے معترف تھے اور وہ بتوں میں تقرب الی اللہ کو تلاش کرتے تھے اور بعض ان میں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان رسالت سے پہلے ہی اللہ عزوجل کی واحدانیت پر دلائل عقلیہ سے دل کی صفائی کے ساتھ ایمان رکھتے تھے اور جب اللہ عزوجل کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کتاب لے کر تشریف لائے تو اس کی حکمت کو سمجھا اور انھوں نے پہلی مرتبہ میں ہی اپنی سمجھ کی برتری سے جان لیا کہ یہ معجزہ ہے تو وہ ایمان لے آئے اور ہر روز ان کا ایمان بڑھتا رہا اور تمام دنیا سے کنارہ کش ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کی، اپنے گھروں اور مالوں سے ہجرت کی اور اپنے بالوں اور بیٹوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد میں قتل کیا۔

اسی معنی میں یہ باتیں ہیں جن سے آراستگی ہوتی ہے اور عجیب لذت معلوم ہوتی ہے، اگر اس کی طرف احتیاج اور تحقیق کی جائے لیکن ہم نے اپنے نبی ﷺ کے معجزات کے بیان اور اس کے ظہور میں پہلے ہی وہ باتیں ذکر کردی ہیں جو ان خفیہ اور ظاہر راستوں پر چلنے سے بے پرواکردیتا ہے۔

وَبِاللهِ اَسْتَعِيْنُ وَهُوَحَسْبِيْ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ

تمت بالخیر

الحمد الله علی احسانه کتاب "الشفا بتعریف حقوق المصطفی ﷺ" مصنفہ علامہ قاضی ابوالفضل محمد عیاض مالکی اندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے حصہ کا ترجمہ مسمی بنام تاریخی

"نعیم العطاء فی حدیث المجتبی ﷺ"

۲۱ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ بروز جمعہ بعد مغرب سے شروع ہوکر ۱۳ جمادی الآخرہ ۱۳۷۹ھ بروز یک شنبہ بعد مغرب مکمل ہوا، اب اس کے بعد حصہ دوم یعنی کتاب الشفاء کی قسم ثانی جس میں لوگوں پر حضور ﷺ کے کیا حقوق واجب ہیں، کا بیان ہے، شروع ہوگی۔

وَاللهُ مُتَمِّمٌ بِالْخَيْرِ

غلام معین الدین نعیمی

سواد اعظم لاہور

MUSTAFAWI
PUBLISHING